وَاللّٰہُ یَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی

صراطِ مستقیم

مترجم اردو

مؤلف ✻ فارسی

جناب مستطاب جرنیل شاہ

اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام

محمد اطہر عثمانی

کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند

سے شائع ہوئی

قیمت

دو روپیہ آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ثنا جو بے نیاز مطلق کی بارگاہ کے شایان شان ہے۔ وہ اُسی کی ذات پاک کے بیان کے سوا کسی کے بیان میں نہیں آسکتی اور اس دعوےٰ کی دلیل فخر عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کلام لَا اُحْصِی ثَنَآءً[۱] عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ سے روشن ہے اور ایسا شکر جو اُس کی اَن گنت و بے شمار نعمتوں کا حق ادا کرے۔ کسی مخلوق سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خود شکر ایک ایسی نعمت ہے۔ کہ اور کوئی نعمت اس کے ہم پلہ نہیں اور یہی وجہ ہے۔ کہ اگر تمام عالم "خلق و امر" جس کا نام دوسرے لفظوں میں "شخص اکبر" ہے۔ اپنے جیسے ہزاروں عالموں کو ہمراہ لے کر شکر کے اس میدان کے درمیان نہایت جدّ و جہد سے دوڑ دھوپ کرے اور پھر نعمائے الٰہی کا پورا شکر بجالانے کا خیال تک اس کے دل میں گزرے تو شرمندگی کے پسینے کے سوا اور کوئی اپنی پیشانی کا زیور نہ دیکھے اور ہزاروں زبان سے اپنی بے زبانی کا اقرار و اعتراف کرکے بندگی کے محکمہ میں اپنے عجز و ناتوانی کا شاہد عدل (گواہ راست گو۱۲) اس فرمان واجب الاذعان کو پیش کرے کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا[۲] پس مشت خاک سے اس کے حمد و شکر کا کچھ حصہ ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر جو کچھ اللہ تعالےٰ اپنی عام مہربانی سے حکم فرمادے ناچار اس بیچارے کا یہی چارہ ہے۔ کہ اپنی قوت و طاقت سے الگ ہو کر اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے اَلْحَمْدُ[۳] لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر کبھی قصور کے گریبان سے سر نہ نکالے اور اس حکیم حقیقی کی وکالت اور ولائیت کے حکم سے جس نے اس ناچیز محض کو خود حمد و شکر کی تعلیم کی،، ہمیشہ اس نعمت عظمےٰ کی لذت مذاق جان میں پہنچاتا رہے اور کلمہ شہادت اَشْھَدُ[۴] اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اور کلمہ تمجید سُبْحَانَ[۵] اللّٰہِ

---

۱ یعنی تیری حمد و ثنا کا شمار و احصا میں نہیں کر سکتا۔ تیری ذات پاک ایسی ہے جیسے خود تو نے اپنی ذات پر ثنا کہی ہے ۱۲ ۲ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو اُن کو گن نہ سکو گے ۱۲ ۳ یعنی سب طرح کی حمد (اور تعریف) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے ۱۲ ۴ یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی بندگی کرنے کے لائق نہیں اور اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اُس کے بھیجے ہوئے ہیں ۱۲ ۵ یعنی اللہ تعالےٰ پاک ہے اور سب تعریف اللہ تعالےٰ کے لئے خاص ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ برتر بزرگ کے سوا (کسی) نیکی کی طاقت اور گناہ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔
کو اپنا ہمدم وہم نفس اور اپنی جان کا مونس بنائے رکھے اور درود نامحدود صاحب مقام محمود پر نازل ہو یعنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ وارثہ ونوابہ الیٰ یوم الدین وعلینا معہم و فیہم برحمتک یاارحم الراحمین[1] امابعد عاجز ذلیل خداوند جلیل کی رحمت کا اُمیدوار بندہ ضعیف محمد اسمٰعیل عرض کرتا ہے۔ کہ اس کمترین پر خداتعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اور سب سے بڑی نعمت ہادی زمانہ مرشد یگانہ حضرت سید احمد صاحب کی محفل ہدائیت منزل میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیر تک زندہ رکھنے سے فائدہ دے۔ اور آپ کے اقوال اور افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبان قرب آلٰہی کو نفع پہنچاوے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلس عالی میں حاضر ہونے کے وقت کلمات ہدائیت آیات کے سننے سے کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبان قرب آلٰہی کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوض آلٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں اور اُس کا طریق بجز اُس کے اور کوئی نہیں کہ اُن بلند پرواز مضامین کو تحریر کے پنجرے میں قید کیا جاوے اگرچہ بحکم ۔ ع
شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔ حضور اور غیبت میں بڑا فرق ہے اور حدیث اَلشَّاھِدُ یَرٰی مَالَا یَرَاہُ الْغَائِبُ[2] اس مدعا پر شاہد عدل ہے لیکن تاہم مقولہ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ[3] کے اس امر کے تمام کرنے میں کمر ہمت کو چست باندھ کر تہ دل سے نیت خالص کر کے پوری پوری کوشش کی اور اس کتاب کی اثنائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت مآب (بازگشت) قدوۂ فضلائے زمان زبدہ علمائے دوران (فائدہ رساں) مولٰینا عبدالحی دام اللہ برکاتہ[4] جو حضرت سید صاحب بارگاہ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں" (برگزیدہ، زمانہ) کے لکھے ہوئے جن میں چند مضامین ہدائیت آگین حضرت سید صاحب کی زبان سے سُنکر مولٰینا صاحب نے تحریر کئے تھے" ملے پس اُن اوراق کو حلوائے بے دود اور غنیمت بے مشقت سمجھکر اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہٖ درج کر دیا اگرچہ اس کتاب کی تالیف میں مناسب بھی تھا کہ جس طرح اس کتاب کے اکثر مضامین کی تحریر کرنے میں صرف جناب سید صاحب کے فرمائے ہوئے کلمات کے ترجمہ ہی پر اکتفا گیا اسی طرح تمام کتاب کے مضامین میں یہی طریق اختیار کیا جاتا لیکن چونکہ آپ کی ذات والا صفات ابتدا فطرت سے جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے آپ کی لوح فطرت علوم رسمیہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دانشمندوں

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام نازل ہوں اُن پر اور اُن کی تمام اولاد اور سب اصحابوں پر اور روز قیامت تک جتنے اُن کے وارثان (علم) اور نائبان دین ہیں اُن پر اور اُن کے ساتھ اور اُن کے زمرہ میں داخل کر کے ہم پر بھی نازل ہوں تیری رحمت سے اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان [2] یعنی حاضر ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جنھیں غائب نہیں دیکھتا [3] یعنی جو شے تمام حاصل نہ ہوسکے وہ ساری کی ساری چھوڑ بھی نہیں دیجاسکتی [4] اللہ تعالےٰ اُن کی برکتیں ہمیشہ رکھے ۱۲

کی راہ وروش سے خالی تھی۔ پس ان گہرے مضامین اور اسرار غامضہ کا سمجھنا تو تمہید مقدمات اور تمثیلات کے وارد کرنے کے سوا اور سلف متقدمین کی اصطلاح سے ان مضامین کے مطابق کئے بغیر "اہل زمان کے اذہان پر" جو کہ علوم رسمیہ کے عادی ہوگئے ہیں" محض آپ کی زبان برکت نشان سے صادر ہوئے ہوئے کلمات کی ترجمہ سے نہایت دشوار معلوم ہوتا تھا۔ لہذا سامعین کے سمجھانے کی سہولت کے لئے بعض مقامات میں کسی قدر تقدیم وتاخیر اور بعض جگہ چند مقامات کی تمہید اور تمثیلات کے وارد کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص کر قطب المحققین فخر العرفا الکملین اعلمہم باللہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہ کی اصطلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا مہذا اس عاجز نے کتاب کے ہر دو حصہ کو املا کے بعد حضرت سید صاحب کے گوش گزار کردیا۔ تاکہ مقصود وغیر مقصود سے ممتاز ہو جاوے اور جو نقصان اس ہیچمدان کی مداخلت عقل کے باعث اس کتاب میں آگیا ہو۔ آں جناب کی اصلاح کی وجہ سے اُس کا جبر نقصان ہو جاوے اور اس کتاب کا نام **صراط مستقیم** رکھا اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر اُس کو مرتب کیا۔ اور بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا۔ اور مبادی کو لفظ تمہید سے اور مقاصد کو لفظ افادہ سے شروع کیا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ[1] عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ **مقدمہ** اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے **پہلا افادہ** جاننا چاہیئے کہ شریعت اور طریقت کا ثمرہ اور حقیقت اور معرفت کی بنیاد حضرت حق جل وعلا کی محبت کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ (فقرہ حدیث) مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا الخ (یعنی جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب ماسوا کی نسبت زیادہ ترمحبوب ہوں (اُس نے ایمان کا مزہ چکھا) اس امر کی تصریح ہے۔ اور آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ ترمضبوط ہیں) اسی کی طرف اشارہ ہے اگرچہ تمام صوفیہ کرام اور جمیع طوائف انام کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی اور متفق علیہ ہے۔ لیکن اس مقام میں ایک نہایت باریک نکتہ ہے۔ جس سے اکثر اہل زمان غافل اور چوکے ہوئے ہیں اور وہ نکتہ یہ ہے۔ کہ حب نفسانی جس کو دوسرے لفظوں میں لقب عشق سے نامزد کرتے ہیں" اور حب ایمانی" جو حب عقلی سے مشہور ہے" ان دونوں کے درمیان فرق کیا جاوے۔ کیونکہ پہلی حُب مبادی سلوک کی واردات سے ہے۔ اور دوسری حُب انبیا کرام کے کمالات اور اولیا عظام کے مقامات میں سے ہے۔ اکثر عوام صوفیہ قسم اول کو دوسری کے جابجا رکھ کر اور اُسی کو اشارات شرعیہ کا مشار الیہ سمجھ کر انبیا اور اولیا کی سیر کو اہل عشق و وجد کے احوال سے تطبیق دینے میں ناحق کی سردردی اُٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اُن بزرگواروں کی سیر کو ان سالکوں

[1] یعنی مجھے کچھ توفیق نہیں۔ مگر ساتھ اللہ کے اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف میں گڑگڑاتا ہوں ۱۲ منہ

کی واردات سے کسی طرح کی مطابقت نہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عشق اُس گھبراہٹ اور بیقراری کا نام ہے جو مقصود کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے۔ اور وہاں سے تمام قوای باطنہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کیفیت کا انجام اور اس کی نہایت اُس مقصود کا پالینا اور اس محبوب کا وصال ہی اولاً اس کیفیت کا موقع قلب ہے جو تمام کیفیّات نفسانیہ کا محل ہے۔ پھر ثانیاً تمام قوائی باطنہ اور اُس کا نہایت درجہ طالب کا مطلوب کے یادت میں اپنے آپ سے غائب اور مضمحل ہو جاتا ہے۔ پھر جب یہ غائیت مرتب ہو جاتی ہے۔ تو اُس بیقراری اور پریشانی کی شورش فرد ہو جاتی ہے۔ اور وہ کیفیت جو عشق سے نامزد ہے زائل ہو جاتی ہے۔ اور حُب عقلی سے یہ مراد ہے کہ طالب کے دل میں اس چیز کی طلب کا ارادہ جوش مارتا ہے۔ جس کے فوائد اور منافع اُس کی طرف اپنے محتاج ہونے پر اُس نے اطلاع پائی ہے۔ اور اس داعیہ نے طریق طلب کی مشقتیں اُٹھانا اس پر سہل کر دیا ہے اور اس سبب سے اس کی طلب میں کمرِ ہمت چست باندھ کر جو حیلہ اپنی نکر کے کیسہ میں رکھتا تھا۔ سب کچھ اس کی طلب میں خرچ کر ڈالا۔ اور اختیاراً بغیر مجبوری کے اپنا سب سر و سامان چھوڑ دیا۔ اور اس محبت کے واقع ہونے کی جگہ اوّلاً تو عقل ہے جو معلومات کا خزانہ ہے۔ پھر ثانیاً تمام قوای باطنہ میں بھی یہی ارادہ اثر کر جاتا ہے۔ جیسے پانی درخت کی جڑ سے اُس کے پتّوں اور پھول پھل تک سرایت کر جاتا ہے پس عقل میں کیا کیا فکر اور کیسی کیسی تجویزیں اُس کے حاصل کرنے کے لئے درست کرتا ہے۔ اور دل میں کیا کیا ہمّتیں اور کیا کیا ارادے اُس کی طلب کے لئے برانگیختہ کرتا ہے۔ اور جوارح (اور اعضا) پر کیسی کیسی مشقتوں کا سامنا اور کیسے کیسے مالوفات (اور مرغوبات) کا ترک کرنا اس مطلوب کے راستہ میں چلنے کے لئے اپنے اوپر گوارا کرتا ہے۔ اور جس طرح کی پہلی حُب (عشقی کا نتیجہ علم کا فناہ ہونا ہے۔ یعنی ماسوا محبُوب سے حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی غافل اور بے خبر ہو جانا اسی طرح دوسری حُب (عقلی) کا ثمرہ فنا ہی ہمّت ہے یعنی جو بات کہتا ہے محبوب ہی کی کہتا ہے۔ اور جو کچھ سُنتا ہے اُسی کی طرف سے سُنتا ہے۔ اور جس نظر و فکر کا نتیجہ محبوب کے حاصل کرنے اور اُس کے راستہ میں چلنے کے سوا کچھ اور ہو وہ اُس کے نزدیک اُس قسم کے وساوس میں سے ہے۔ جن کا اعتبار کچھ نہیں ہوتا۔ اور جو محبّت اور عداوت اور پسند کرنا اور ناپسندی کہ محبُوب اور اُس کے طریق کے مناسب اور مخالف کے ساتھ نہ ہو۔ اُس کے آگے ایسے عوارض کے قبیل سے جن کی طرف کچھ التفات نہیں کی جاتی۔ غرض تحصیل مطلوب اور اُس کے طریق کی تمہید کے خیال نے طالب کے ظاہر اور باطن کو اپنی حکمرانی اور فرمان روائی کے نیچے دبا لیا ہوا جاتا ہے۔ بر خلاف پہلی حُب کے کہ اس میں محب کے تمام باطن کا حُب سے پُر ہو جانا اُس کے تحقیق اور پایا جانے کے لئے شرط نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ایک چیز کا عشق اُس کے بُغض عقلی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے خاص کر جبکہ حبِ عقلی اور حُبِ عشقی میں تعارض ہو تو اس

وقت تو یہ اجتماع ضدین ضرور لازم آجاتا ہے مثلاً ایک نوجوان دیندار والدین سے نیک سلوک کرنے والے کو کسی عورت یا کسی بے ریش لڑکے کا عشق لگ جاتا ہے۔ اور چونکہ شارع یا اُس کے والدین جو اُس کے نزدیک حُبِ عقلی سے محبوب ہیں۔ اس امر سے روکتے ہیں۔ ناچار وہ سعادت مند دل کی تہ سے اُس معشوق کو بلکہ اُس کے عشق کو مکروہ اور مبغوض رکھتا ہے۔ اگرچہ اپنی طبیعت کی رُو سے اُس کا مغلوب ہی ہو جاوے ولیکن دوسری حُب چونکہ اُس کا مقر (و موقع) اصلی عقل ہے۔ اور وہاں سے اُس کے لشکروں نے قوای طبعیہ پر چڑھائی کی ہے (اس لئے) محب کے تمام باطن کو مسخر کر لیا ہے۔ کسی طرح معارضہ کی اس میں گنجائش نہیں اور جس طرح کہ پہلی حُب محبوب کے پالینے کے بعد زائل ہو جاتی ہے۔ اور اُس کی سوزش (اور بھڑک) فرو ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری حُبِ محبوب کے وصال سے ترقی میں قدم رکھتی ہے۔ اور ایک سے ہزار گنا ہو جاتی ہے۔ اور اس قدر وسعت اور کشادگی پکڑتی ہے۔ کہ ہرگز ایسی وسعت اور قوت ہجر (اور جدائی) میں متصور نہیں۔ کیونکہ پہلی حُب کا مبنی (اور منشا) محبوب کا نہ پانا تھا۔ اور ہجر (اور فراق) اُس کی شرط تھی۔ (اور قاعدہ کی بات ہے) کہ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ[1]۔ اور حُب ثانی کا منشا محبوب کے منافع اور فوائد کا علم اور اُس کے کمالات کا جاننا اور اُس کی طرف اپنی محتاجی کو سمجھنا تھا۔ اور یہ معنی وصال میں واضح تر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ علم الیقین عین الیقین سے بدل جاتا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ اجمال کی شرح ہو جاتی ہے۔ مثلاً پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے۔ یعنی معدہ میں حرارت جوش مارتی ہے۔ اور سینہ میں سوزش اور لب پر خشکی ظاہر ہوتی ہے۔ اُس وقت اُس کو پانی کا عشق ہو جاتا ہے۔ یعنی طبیعت کی تہ سے اسے پانی کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے نہ پانے کی وجہ سے بے قراری اور گھبراہٹ عارض ہوتی ہے۔ اگرچہ کسی سے اُس نے یہ نہ سنا ہو کہ پانی پیاس کو بجھا دیتا ہے۔ (تاہم اُس کو پانی کا اشتیاق غالب ہو جاتا ہے) اور اگرچہ کسی جسمانی یا نفسانی ضرر کے اندیشہ سے عقل پانی کے استعمال سے مانع ہو۔ اور جب عین پیاس کی شدت میں اسے میٹھا پانی مل جاوے اور پی کر اُس سے سیراب ہووے اور رونگٹے رونگٹے میں اُس کی سیرابی سرایت کر جاوے اُس وقت اُس شخص پر ایک ایسی حالت وارد ہوتی ہے۔ کہ اگر اُس سے تعبیر کریں تو یہی کر سکتے ہیں کہ ماسوائے پانی سے نسیان اور فراموشی حاصل ہو گئی ہے۔ بلکہ بسا اوقات سکر اور نشہ کی طرح خمار سا طاری ہو جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے تھوڑی سی دیر کے لئے بے خودی میسّر ہو جاتی ہے۔ اور وہ پیاس کی حالت بالکل زائل ہو جاتی ہے اور اہل زراعت اور کسانوں کو پانی کی نسبت حُبِ عقلی ہے۔ کیونکہ اُن کا میلان پانی کے حاصل کرنے کی طرف اس امر پر مبنی ہے۔ کہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ اُن کی کھیتیاں اور چراگاہ اور باغ بغیچے جو اُن کی عیش و معاش کا سرمایہ اور زندگی کا مدار ہیں۔ پانی کے بغیر کسی صورت سرسبز نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ پانی کی طرف

[1] یعنی جب شرط نا پدید ہو۔ تو مشروط بھی نابود ہو جاتا ہے۔ ۱۲

اپنی کمال حاجت اور پھلوں اور غلوں میں پانی کی نہائیت منفعت کو سمجھ کر اُس کی طلب کا خیال اُن کی عقل سے اُٹھتا ہے اور اُن کی تمام ہمّت کو پانی کی طلب میں مصروف کر دیتا ہے۔ پس کیا کیا دعائیں اور زاریاں پانی کی طلب میں اُن سے صادر ہوتی ہیں۔ اور کیا کیا حیلے اور تدبیریں اور چرسوں کے مرتب کرنے میں اُن سے ظاہر ہوتی ہیں اور کیا کیا محنتیں مشقتیں کنوؤں اور نہروں کے کھودنے میں اور حوضوں کے درست کرنے میں رات دن میں کسانوں پر اور اُن کے چہار پایوں پر گذرتی ہیں اور یہ لوگ ان تمام دشواریوں کو اپنا کمال اور فخر سمجھ کر ان امور اور ان جیسی دشواریوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر اُن کے حاصل کرنے میں ایسی سرگرمی اور چالاکی دکھلاتے ہیں جس میں کسی طرح سے سُستی اور کوتاہی کو دخل نہیں ہوتا اور اگر کبھی کوئی اس قوم کا ان کاموں میں پست ہمّت ہو جاوے تو دوسرے کسان اس پر طعن کرتے ہیں اور اسے کم عقلی اور بے ہمّتی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جتنا پانی اُنھیں حاصل ہوتا ہی اس کے منافع اور فوائد پر عین الیقین سے اطلاع پاکر اپنی تمام کوشش اور سعی کو جو جو مشقتیں اُس کی طلب میں اُٹھائی تھیں سب کو بجا اور برمحل سمجھتے ہیں اور اس اپنی محنت پر خوشحال اور شکرگذار ہوتے ہیں اور مشقتوں کے اُٹھانے میں زیادہ چالاک ہوتے ہیں جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بعضے اپنے خاص بندوں کو جن کی قسمت میں سعادت ازلی تھی برگزیدہ کر کے محض اپنی عنایت و مہربانی سے اپنی محبت کی دو قسموں میں سے ایک یا دونو کی طرف ہدایت کر کے اس سعادت دوجہانی کے سرمایہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے ثمرات و نتائج کے ساتھ فخر و امتیاز بخشتا ہے وَذٰلِكَ[1] فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اور محبت کی ان دونوں قسموں کیلئے کئی اسباب اور تائید کرنیوالے چیزیں اور کئی آثار اور ثمرات ہیں جو اُسی نوع کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور چونکہ طالب راہ حق محبّت کی دونوں قسموں میں سے ہر ایک کو دوسری قسم سے اُنھیں امور کی بدولت پہچانتا ہے۔ اس لئے ان امور اربعہ کا نام رکھا گیا **وجوہ[2] التمایز فیما بین النوعین دوسرا[(۲)] افادہ** چونکہ حب ایمانی اور اُس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات نبوت پر جا ختم ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طریق کا نام "جس کی ابتداء حبّ ایمانی سے اور انتہا نبوت پر ہے" راہ نبوت اور نسبت نبوت رکھا گیا اور چونکہ حُبّ عشقی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات معرفت پر جا ختم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وجود حضرت حق (جل و علا کے) سامنے اور اشیاء کے حقائق نیست معلوم ہوتے ہیں اور یہ معرفت و ولائیت کا خلاصہ ہے۔ اس لئے اس طریق کو "جس کی ابتدا حبِّ عشقی اور انتہا معرفت پر ہے" راہ ولائیت و نسبت ولائیت سے نامزد کیا گیا۔ **تیسرا[(۳)] افادہ** اس امت کے اکابر

---

[1] یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیدیتا ہے ۱۲ [2] یعنی ہر دو قسموں کے آپس میں علیحدہ علیحدہ پہچاننے کی وجہیں یعنی اس کتاب میں جہاں وجوہ تمایز فیما بین النوعین کا لفظ آویگا۔ مراد اس سے بھی چار چیزیں ہوں گی ۱۲ منہ

یعنی ائمۂ طریقت و پیشوایان حقیقت اگرچہ طریق نبوت کے کمالات کے ساتھ موصوف اور اُس کے ثمرات کے مقام میں راسخ القدم تھے۔ لیکن اُنہوں نے اس نسبت کے حاصل کرنے کا طریق راہ ولائیت کے حاصل کرنے کے طریق سے ممتاز نہیں فرمایا اور اس راستہ کے مباحث میں بالاستقلال کچھ کلام نہیں کیا اور اس راہ کے مبادی کی تعیین میں سعی بلیغ نہیں کی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ایک باب دونوں قسم کی محبت میں امتیاز کے وجوہ میں منعقد کیا جائے اور چونکہ ہر طریق کا آثار و علامات کا دریافت کرنا اس طریق میں چلنے اور سلوک کرنے پر مقدم ہے۔ لہذا اس باب کو باقی الواب سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ نفس (ناطقہ) کو اخلاق رذیلہ اور صفات کمینہ سے خالی اور پاک کرنا اور اوصاف جمیلہ اور فضائل حمیدہ سے محلی اور مزین ناک کرنا اور عبادات شرعیہ کا اُس طریق پر ادا کرنا جس طرح شارع کا مقصود ہے۔ راہ نبوت کی بنیاد اور راہِ ولائیت کی رونق و بہار ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ایک باب اس کتاب کا جو تخلیہ اور تحلیہ مذکور کو شامل ہو۔ عبادات شرعیہ کے ادا کرنے کے طریق پر متضمن ہو۔ ہر دو طریق کے سلوک سے پہلے اور وجوہ تمائز طریقین کے بیان سے پیچھے ہو معین کیا جاوے۔ تاکہ راہِ نبوت کے طالبین کو اپنے کام کا سر رشتہ ہاتھ میں آجاوے۔ اور راہ ولائیت کے سالکین کو اپنی سعی کے ثمرات دکھائی دینے لگیں اور نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعیین میں جو راہِ ولائیت کے مبادی ہیں نہایت کوشش کی ہے لیکن بحکم اس مصرع کے رع ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مقامی دارد ٭ ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ طریق کے پیشواؤں میں سے اہل تحقیق اشغال کی تجدید میں بڑی بڑی کوشش کر گئے ہیں۔ بنا بر آں مصلحتِ وقت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کتاب کا ایک باب ایسے اشغال جدیدہ کے بیان کے لئے جو اس وقت کے مناسب ہیں معین کیا جاوے اور طریق ثلثہ یعنی قادریہ چشتیہ۔ نقشبندیہ کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید پر اکتفا کی جاوے کیونکہ یہی تینوں طریق سب طرق سے زیادہ تر مشہور ہیں پس ان تین طرق کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید کی ضرورت نہیں رہتی اور چونکہ نسبت ولائیت کا حاصل کرنا راہ نبوت کے سلوک کو آسان کر دیتا ہے۔ اور چونکہ نسبت ولائیت کا صاحب نسبت نبوت کو تھوڑی سعی سے حاصل کر سکتا ہے اس لئے حُسن ترتیب کا تقاضا یہ ہوا کہ یہ باب (جس میں سلوک طریق ولائیت کا بیان ہے) باب چہارم سے جو سلوک راہ نبوت پر مشتمل ہے مقدم کیا جاوے وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقُ وَبِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ التَّحقِیقِ[1]

[1] یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ملتی ہے اور تحقیق کی مہاریں اس کے ہاتھ میں ہیں ۱۲

باب اوّل تمائز طریقین کے وجوہ کے بیان میں

یعنی جن وجوہ سے طریق نبوت اور طریق ولائیت میں امتیاز و فرق ہوتا ہے ان کا بیان اور یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے فصل اوّل طریق ولائیت کے امتیاز کے وجوہ کے بیان میں اور یہ فصل چار ہدائیتوں پر شامل ہے **پہلی ہدائیت**[1] حب عشق کے حاصل کرنے کے اسباب میں اور یہ دو افادہ پر مشتمل ہے۔ **پہلا افادہ**[1] جاننا چاہیئے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا سبب عادی ذکر و فکر ہے۔ لیکن جو ذکر و فکر محبت کی دو قسموں میں سے ایک قسم کو حاصل کرنیکا سبب ہوتا ہے اور دو ماسن کرو فکر سے جدا ہے جو دوسری قسم کے حاصل کرنیکا سبب ہو سکتا ہے چنانچہ دونوں قسموں کی تفصیل احکام کے ضمن میں اس معنی کیطرف اشارہ کیاجا دیگا **دوسرا افادہ**[2] مخفی نہ رہے کہ حصول عشق کا سبب ایک مثال کے بیان کرنے سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ سو اُس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے آگ جو کہ سب عناصر سے بلند مرتبہ رکھتی ہے اور سب سے لطیف تر اور زیادہ صاف ہے' جب زمین کے اجزا لطیفہ سے' جن کو دخان کہتے ہیں" مل جاتی ہے۔ اُن اجزار ارضیہ کو اپنے حیز کی طرف" جو سب احیاز عنصریہ سے مافوق اور اُوپر ہے' کھینچتی ہے۔ تاکہ اُن کو اپنے آپ میں فانی کر کے آثار احکام میں اپنا ہم رنگ اور مشابہ بنالے ولیکن غبار جو کہ جو[1] میں تودے کے تودے جمع ہو رہا ہے چونکہ اس دخان کو حیز نار کی طرف چڑھنے سے مزاحم اور مانع ہوتا ہے۔ ناچار اقتضائے نار اور اقتضائے غبار کے درمیان کشمکش اور مزاحمت اور مقابلہ واقع ہو جاتا ہے۔ اور اس تمانع اور تزاحم کے سبب سے رعد کی ہولناک آواز آگ کے برقی شعلے حادث ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اجزار نار یہ اپنی تندی اور تیزی کی وجہ سے بعض عوائق کو پانی سے بدل کر زمین کی طرف بہا دیتی ہے اور بعض موانع کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جو زمین کو پراگندہ اور پریشان کر دیتی ہیں۔ لبعد ازاں اجزائے لطیفہ و خانیہ کو کھینچ کھینچ کر اپنے آپ میں فانی اور نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ اسی طرح لفظ مبارک اللہ کا (یعنی اسم ذات) جو عالم الفاظ میں حضرت بیچوں سُبحانہ وتعالیٰ کی تجلّی ہے،، جب ذاکر کے حلق زبان اور تالو اور کان کو نور اور سکینہ اور لذت سے مالامال کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ ذکر خیر جو وساوس کے دور کرنے اور خیالات اور خطرات کی جمعیت و تسکین اور ترقیق و تلطیف ارواح کے لئے موضوع ہے،، اُس طریق کے مطابق ہو جو صوفیہ کرام کے نزدیک معہود و مقرر ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور گمنامی بخشتا ہے بہ شرطیکہ ذکر خفی ، جو اس لفظ مبارک کی حلاوت اور شیرینی پانے اور تنہائی اور خاموشی کی لذت اور مزہ حاصل کرنے اور لوگوں کے اختلاط اور ہم کلامی سے نفرت حاصل کرنے کے لئے موضوع ہے،، اُس طریق پر واقع ہو جو صوفیہ

[1] مابین آسمان و زمین کو جو کہتے ہیں ۱۲

ہیں مشہور و معروف ہے۔ خواہ صرف اسی لفظ مبارک کے ذکر سے یہ معنے حاصل ہو گیا ہو۔ خواہ نفی یا دوسری صفات کے ضم کرنے سے طالب کو اس لفظ کے مفہوم کے تصوّر کی طرف انتقال ہو جاوے۔ اور یہ عالم علم (و ادراک) میں حضرت حق جل جلالہٗ کی تجلی ہے جو سب تجلیات سے الطف اور بلند تر اور حضرت ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور جب یہ تجلی یعنی مفہوم اس لفظ کا جو کہ بسیط محض اور مجرد بحت[۵۱] ہے۔ اُس کے ذہن میں اُس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے۔ کہ اُس کی بصیرت کی آنکھ . . . .

. . . . اسی مفہوم کی طرف دائم التوجہ ہو جاوے اور ادراک کی تمام قوتیں آنکھ کی طرح اسی مفہوم کی طرف نظر جمالیں اور اُس کے ماسوا کی طرف تہ دل سے ذرہ بھر التفات بھی صادر نہ ہو۔ اور اگر گاہ و بیگاہ ماسوا کا خطرہ اُس کے ذہن میں گذر جاوے تو امور اتفاقیہ کی طرح ہوتا ہے۔ نہ تہ دل سے اور قوم (یعنی صوفیہ کرام) کے نزدیک یہ کیفیت فکر کے نام سے نامزد ہے۔ **الغرض** جب طالب اپنے ادراک اور ہمت سے اس مفہوم میں استغراق قوی حاصل کر لیتا ہے اور یہ تجلی اُس کی جان سے پیوند ہو جاتی ہے۔ تو سالک کی لطیف ترین اجزا کو جس کا نام روح الٰہی ہے۔ اپنا آشیانہ بنا کر اور اُس کے ساتھ امتزاج پا کر اُس کو اپنی اصل کی طرف کھینچتا ہے۔ اور روح الٰہی جو کہ عالم پاک سے ہے اور قُلِ[۵۲] الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اُس کی شان میں ہے۔ اور اس مُشتِ خاک (یعنی جسم میں محبوس و مقید) ہونے کے سبب سے اپنی اصل کو بھول گئی تھی۔ اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ پکڑ گیا تھا جب اُس تجلی کے نور سے اُس کا چہرہ مصفا و مصقولی ہو گیا۔ اور کمالات حق کا عکس اپنے اندر دیکھا کہ (حدیث) وَ اَنَّ[۵۳] اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اسی کی طرف اشارہ ہے" اور اپنے فراموش شدہ اصل کو پھر یاد کر کے اصل کی طرف پہنچنے کی خواہش کرتی ہے پس اُس تجلی کا اُس روح کو کھینچنا بہ سبب اُس آگاہی اور بیداری کے" جو اُس تجلی کے استقرار کی وجہ سے حاصل کی تھی " اور روح کا کھچ جانا خطیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا اقتضا کرتے ہیں اور رفیق اعلےٰ کے ساتھ مل جانے کی خواہش کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ بشریت کا غبار خطیرۃ القدس میں پہنچنے سے مانع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش اور مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے اس سبب سے شورش اور بیقراری اور گرمی نسمہ[۵۴] کے اندر " جو روح طبعی سے ملقب ہے " پیدا ہو جاتی ہے جس طرح غصے کے وقت شورش اور گرمی اور خوشی کے وقت بشاشت اور دل کی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالجملہ یہ شورش اور تغلغل[۵۵] جو کہ روح نفسانی میں پیدا ہو گئی ہے۔ طالب کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح آوارہ پھراتی ہے

۵۱ سادہ خالص ۱۲ ۵۲ یعنی کہہ دو روح میرے رب کے امر سے ہے ۱۲ منہ ۵۳ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی صفت سے ۵۴ نسمہ کے معنی ہیں نفس اور جان ۱۲ ۵۵ تغلغل کے معنی بھی شورش کے ہیں ۱۲

اور اس کی عقل و فکر کو درہم برہم کر دیتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانون شرع اور قواعد ادب سے باہر کھینچ لے جاتا ہے اور اس کیفیت کی شدت اور حدت کی وجہ سے جنگلوں اور ویرانوں سے اُنس اور دل لگی ہو جاتی ہے اور مجلسوں اور گھروں سے نفرت اور وحشت ہو جاتی ہے اور آہ و فغاں کا سرزد ہونا اور رنگ چہرہ کی زردی اور رونا اور اشکباری حاصل ہو جاتی ہے اور اسی کیفیت کا نام عشق ہے۔ اور چونکہ اس کیفیت کی حامل اور اُٹھانے والی روح حیوانی ہے اس لئے اُس کو حُب نفسانی سے نامزد کرتے ہیں اور یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے تاکہ بشریت اور نا آشنائی کا حجاب پھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہو کر اس محبت کا ثمرہ مترتب ہو جاتا ہے **دوسری ہدایت**(۲) حُب عشقی کے مؤیدات کے بیان میں اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے **پہلا**(۱) افادہ حب عاشقی کے مؤیدات سے ریاضت ہے یعنی کم سونا اور کم بولنا اور لوگوں سے صحبت اور اختلاط کم رکھنا اس لئے کہ حس حیوانی کو ان امور سے رقت اور لطافت حاصل ہو جاتی ہے اور جسقدر روح حیوانی رقیق تر ہو اُسی قدر تقلقل اور شورش اور گرمی کا پیدا ہونا اس میں جلدی سے ہوتا ہے **دوسرا**(۲) **افادہ** حب عشقی کے مؤیدات میں سے الحان خوش اور صورت دلکش اور قصص شوق آمیز اور اشعار عشق انگیز کا سُننا ہے **تیسرا**(۳) **افادہ** منجملہ مؤیدات حُب عشقی کے ایسے امور سے پرہیز کرنا ہے جو روح طبی میں کثافت پیدا ہونے کے باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً بہت سونا اور ہمیشہ کثیف غذاؤں کا کھانا اور اسی قسم کی اور چیزیں جو اہل تجربہ پر مخفی نہیں۔ **تیسری**(۳) **ہدایت** آثار حُب عشقی کے بیان میں اور یہ پانچ افادہ پر مشتمل ہے **پہلا**(۱) **افادہ** منجملہ آثار اس حُب کے ایک یہ ہے کہ اس کا اقتضاء ذاتی حجاب بشری کا پھاڑنا اور روح الٰہی کا اپنی اصل کی طرف پہنچنا ہے فقط کسی قانون کی مطابقت اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل نہیں خواہ قانون شرع ہو خواہ قانون ادب اور نہ کسی کی رضا اور خوشنودی کا طلب کرنا اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ محبوب کی رضا ہو یا اُس کے غیر کی اور نہ کسی کی متابعت کا التزام اُس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ اپنے محبوب کی متابعت ہو یا اُس کے سوا کسی اور کی یہ مت سمجھنا کہ اس کلام سے یہ مقصد ہے کہ ارباب عشق واصحاب مواجید قیود شرعیہ سے مقید نہیں ہوتے یا آداب عرفیہ سے مُتأدب نہیں ہوتے اور رضائے مولیٰ کے طالب اور متابعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملتزم نہیں ہوتے حاشا وکلّا یہ بات ہرگز نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ حُب بالذات ان امور کے مقتضی نہیں اس کا مقتضےٰ صرف یہ ہے کہ صاحب اس حال کا حضرت ذوالجلال کے جمال کی مشاہدہ میں مضمحل اور فانی ہو جاوے۔ ولبس جس طریق سے یہ کیفیت میسر آوے (فبہا) کسی طریق کے خصوصیت کو اس کے اقتضائے ذاتی میں دخل نہیں مثلاً اگر اس حال کے صاحب کو اپنے مقصود کے حاصل ہونے کا ظن مزامیر کے سننے اور عشق مجازی اور شغل برزخ (کے ارتکاب)

اور اوقات کو اذکار و طاعات سے خالی رکھنے وغیرہ ممنوعات شرعیہ میں ہو تو البتہ تہ دل سے اُن امور کی طرف میلان اور کشش پیدا ہو جاوے گی اگرچہ صاحبِ حال دینداری اور تشرع ہونے کی وجہ سے اس خیال کے آثار کے ظہور سے مانع ہووے بلکہ اس خیال کے دور کرنے میں کوشش کرے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ عشق مجازی میں عاشق کا مطلوب اپنے معشوق کے جمال کا مشاہدہ اور اُس کا قرب اور وصال ہوتا ہے اگرچہ معشوق کو اس عاشق کے قرب سے ایذا پہنچے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ یعنی معشوقان مجازی اپنے عاشقوں کو دیدہ بازی اور اپنی مجلسوں میں آمد و رفت کرنے سے سخت ممانعت کرتے ہیں اور اپنے قرب و جوار بلکہ محلہ و دیار سے نکلوا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ گالم گلوج اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مگر وہ عشاق مجازی کسی طرح نظر بازی اور معشوقوں کی محفلوں اور مجالس میں آمد و رفت سے باز نہیں آتے بلکہ معشوق کے ہاتھ سے مارا جانے اور یار کے کوچہ میں جان دینے کو اپنا بڑا فخر اور کمال عالی ہمتی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے اشعار نظمیہ اور کلمات نثریہ اس امر پر دلالت صریحہ رکھتے ہیں۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ کسی کی نسبت کلام شکایات آمیز زبان پر لانا یا گلہ کا حرف کہنا کس قدر اُس شخص کی رنجش کا سبب ہوتا ہے اور حُبِ عقلی کے مقام میں شاکی اور گلہ کرنے والے کو کس بغض کے مرتبہ میں جا گراتا ہے تاہم ارباب عشق مجازی ایسی حکایات و شکایات کے بیان کرنے میں کسی طرح صرفہ نہیں رکھتے بلکہ اپنے کلام کو ایسے مضامین سے رنگین اور مزین بناتے ہیں۔ بالجملہ اس کلام سے ہمارا مقصود حُبِ عشقی کی مذمت ہرگز ہرگز نہیں بلکہ حب عشقی اور حب عقلی میں جو فرق ہے اُس کی طرف اشارہ ہے **دوسرا افادہ**(۲) اس حُب کے بعض آثار میں سے تفرد ہے یعنی سوائے محبوب کے سب علائق قطع کر دینے اور طرح طرح کے مشاغل اور رنگا رنگ کے علائق کے ہجوم اور ازدحام سے تنگدل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں و جمعوں کے قائم کرنے اہل قرابت وغیرہ ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا اور یہی وجہ ہے کہ تزوج اور خانہ داری سے جو تمام علائق کی اصل ہے عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے **تیسرا افادہ**(۳) منجملہ آثار حُب عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً دل کا تعلق شدید ہو جاتا ہے یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرت سبحانہ وتعالےٰ کے فیض کا ذریعہ ہے۔ اور اس کی ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی عشق کا متعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرماوے تو البتہ میں اُس کی طرف التفات تک نہ کروں گا **چوتھا افادہ**(۴) منجملہ آثار اس حُب کے علوم اور طاعات ظاہری سے لاپروائی ہے کیونکہ اُن علوم کا

شغل پراگندہ امور کے انتظام و ترتیب کی قسم میں سے ہے۔ اور چونکہ اس کا کام بساطت در بساطت ہے اس لئے ایسے امور کا اشتغال اُس کے کاروبار کو پریشان کر دیتا ہے **پانچواں افادہ** منجملہ آثار حُبِ عشقیہ کے نہ سمجھنا اُس علاقہ کا ہے جو شریعت کے ظاہر اور باطن میں واقع ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کے لئے ایک باطن ہے اور وہ تعلق دل کا ہے حضرت حق جل و علاؑ سے اور اس تعلق کے مختلف انحاء اور ڈھنگ ہیں اور اُن انحاء میں سے ہر ایک کا نام نسبت رکھا جاتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل اپنے محل پر مذکور ہے اور ایک شریعت کا ظاہر ہے اور وہ اوامر شرعیہ کا بجالانا اور منہیات سے باز رہنا اور اُن افعال ظاہرہ اور تعلقات قلبیہ کے درمیان ایک نہایت باریک علاقہ ہے کہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس اللہ سرہ کو شرح و تفصیل سے اُس کے بیان میں توفیق ملی ہے پس جو شخص اپنے وجدان سے اُس علاقہ کو سمجھ لے اُس کی عبادت تو سراسر مغز بے پوست ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے احوال افعال کے ساتھ مل جاتے ہیں ورنہ وہ شخص قشری محض اور خشک زاہد ہو جاتا ہے اگر ظاہر افعال شرعیہ کے ساتھ تمسک رکھتا ہو نہیں تو ایک گونہ الحاد اور (بے دینی) اُس کے عقائد میں راہ پا جاتا ہے اگر باطن شرع کے ساتھ تمسک کر کے ظاہر شریعت کو درجہ اعتبار سے ساقط کر جائے اور چونکہ اس علاقہ کا سمجھنا کثرتِ افعال کو وحدت احوال میں انتظام دینے کے قبیل سے ہے اس لئے صاحب حُبِ عشقی کو اس میدان میں جولان کرنے کی گنجائش نہیں مگر ارباب حُبِ عقلی کی تقلید سے اور اُن آثار سے جو مذکور ہوئے اُن آثار کا کھوج لگالینا جو بسبب تنگی مقام کے قلم تحریر میں نہیں آسکے۔ اہل دانش و صاحبان فطانت پر چنداں مشکل اور دشوار نہیں اَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ[۵۱] **چوتھی[۴] ہدایت** حب عشق کے ثمرات کے بیان میں اور یہ تین افادوں پر مشتمل ہے **پہلا[۱] افادہ** جب کیفیت عشقیہ کی شدت اور تیزی اور تجلی علمی کے جذب کی قوت اور کمال منجذب ہونے روح الٰہی کی وجہ سے شہادت و مثال کا غبار کھُل جاتا ہے اور ظلمانی اور نورانی پردے پھٹ جاتے ہیں تو بنا بر وعدہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[۵۲] اور مطابق کلمہ فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ[۵۳] کے ضرور مشاہدہ جمال لایزال حضرت ذوالجلال کا میسر ہوتا ہے اور قرب اور معیت کا معنی، جو کہ مضمون اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ[۵۴] ۔ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِىْ[۵۵] وَاحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ[۵۶] کا ہے (اور) جس کو وصال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں ظاہر ہو جاتا ہے اور جو تب و تاب اور تعلق و اضطراب محرومی اور مہجوری کے وقت میں برداشت کئے تھے اُن کے بدلے میں سرور و ابتہاج کی خلعتیں اور

---

۵۱ عقلمند کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے ۱۲ ۵۲ یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیا کرتے ہیں ۱۲ ۵۳ یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ۱۲ ۵۴ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں ۱۲ ۵۵ اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب مجھے یاد کرے ۱۲ ۵۶ اور تو اللہ کو یاد رکھ اُس کو اپنے سامنے پاویگا ۱۲

ہم کلامی اور سرگوشی کے سر وپا ہاتھ آتے ہیں غرض پریشانی الفت سے اور وحشت اُنست سے بدل جاتی ہے
دوسرا افادہ[۲] پھر جب توفیق کا راہبر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہو جاتا ہے اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اُسے احاطہ کر لیتے بلکہ آگ کے اجزا لطیفہ اُس لوہے کے ٹکڑے کے نفس جوہر میں دخل کر جاتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنا جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اُس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں کے شمار میں ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے کیونکہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اُس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مترتب ہوتے تھے وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہو سکتے ہیں یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مترتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کو احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اُس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کئے جا سکتے ہیں چنانچہ آیہ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ[۱] اس کیفیت کا بیان ہے اور آیت فَاَرَادَ رَبُّكَ[۲] اسی کی طرف اشارہ ہے **الغرض** اگر اس حال میں اس آہن پارہ کو بولنے کی طاقت ہوتی تو سوز بان کے ساتھ اپنی اور آگ کی عینیت اور یکجان ہونے کا شور اور غل مچاتا اور ضرور خواہ مخواہ ایک ساعت کے لئے اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلمہ بول اُٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور سناروں بلکہ تمام پیشہ وروں کاریگروں کے کاروبار میرے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں احدیت کے دریاؤں کی گہری تہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو اَنَا الْحَقُّ[۳] اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ[۴] کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی[۵] کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ اور ایک روایت کی رو سے وَلِسَانَهُ[۶] الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِهٖ اسی مثال کی حکایت ہے اور حدیث اِذْ قَالَ[۷] اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّهٖ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور

[۱] یعنی میں نے اس کام کو اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کیا ۱۲ [۲] سو تیرے رب نے ارادہ کیا ۱۲ [۳] یعنے میں خدا ہوں ۱۲ [۴] یعنے میرے ہر دو پہلو میں بجز اللہ کے کچھ نہیں ۱۲ [۵] یعنے میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے وہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے ۱۲ [۶] اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے ۱۲ [۷] یعنے جب اللہ تعالے نے اپنے نبی کی زبان سے کہا اللہ نے اس کی بات کو سن لیا جس نے اس کی تعریف اور حمد کی ۱۲

حدیث[1] یَقْضِی اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّہٖ مَاشَاءَ اسی سے کنایت ہے اور یہ نہایت باریک بات اور نہایت نازک مسئلہ ہے چاہیے کہ تو اس میں خوب تامل و غور کرے اور اس کی تفصیل کو دوسرے مقام پر چھوڑ دے دَرَائ ذَاتِ فَلَا اَقُوْلُ لِاَنَّہٗ سِرٌّ لِسَانُ النُّطْقِ عَنْہُ اَخْرَسُ یعنے اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ایسا بھید ہے جس سے بولنے والی زبان گونگی ہے اور زنہار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ[2] صادر ہوئی تو پھر اشرف موجودات سے جو حضرت ذات (سبحانہ وتعالےٰ) کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا مظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہی لَئِنْ[3] سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ یعنے اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اُسے دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔ اور منجملہ لوازم اس مقام کے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن و بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی[3] مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے **تیسرا[3] افادہ** پھر جب کوئی اور لطیفہ غیبی اور جاذبہ لاریبی اس طالب کو پہنچتا ہے تو اس کے ادراک کو نہایت بڑی وسعت اور بے حساب فراخی حاصل ہو جاتی ہی جس کے سبب سے تمام حقائق کونیہ اور موجودات امکانیہ ذات ہیچوں کے سامنے نیست و نابود نظر آنے لگتے ہیں اور جو نسبت پہلے مقام میں اس طالب کے اپنے نفس اور حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ کی ذات کے درمیان ظاہر ہوئی تھی اب اس مقام پر جو چیز عرصہ وجود میں ظہور پذیر ہے اس کے اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے درمیان ظاہر ہونے لگتی ہے غرض بساط وجود پر حضرت حق کی قیومیت کا انبساط اور ان حقائق منکثرہ کا قیام اُس ذات واحد یکتا کے ساتھ اُس کی سمجھ میں آ جاتا ہے اور آیت ہُوَ[4] الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور حدیث لَوْ[5] اَدْلَیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السَّابِعَۃِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ کے مضمون کے ساتھ دم مارنے لگتا ہے۔ سبحان اللہ حب عشق کی کیا عمدہ تاثیر اور تجلی علمی کا کیا خوب جذب ہے کہ ایک مشت خاک اس مقدس اور پاک مقام میں کس قدر چالاک ہو جاتی ہے اور اس بے قدر مٹی نے بڑے رب الارباب کے قرب کی مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور خوبی کا مقام پایا سہ

---

[1] یعنے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو حکم جاری کرنا چاہتا ہے ۱۲ [2] یعنے بیشک میں خدا ہوں تمام جہان کا پروردگار ۱۲ [3] یعنے جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اسے لڑائی کے لئے (میدان کارزار) میں للکارتا اور پکارتا ہوں ۱۲ [4] یعنے سب سے پہلے اور پیچھے اور ظاہر اور باطن وہی ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱۲ [5] یعنے اگر تم سب سے نچلی ساتویں زمین تک ایک رسی لٹکادو تو وہ اللہ ہی کے علم پر جا گرے گی ۱۲ منہ

	کوہ در رقص آمد و چالاک شد	جسم خاک از عشق بر افلاک شد	
	طور مست وخر موسےٰ صاعقا	عشق جانِ طور آمد عاشقا	

یعنے خاک کا جسم عشق کی بدولت آسمانوں پر چڑھ گیا یہ پہاڑ (عشق کی طفیل) رقص میں آیا اور چالاک ہوگیا۔ای عاشق عشق طور کی جان ہے۔ طور مست ہے اور موسیٰ بیہوش ہوکر گر گئے ہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہی وحدت وجود سے دم مارنا اور معارف الیہ کے ساتھ لب کھولنا اور ان ابیات کے مضامن کو پڑھنا ہے

	فاش گر گویم جہان برہم زنم	آنچہ نے میگوید اندر زیر و بم	
	زندہ معشوق ست و عاشق مردۂ	جملہ معشوق ست و عاشق پردۂ	

منجملہ احکام حب نفسانی کے جسقدر بیان کرنا یہاں ضروری تھا وہ بیان ہوچکا باقی رہی اس مقام کی شرح و بسط خصوصًا مقام فنا اور بقا کی تفصیل پس قوم یعنے صوفیہ کی کتابوں سے طلب کرنی چاہیے اور قدوۂ اولیا اور زبدۂ اصفیا یعنے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس کمال کو "قرب النوافل" سے تعبیر فرماتے ہیں **دوسری[۲] فصل** طریق نبوت کی امتیاز کے وجوہ کے بیان میں اور یہ فصل چار[۴] ہدایتوں پر شامل ہے پہلی ہدایت حُبِ ایمانی کے حاصل کرنے کے اسباب کے بیان میں اور یہ تین[۳] تمہید اور دو[۲] افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلی[۱] تمہید جاننا چاہیے کہ انسان کی اصل پیدائش میں چند چیزیں فطرۃً رکھی ہوئی ہیں اور اُن اُمور کا اچھا جاننا اور اُن کی ضدوں کو بُرا سمجھنا اس کی طبیعت میں رکھا ہوا ہے اور نوع انسان کا ہر فرد بشر بشرطیکہ اُس کی جِبِلّت "اہل جہل و عناد" جنھوں نے اپنی فطرت کو بگاڑ دیا ہے اور اپنی جبلت کے احکام کو برباد کیا ہے"، کی تقلید کے نقش سے صاف و پاک ہو اُن امور کو اپنی اور تمام اپنے ہمجنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور ان امور کی ضدوں کو اپنے اور اپنے ہمجنسوں کے عیب اور نقص کا سبب جانتا ہے اور ابناء نوع میں سے جس کسی کو ان امور سے خالی اور ان کی طلب و تلاش سے بے رغبت پاتا ہے اُسے کم فہموں اور بیوقوفوں کی جماعت سے شمار کرتا ہے اور ان فطری امور میں سب سے عمدہ منعم اور احسان کرنے والے کی محبت اور اس کی تعظیم ہے اور اُس کی جانب کو اُس کے ماسوا پر ترجیح دینا اور اُس کی نعمتوں کا شکر کرنا اور اُس کی رضاجوئی میں مشقتیں اُٹھانا اور مالوفات کو ترک کرنا اور مرغوبات کو اس کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنے آپ کو اُس کے بندوں کے زمرہ میں شمار کرنا اور اس کے سامنے اپنے نفس کو ناچیز محض دیکھنا اور اس کی مدح وثنا کے ساتھ زبان کھولنا اور جوارح اور ہاتھ پاؤں کو اس کی خدمت اور اطاعت میں استعمال کرنا اور اس کے باراحسان

ـــہ یعنے شریعت اور طبیعت ۱۲ منہ

کے نیچے گردن کو پست کرنا اور اپنے اوپر اس کی منت و احسان کو قول اور فعل سے ظاہر کرنا اور مرغوب اور دل پسند چیزوں کے اُس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں ترک کردینا اور اُس کی رضاجوئی اور احکام کی بجاآوری کے ارادہ پر دل کو محکم اور مضبوط رکھنا اور اُس کے سامنے پست ہونے اور نیاز کرنے سے عار نہ رکھنا گو ناکارہ امور اور دشوار و ناگوار کام پیش آجاویں اور امور مذکورہ پر جن کا خلاصہ منعم کی حق شناسی ہے استقامت رکھنا اور ہمیشگی کرنا خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ اچھی فطرت والے انسان کو اپنے منعم کے ساتھ ایک ایسا علاقہ ہو جاتا ہے کہ کبھی مدت العمر اُس کے عہدہ سے کسی خدمت کے ساتھ ہرگز نہیں نکل سکتا اور کسی چیز کو اس کی نعمتوں کا مقابل و موازی نہیں سمجھ سکتا اور اُس کی خدمات کی بجاآوری میں محنتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کی جزا سوائے رضا کے اور کچھ نہیں جانتا اور اگر تو خوب غور اور تامل کرے گا۔ تو افراد انسان میں سے کسی فرد کو جو فطرت کی خوبی میں اپنے اقران کا مسلم اور مانا ہوا ہو" اس معنے سے خالی نہ پاویگا اور محب منعم کے ساتھ مدح اور تعریف کرنا اور اُس کے ساتھ فخر اور بڑائی کرنا اور منعم کی ناشکری اور احسان نہ ماننے سے پرہیز اور نفرت کرنا اور نمک حرامی کو گالی اور دشنام دہی کے مقام میں استعمال کرنا اور اس نوع کے افراد میں جاری ہے مثلاً اگر تو کسی شخص کو والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اپنے موالی اور مالکوں کی خیرخواہی اور آقا کی نمک حلالی اور اُستاد کی تعظیم اور بادشاہوں کی فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرے تو البتہ وہ شخص اس قول کو منجملہ اپنے مدائح اور تعریفوں کے شمار کرے گا اور اس مدح سے اُسے خوشی اور فرحت حاصل ہوگی بلکہ اس قائل کی نسبت نفع رسانی کی کوشش اور محبت کا خیال اُس کے دل میں محکم ہو جاویگا اور اگر والدین کی نافرمانی اور مالکوں سے بھاگنا اور آقا کی نمک حرامی اور استاد کی اہانت اور بادشاہوں کی بغاوت کو کسی طرف نسبت کیا جاوے تو البتہ وہ شخص اس قول کو اپنی مذمت اور ہجو سمجھ کر اس کے قائل کی نسبت رنجیدگی اور غصہ اور بغض بہم پہنچا کر اُس کے قائل کی ایذا رسانی میں کوشش کرے گا اور حب منعم کی فروع میں سے ہے اُس کے شعائر کی تعظیم کرنا یعنے جن امور کو منعم کے ساتھ ایک خاص قسم کی ایسی مناسبت ہے کہ جو شخص اس مناسبت سے واقف ہو ان امور کا خیال کرتے ہی منعم کی طرف انتقال کر جاوے جیسے منعم کے نام اور کلام اور لباس اور ہتھیار کی تعظیم کرنا یہاں تک کہ اس کی سواری اور رہنے کے مکان کا ادب کرنا چنانچہ جس شخص کو ان امور کا محاورہ ہو اور امراء عظام و مصاحبین کرام وغیرہ حق شناسوں کے ساتھ صحبت و نشست برخاست رکھتا ہو اور انہیں فرمان بادشاہی اور تخت سلطانی کی تعظیم کرتے دیکھا ہو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں اور حب شعائر منعم کی تعظیم کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس چیز کی تعظیم کا باعث ہو جاتی ہے جو اسکی

محبت کی تائید کرے اور اُس کے شکر کا رواج دے مثلاً جو شخص منعم کی شکرگذاری کی طرف دعوت کرتا ہے یا اس کی خدمت گذاری میں اس محبت کی تائید کرتا ہے یا اُس کی نعمتوں پر اطلاع اور آگاہی دیتا ہے۔ وہ عزیز معلوم ہونے لگتا ہے اور جب یہ مرتبہ بھی کمال قوت پکڑ جاتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے تو امور کی تعظیم کا سبب ہو جاتا ہے جو اس محب سے منعم کی تعظیم اور اس کی خدمت گذاری میں ظاہر ہوئے ہوں یعنی ان افعال و اقوال کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو منعم کی نعمتوں کے مقابلہ میں بجا لایا تھا اور جو اموال اُس کی رضاجوئی میں خرچ کئے تھے اُن کی تعظیم کرتا ہے یہ مت سمجھنا کہ یہ خیال اپنے اقوال اور افعال پر عجب و ناز کے قسم سے اور مال کے خرچ کرنے پر فخر کے قبیل سے ہے کیونکہ ان اقوال و افعال و اموال کی دو جہتیں ہیں ایک جہت سے تو محب کے کمالات میں سے ہیں اور دوسری جہت سے منعم کے شعائر و نشانات میں سے ہیں اور اُن کی تعظیم اور عزت دوسری جہت سے متعلق ہے نہ پہلی جہت سے اور منجملہ اُن امور کے محبت جواد اور فیاض کی ہے اور مراد جواد سے وہ شخص ہے کہ امور نافعہ یعنے فائدہ مند چیزوں کی بلا غرض بخشش اور فیاضی کیا کرتا ہے کیونکہ ہر انسان سلیم الفطرۃ جس شخص کو اس صفت سے موصوف جانتا ہے بالطبع اس کو دوست رکھتا ہے مثلاً اہل سخاوت و فتوّت اور ارباب کرم و مروّت خواہ وہ سلاطین ذوی الاقتدار ہوں یا امرای نامدار دانائی اور لیاقت والے لوگوں میں سے ہر شخص اُن کو تہ دل سے دوست رکھتا ہے اور اُن سخیوں کی عزت و جاہ کی ترقی اور زیادت کی خواہش اُن کے دل کے اندر استقرار پکڑ جاتی ہے۔ خواہ اُن بزرگوں سے کوئی انعام انہیں پہنچا ہو یا نہ چنانچہ اہل وجدان پر پوشیدہ نہیں حالانکہ اُن بزرگوں میں سے کسی کو حقیقۃً سخی اور جواد نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سوا حق جل و علا کے جو شخص امور نافعہ کی فیاضی کے درپے ہوتا ہے اور فیض رسانی میں کوشش بجالاتا ہے تو البتہ دینی یا دنیاوی غرضوں میں سے کوئی نہ کوئی غرض اُسے ضرور ہوتی ہے۔ خواہ خدا تعالےٰ کی رضاجوئی یا ثواب جزیل کی طلب یا عذاب اُخروی سے بچنے یا اپنے اخلاق کی تہذیب یا اپنے نام و نشان کی خواہش یا سخاوت و کرم سے مشہور ہونے یا اپنے ہمجولیوں کی مدح اور ثنا کی تمنا وغیرہ اس قسم کے امور اس سخاوت اور فیاضی کا باعث ہوتے ہیں لیکن چونکہ فیاضی اور انعام کے وقت یہ سخی لوگ اس غرض کو پوشیدہ اور مستور رکھتے ہیں اور محض بے غرضی ظاہر کرتے ہیں اس لئے اوپر اوپر کی نظر میں جواد مطلق کے ساتھ بہت مشابہت پیدا کرلیتے ہیں اس وجہ سے صاحبان فطانت اور دانا لوگوں کی محبت کے مستوجب ہو جاتے ہیں اجب مجازی جوادوں کا یہ حال ہے تو جواد مطلق سبحانہ و تعالیٰ کے کیا کہنے کہ حقیقت میں صفت جود و کرم اُسی ذات فیاض میں منحصر ہے اور بس کیا تو دیکھتا نہیں کہ اگر کبھی کسی وقت میں کسی بخشش کرنیوالے سے انعام اور فیض رسانی کے وقت اپنی غرض کا حاصل کرنا یا کسی منفعت کا حاصل کرنا ظاہر ہو جاوے۔

توسب سمجھدار لوگ اُسے کریم النفسوں اور فیاضوں کی جماعت سے نکال کر کمینوں اور لپست ہمتوں کے زمرہ میں سے شمار کرتے ہیں اور منجملہ ان امُور کے صمد کی تعظیم ہے اور مراد صمد سے وہ شخص ہے کہ خود بی نیاز ہو اور اس کے غیر کو اُس کی طرف حاجت پیش آوے اور صمدیت ایسا امر ہے کہ کمال اور نقصان میں متفاوت ہے کیونکہ کھانے اور پینے اور جماع وغیرہ لوازم حیوانیت سے مستغنی ہونا صمدیت کا ایک مرتبہ ہے اور جہت اور شکل اور لون وغیرہ لوازم جسمانیت سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور مددگار اور وزیر اور شریک اور مشیر اور آلات اور وسائط وغیرہ لوازم عجز سے مستغنی ہونا اور ایسا ہی جاسوسوں اور سرکاروں اور خفیہ نویسوں اور وقائع نگاروں وغیرہ لوازم جہل سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور علت سے مستغنی ہونا خواہ فاعل ہو یا قابل جسے دوسرے لفظوں میں وجوب سے تعبیر کرتے ہیں ایک مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے اور دوسرے مراتب فوقانیہ کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور اسی طرح اس کی طرف غیر کے محتاج ہونے کے مراتب بھی متفاوت ہیں کیونکہ حل مشکلات اور دفع بلیات میں محتاج ہونا ایک مرتبہ ہے اور تربیت اور تغذیہ[۱] اور تنمیہ[۲] میں محتاج ہونا دوسرا مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے اور ہاتھ پاؤں اور قوتوں کے حاصل ہونے میں اُس کی ایجاد اور عنایت کی طرف محتاج ہونا ایک اور مرتبہ ہے جو اس سے بھی اوپر ہے اور نفس وجود اور بقائے وجود میں اُس کا محتاج ہونا یعنی کتم[۳] عدم سے نکلنا اور منصۂ[۴] ظہور پر جلوہ پذیر ہونا ایک اور مرتبہ ہے جو اس سے بھی اوپر ہے۔ اور ان کے سوائے اور مراتب فوقانیہ کو انہیں پر قیاس کرنا چاہیئے اور صمدیت کے ہر مرتبہ کے مقابل تعظیم کا ایک مرتبہ ہے جو کمال و نقصان میں اُس کی مثل ہوتا ہے یعنی جس قدر صمدیت زیادہ عالی ہوگی اور احتیاج ذات صمد کی طرف قوی تر ہوگا اُسی قدر تعظیم جو اس کے مقابل ہے زیادہ کامل اور جامع ہوگی غرض صمدیت اور تعظیم ترازو کے دو پلوں کی طرح خیال کرنا چاہیئے جسقدر ایک پلہ میں علو اور رفعت ہوگی اُسی قدر دوسرا پلہ پستی اور تہ نشینی کی طرح جُھک پڑیگا اور اس امر کا ثبوت "کہ تعظیم صمد لوازم انسانیت میں سے ہے" یہ ہے کہ جو شخص کسی مذہب کا پابند ہے" خواہ وہ مذہب حق ہو یا باطل، عبادت کو جو غایت تعظیم کا نام ہے کسی کے حق میں جائز نہیں رکھتا تاوقتیکہ اس کی صمدیت ثابت نہ کرے یعنی عبادت اُسی ذات کی جائز رکھتا ہے جو عابد کی ابنائے جنس کی حوائج سے مستغنی اور بے نیاز ہو اور عابد اپنی حوائج اور مشکلات میں اُس کی طرف محتاج ہو بلکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے معبود کے مستحق عبادت ہونے پر اسی صمدیت کی وجہ سے استدلال کرتا ہے اور شارع نے بھی معبودان

---

[۱] غذا دینا کھلانا پلانا ۱۲ [۲] تنمیہ بنانا چھوٹے سے بڑا کرنا ۱۲ [۳] کتم کے معنی پردہ ۱۲ [۴] منصہ چبوترہ یعنی نابودگی کی پردہ سے نکل کر وجود خارجی کے بلند چبوترہ پر ظاہر ہو جانے میں تمام مخلوق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محتاج ہے ۱۲

باطل کی معبودیت کو صمدیت کے نہ ہونے سے باطل کیا ہے کہ جابجا اُن کی محتاجی کو ثابت کیا ہے اور اُن کے پوجنے والوں کا کسی حاجت میں اُن کی طرف محتاج نہ ہونا ظاہر کیا ہے چنانچہ علم تفسیر میں مہارت رکھنے والوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور منجملہ اُن امور کے اہل کمال کی محبت اور اُن کی تعظیم ہے اور یہ امر ظہور اور بداہت اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ محتاج بیان نہیں کیونکہ ہر سلیم الفطرۃ جس شخص کو کسی کمال سے موصوف جانتا ہے۔ "جیسے علم و ذکاوت اور قوت و قدرت اور حسن صورت و سیرت اور وقار و تمکین وغیرہٗ ضرورتہ دل سے اس شخص کو دوست رکھتا ہے اور جسقدر اس کی تعظیم و تکریم کر سکتا ہے بجالاتا ہے اور اُس کی صحبت و ہم نشینی میں کوشش کرتا ہے اور چونکہ صفات کاملہ مراتب کمال و نقصان میں بے حد تفاوت رکھتی ہیں اس لئے حب و تعظیم جو اُن کے مقابلہ میں ہوگی ناچار متفاوت ہوگی مختصر خلاصہ یہ ہے کہ جب ان امور میں سے ہر ایک امر سلیم الفطرۃ انسان کے باطن میں حب عقلی کے پیدا کرنے کے لئے کافی ہے تو ان سب امور کا جمع ہونا خصوصاً جب نہایت مرتبہ کمال میں ہو تو بیشک ایسی محبت کے زیادہ ہونے اور بے حساب تعظیم کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا جس سے زیادہ متصور نہیں۔ دوسری تمہید چونکہ منعم حقیقی اور جواد مطلق کے علم میں افراد انسان کے لئے مصائب اُخرویہ سے نجات پانے کا وسیلہ اور برترین مناصب سے کامیاب ہونے کا ذریعہ اس کے سوائے اور کوئی نہیں تھا کہ حق جل و علا کی نہایت قوی محبت جو اس کی نہایت تعظیم سے ملی ہوئی حاصل کریں اسی لئے منعم کی محبت اور اس کی مثل اور امور جو عین جبلّت ہیں اس کی طبیعت کے اندر ودیعت رکھے ہوئے تھے انہیں امور کو سعادت جاودانی اور سرمایہ دو جہانی کے افاضہ کا طریق مقرر کر کے اشرف اور کامل ترین افراد انسان کی زبان ہدایت نشان پر اس امر کی منادی کرادی کہ اَحِبُّوا اللہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِعَمِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلا کھلا کر تمہاری پرورش اور تربیت کرتا ہے اور کوہ فطرت سے یہ آوازہ دیدیا قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ الخ یعنے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے قدم بقدم چلے چلو اور لطف اور مہربانی سے بھرا ہوا کلام جو حضرت حق کی نعمتوں سے مشحون اور آثار صمدیت کی شرح و بسط سے پُر اور صفات کمال کا ثابت کرنیوالا اور نقص و زوال کے داغ کا دور کرنے والا تھا اس کے بطن میں ڈالا اور ایسی تسبیحات اور تکبیرات جو کہ اس کی صمدیت کی مشعر ہیں۔ اور ایسی تمہیدات جو کہ اس کے جود و انعامات سے خبر دینے والی اور اس کے اوصاف و کمالات کی مخبر ہیں اور ایسی تہلیلات جو اس کے تفرد بالوہیت کو "جو کہ صمدیت کی اصل ہے" ظاہر کرنے والی ہیں اور تفرد بربوبیت کو آشکارا کرنیوالی ہیں "جو کہ بخشش و انعامات کی اصل اور حمائد و کمالات کی بیخ و بنیاد ہے"!

سلہ یعنے: ایک طرف کا ہوکر اپنے چہرہ کو دین کے لئے سیدھا کر جس فطرت پر اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس فطرت کو لازم پکڑ اُسے ضائع نہ ہونے دے اللہ کی پیدائش کا بدل جائز نہیں یہی دین سیدھا ہے ۱۲ سلہ یہود و نصارٰ نے سنے یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دی ان کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے م

اکمل افراد کے واسطہ سے تعلیم فرمادیں اور محض اپنے فضل وکرم سے افصح العرب والعجم کے بیان بلاغت نشان سے وہ آیات واضح کردیں جو آفاق واطراف عالم میں منبثّ[ع] وپراگندہ تھیں اور ذوات ونفوس میں مضمر[ع] اور پوشیدہ نہیں اور وہ عجائبات آشکارا کردیئے جو اجرام علویہ اور اجسام عنصریہ خصوصاً نوع انسان کے اندر رکھے ہوئے تھے۔ یعنی اس کے ایجاد میں بہت سے تغیرات اور تحولات جیسے نطفہ ہونا اور علقہ[ع] اور مضغہ[ع] بننا جو مادہ پر گذرتے ہیں اور اس کی تصویر اور نقاشی میں رنگہائے خوشنما اور صورت ہائے دلربا اعضائے متناسبہ اور قوائے متخالفہ کا ایجاد کرنا اور اس کی تربیت میں (پیدا کرنا اور بڑھانا ۱۲) غذا پہنچانا اور نشوونما دینا اول تو شکم مادر میں ثانیاً صغر سن اور بچپن میں ثالثاً جوانی اور کلاں سالی میں رابعاً بڑھاپے اور شیخوخت میں پھر دفع بلیات اور حل مشکلات اور اغاثت[ع] ملہوفین اور اجابت دعاہائے مضطرین اور اس کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا تاکہ جو امور خیمۂ فطرت کے اندر مستور تھے منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوجائیں اور دین حنیفی اُن کے نصیب ہو، جس کے معنی بجز تصقیل[ع] فطرت کے اور کچھ نہیں" چنانچہ مضمون اس آیت کا فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ اس امر کا شاہد ہے اور مدلول آیت بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اس پر دال ہے **تیسری تمہید** جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اقوال وافعال فروع وتوابع احوال ہیں لیکن بعض وجہ کے لحاظ سے ان کو احوال کے متمم اور مکمل (پورا کرنیوالے، کامل کرنیوالے ۱۲) بھی شمار کرسکتے ہیں کیونکہ افعال اور اقوال قالب اور بدن کے حکم میں ہیں اور احوال بمنزلہ روح اور جان کے ہیں اور جس طرح قالب بیجان جمادات کی جنس سے شمار کیا جاتا ہے اسی طرح جان بے قالب زیور کمالات سے عاطل (بے زیور ۱۲) وبرہنہ ہے مثلاً گالم گلوج[ع] اور مار پیٹ اگرچہ کیفیت غضبیہ کے فروع سے ہیں اور قوت غضبیہ احوال قلبیہ سے ہے لیکن ان آثار کو اس کے متممات اور مکملات کے مرتبہ میں رکھنا چاہیے کیونکہ اگر کسی کو حالت غضب یا فرحت عارض ہو اور اُس کے آثار جیسے سب وشتم یا نغمہ[ع] وسرود سرائی اور ضرب (مارنا ۱۲) وجلد (کوڑے لگانا ۱۲) یا عیش ونشاط کے اسباب کی آرائش اور عشرت وانبساط کی محفلوں کا ترتیب دینا اور ان کی مثل اور افعال واقوال فرحیہ یا غضبیہ کے ظہور سے حیا مانع آئے تو ایسا غضب اور فرحت وساوس نفسانیہ کی جنس سے شمار ہوکر فوراً غضب کی آگ کی لپٹ منطفی (بجھی بجھنی) ہوجاتی ہے اور فرحت کا انبساط انقباض اور پژمردگی سے بدل کر باطل ہوجائیگا اور اگر اس حالت قلبیہ کی تائید اقوال لسانیہ اور افعال جسمانیہ سے کرتے ہیں تو البتہ اسے قوت اور تزاید وترقی میسر ہوجاتی ہے اور وسعت واحاطہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح منعم جواد کی محبت اور صمد کی تعظیم جو

ع منبث کے معنے ہیں پھیلی ہوئی عہ مضمر چھپی ہوئی عہ علقہ جما ہوا خون ۱۲ عہ مضغہ گوشت کی چھوٹی سی بوٹی جو منہ میں ڈال کر چبائی جاسکے ۱۲
عہ مصیبت زدوں کی فریاد کو پہنچنا ۱۲ عہ صیقل کرنا اور روشنی کرنا ۱۲ عہ گالی گلوچ ۱۲

اپنے کمالات میں اضداد و انداد سے منزہ ہے اگرچہ امور قلبیہ اور حالات نفسانیہ میں سے ہے لیکن اقوال محبت انگیز اور افعال تعظیم آمیز اس کو دو بالا کرتے ہیں اور وہ آب و تاب بخشتے ہیں جو اہل وجدان سلیم پر مخفی نہیں اور ان امور کے سوا وہ حالت قلبی ایسی ہو جاتی ہے جیسے ہاتھ کٹا کاتب اور شہسوار بے اسپ۔ جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پہلا افادہ واضح ہو کہ مرد سلیم الفطرت جو ازل الآزال سے زمرہ اہل سعادت میں لکھا جا چکا ہے اور بارگاہ الٰہی سے ایک عنایت مخفی اس کے بارہ میں مرعی رکھی گئی ہے جب اپنے گوش ہوش سے اس امر کو سنتا ہے کہ اُس کا منعم حقیقی جسنے نعمتہائے جسمانیہ و نفسانیہ اس کو بخشی ہیں صمدیت کے برترین مراتب میں اور جود و بخشش کے بلند ترین مناصب میں واقع ہے اور کامل ترین اوصاف اور بہترین نعوت سے متصف ہے اور نقص کے سمات سے منزہ [داغوں اور نشانوں سے پاک] اور زوال کی صفات سے مبرا ہے اور یہ شخص عـــہ قوی ترین مراتب احتیاج میں واقع ہے کیونکہ ہر گھڑی اور ہر ساعت میں ہر ہر چیز کے لئے اُس کا محتاج ہے یہاں تک کہ اپنے جوارح اور اعضا میں بھی اس کا محتاج ہے گویا کہ اس کا تمام وجود حاجت در حاجت ہے اور منعم حقیقی کی نعمتیں باوجود کمال [ہاتھ پاؤں ۱۲] صمدیت اور بے پروائی کے ہر ساعت بارش کی طرح برس رہی ہیں اور اپنی بصیرت کی آنکھ سے اُن آیات اور نشانات کو دیکھتا ہے جو آفاق و انفس میں پراگندہ اور پھیلی ہوئی ہیں اور اُن عجائبات پر نظر ڈالتا ہے جو از سمک تا سمک [زمین سے آسمان تک ۱۲] اور از ثریٰ تا ثریا بلکہ از عرش تا فرش خاصکر نوع انسان میں خصوصاً اُس ناظر کے اپنے نفس و ذات میں جنکے بعض کی طرف شروع کلام میں اشارہ گذر چکا ہے مبسوط اور پھیلائی ہوئی ہیں تو لابد امور مذکورۃ الصدر جو اس کی فطرت میں ودیعت رکھے گئے ہیں ایک جنبش پیدا کرتے ہیں اور اس کے سینہ کو پُر کر [مزند ۱۲] دیتے ہیں اور اس کی تہ دل سے منعم حقیقی کی نسبت بڑی حب اور نہایت درجہ کی تعظیم اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ایسے افعال و اقوال کے ظہور کا تقاضا کرتی ہے جو اُس کی تعظیم اور اُس کے شکر پر دال ہوں اور اُس کی صمدیت اور اُس کے کمالات کے شایان شان دکھلائی دیں اور ایسے اموال کے بذل و خرچ کر ڈالنے کی متقاضی [خواہش کرنیوالی ۱۲] ہوتی ہے جن سے اُس کی رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے پس اس کی تسبیحات و تحمیدات و تکبیرات جو افعال خضوعیہ [فروتنی والے ۱۲] اور حرکات تعظیمیہ کے ساتھ ممزوج ہوں بوجہ ملاحظہ اُن معانی کے جو اول کلام میں مذکور ہوئے ہیں اُس سے سرزد ہونے لگتے ہیں خصوصاً تہلیل [لا الٰہ الا اللہ کہنا ۱۲] جو اُس کے اعلائے مراتب صمدیت اور اقویٰ مقام ربوبیت سے منفرد و یگانہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اُس سے ظاہر ہونے لگتی ہے خصوصاً اُس کا کلام پاک جو امور اربعہ مذکورہ کا ایسی وجہ پر شارح و مفسر ہے جس سے بڑھ کر متصور نہیں باوجودیکہ وہ کلام پاک شعائر [نشانات] منعم کی تعظیم سے مخلوط و ممزوج ہے۔

عـــہ یعنی مرد سلیم الفطرۃ اپنے آپ کو یوں سمجھتا ہے کہ میں سخت محتاج ہوں ۱۲

پس اُس کلام پاک کو وہ مومن پاک کمال تعظیم سے بمع تدبر معانی کے اُس وجہ سے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے
زبان پر لاتا ہے اور اُن اذکار کی لذت خصوصاً اُس کلام کی عظمت اُس کے قلب و عقل کو مالا مال کردیتی ہی
اور الفاظ کی شیرینی اور مضامین کی رنگینی اس کے دل کو شکار کرلیتی ہے اور اُس کی ہوش و عقل کو سر بسر
روشن و نورانی کردیتی ہے اور خیالات منتشرہ (پریشان) اور وساوس پراگندہ اور امانی باطلہ (باطل آرزوئیں) اور عزائم عصیان (گناہوں کے قصد ۱۲) اور
حب و تعظیم ماسوی اللہ کو پاش پاش کرکے لاشے اور فانی کردیتی ہے اور اُس کے عقل اور دل کو الواث (جمع لوث)
بہیمیہ سے پاک کردیتی ہی یہ ذکر اُس قوم کا اور ہم نے اس کا نام ذکر ایمانی رکھا ہے اور چونکہ ابتدائے کلام
سے معلوم ہو چکا ہے کہ اقوال لسانی اور افعال جسمانی سے احوال نفسانی کو تائید عظیم بہم پہنچتی ہے اور آب
و تاب ضخیم[عـه] میسر ہوتی ہے پس بنا علیہ ذکر مذکور امور اربعہ فطریہ کی زیادتی اور ترقی کا باعث ہوجاتا ہے
اور ایک الفت اور تعظیم جدید ذاکر کے وجود سے فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتی ہے اور حب تعظیم کا جوش
اور اقوال افعال کے صدور کا متقاضی ہوتا ہے اسی طرح جانبین سے یہ سلسلہ چلتا جائیگا تاکہ تہلیل
کا مضمون جس کے معنی میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا یگانہ ہونا الوہیت و ربوبیت اور فضائل ذاتیہ اور فواضل متعدیہ[عـه]
میں اور اقصائے (نہایت) مراتب استغنا اور اوسع وجوہ نعار کے ساتھ متصف ہونا اور انعام و تاثیرات کے
وسائط کا نظر سے گرجانا اور ان کی طرف التفات کرنے سے اعراض و روگردانی کرنا اور اُن کے حال
سے بالکل بے اعتنائی اور لاپروائی کرنا اُس کے دل میں قرار پکڑ جاتا ہے اور نہایت مضبوط و مستحکم ہوجاتا
ہے حتیٰ کہ تمام کائنات جو عالم کون میں ظہور پذیر ہیں اور آئندہ ظہور پکڑتی جاتی ہیں تمام کو بلا واسطہ اُس
کی قدرت کاملہ سے متعلق و وابستہ جانتا ہے اور جو انعام کہ اُس پر اور اُس کے امثال پر فائض (پہنچنے والا ۱۲) ہوتا ہے
سب کو بلا حجاب اُس کی تربیت بالغہ کے آثار سے شمار کرتا ہے اور جو کمال کہ موجودات کے ذرات میں سے
کسی ذرہ میں چمکتا ہے سب کو اُس کے جمال لایزال کا عکس سمجھتا ہے اور جو نقصان ممکنات میں سے
کسی ممکن کے اندر ہوتا ہے سب کو اُس کے بارگاہ جلال سے دور اعتقاد کرتا ہے پس ساعۃً فساعۃً
اُس کی قدرت کے عجائبات کے دریا میں غوطے لگاتا ہے اور بلبلے کی طرح باد حیرت کے سوا کچھ
ہاتھ میں نہیں لاتا آناً فاناً (ساعت بساعت ۱۲) اُس کے انعامات کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور بجز مضمون عجز و خجالت اور
اُس کی نعمتوں کے حقوق کے ساتھ قیام نہ کرسکنے کے سوا کچھ نہیں حاصل کرتا یہ ہے فکر اس قوم کا اور
ہم نے اس کا نام رکھا ہے مراقبہ صمدیت دوسرا افادہ جب یہ فکر حد کمال کو پہنچ جاتا ہے تو الفت شدید
تعظیم مفرط کے ساتھ ملی ہوئی اُس کے دل کی تہ میں سے سر نکالتی ہے اور اُس کے سب قوی باطنہ کو

عـه ضخیم بہت بڑی ۱۲ عـه نعمتیں جو دوسروں کو پہنچی ہوئی ہیں ۱۲

مضمحل کردیتی ہے اور ایک ایسی حالت طاری ہوجاتی ہے کہ اُس کی تشبیہ بجز گل جانے نمک کے پانی میں یا اضمحلال[عہ] شبنم کے آفتاب کے سامنے اور کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی اور اس کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اگر اوپر دیکھتا ہے تو تمام آیات عظمت اور انعام کی پاتا ہے اور اگر پاؤں کے نیچے دیکھتا ہے تو آثار عظمت وانعام دیکھتا ہے اور اگر اپنے اندر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے باہر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے آپ کو اُس کی خدمت اور اس کے انعام کے شکر میں خاک سے برابر کردے بلکہ خاکستر برباد دادہ بناڈالے اور پھر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اُس کے انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور عقل کی ترازو میں اُس کی عظمت کے ساتھ تولتا ہے تو انفعال اور شرمندگی کا دریا اپنے دل کی پیشانی سے ٹپکادیتا ہے اور اپنے آپ کو اُس میں مستغرق جانتا ہے بلکہ اپنے جوارح اور اپنی قوتوں کو بھی منجملہ اُس کی نعمتوں کے شمار کرکے اور اُس کی قدرت کے عجائبات کو پہچان کر نہایت درجہ کی محبت اور تعظیم بہم پہنچاتا ہے **بیت** نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بہ کویت رسیدہ است ❖ ہردم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را۔ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است اور جس وقت اُس کا مبارک نام زبان پر لاتا ہے تو اس کا تمام باطن اُس اسم عظیم کی عظمت اور حلاوت سے اسطرح لرزے میں آجاتا ہے جس طرح نسیم صحری کی تاثیر سے شاخ درخت بید اور اُس کے ہر بن موے سے اپنے عجز اور احتیاج کی ندا اور اُس ولی النعم[عہ] کی بے نیازی اور استغنا کا آوازہ فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتا ہے "پس اس الفت شدیدہ کو جو کہ نہایت تعظیم سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور مومن کے ظاہر و باطن پر مسلط ہو جاتی ہے "حب ایمانی سے ملقب کرتے ہیں اور چونکہ اس حب کا بیج مومن کے عقل کی خاک پاک میں جو اتباع ہوا و اختراع بدعت سے خالی ہے بویا ہوا ہوتا ہے اس لئے ہم اس کا نام حب عقلی رکھتے ہیں اور اس وجہ سے کہ شارع نے اس حب کی طرف دعوت کی ہے اور اپنے بندوں کی مدح کے مقام میں اسی کو ذکر کیا ہے اور دین کے تمام ارکان اور آداب کو اسی حب کے حاصل کرنے کیلئے مقرر فرمایا ہے اس لئے ہم اسے حب ایمانی سے بھی نامزد کرتے ہیں **دوسری ہدایت** حب ایمانی کے مؤیدات کے بیان میں اور وہ دو تمہید اور تین افادہ پر مشتمل ہے **پہلی تمہید** مخفی نہ رہے کہ حب ایمانی کے حصول کے اسباب کی اصل اور اس سعادت جاودانی کی مؤیدات کی بیخ و بنیاد حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا اجتبا اور اس جواد مطلق تعالیٰ شانہ کا اصطناع واصطفا ہے جو کہ ازل الآزال میں اس ذرہ ناچیز کا نصیب ہو کر اُسے زمرہ مقبولان سے شمار کر لیا ہے پس وہی اجتبائے ازلی اس ذرہ ناچیز کو

(مہربانی کرنا ۱۲ ؛ چن لینا ۱۲ — برگزیدہ کرنا ۱۲)

عہ نابودگی و گم شدگی ۱۲ عہ ولی النعم نعمتوں کا صاحب ۱۲

حضیضِ خاک سے اُٹھا کر ذِروۂ سماک (آسمان کی بلندی ۱۲) تک کشاں کشاں لے جاتا ہے اور ہر مقام میں ایک لطفِ جدید اور تربیت مناسب اس سے ظہور میں آتی ہے لیکن چونکہ وہ اجتبائے فطری مستور الاثر (پوشیدہ اثر اس کا) اور مفقود الخبر (اس کی خبر گم) ہوتا ہے اور بعض امور مناسبہ کی ملاقات سے خفا کا پردہ اُس کے چہرہ سے دور ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اُس کے آثار ظہور پذیر ہوتے جاتے ہیں بنا بریں ان امور کو منجملہ مؤیدات اور آثار کے شمار کر سکتے ہیں اگرچہ مؤید حقیقی اور سبب اصلی وہی نور ازلی ہے جو کہ ابتدائے آفرینش سے اُس کی طبیعت کی تہ میں ودیعت (امانت ۱۲) رکھا گیا تھا کیونکہ ان امور مؤیدہ کے اضعاف مضاعف (دو چند سے دو چند ۱۲) سے ان آثار کے عشر عشیر[1] کا حاصل ہونا مستبعد معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ اس قسم کے الطاف اس قسم کے وظائف پر مترتب ہوں دوسری تمہید جاننا چاہیے کہ اگرچہ اس سرمایہ سعادت کے مؤیدات کو تقریراً اور تحریراً منضبط کرنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن امر ہے لیکن مقولہ مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ[2] کے بموجب ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ صاحبانِ عقل و دانش غیر مذکور پر قیاس کر کے حقیقت کا سراغ لگالیں پہلا افادہ حُبِّ ایمانی کے عمدہ مؤیدات سے ایک یہ امر ہے کہ شریعت کے اتباع پر دلی ارادہ کو پختہ اور مضبوط کریں اور موافقت سنت پر کمال رغبت کریں...... اور بدعت سے نہایت درجہ نفرت کریں اور اللہ تعالیٰ کی محکم رسی کو قوت اور زور سے پنجہ مارنا یعنی کتاب مبین اور سنت رسول امین کا ظاہر و باطن سے پورا پورا اقتدا کرنا اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کمر ہمت کو چست باندھنا اور اس جل جلالہ کا اعتقاد اور تعظیم اور اس شعائر کا ادب خصوصاً شرع کا ادب جو کہ اعظم شعائر ہے خوبی سے درست کرنا یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے عبادات شرعیہ کا کثرت سے بجالانا ہے یا وسواس کو بہم پہنچانا جسے عوام الناس تقوی کے نام سے ملقب کرتے ہیں بلکہ مقصود اس سے عقائد شرعیہ پر قلب کا اطمینان ہو جانا اور اوامر دینیہ کی نسبت نہ دل سے محبت اور رغبت اور تعظیم کا جوش مارنا اور خالق حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں خلق کی موافقت اور مخالفت کی کچھ پروا نہ کرنا اور مانع اور عائق (رکاوٹ ۱۲) کے اُٹھانے میں ارادہ کا محکم کرنا چنانچہ اپنے منعم کی رضا جوئی میں اپنی جان و مال کو برباد کرنا اور اس کے اوامر کی بجاآوری میں اپنے سرو سامان کو ہار دینا اپنی ہمت عالیہ کے سامنے ایک جو کے برابر بھی شمار نہ کرے اور جس عائق و مانع کو اپنی ہمت کی ترازو میں اُس کی رضا جوئی سے موازنہ کرے ذرہ کے برابر بھی اُس کا وزن نہ سمجھے بلکہ اس کی بصیرت کی آنکھ میں ان دونوں کا موازنہ ایسا دکھائی دے جیسے تنکے کو پہاڑ سے تولنا اور اپنے دل میں اس مانع کے اٹھانے اور اس عائق کے ہٹانے پر دلیری پائے اور باعتبار ہمت (مردانہ) اپنے آپ کو اس پر غالب اور زبردست سمجھے اگرچہ وہ عائق نہایت سخت اور دشوار گزار ہو پہلوان آہنیں

---

[2] یعنی جو چیز ساری کی ساری حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل ہی نہ چھوڑ دینا چاہیئے بلکہ کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہیئے جتنا ہو سکے اتنا ہی سہی۔
[1] دسویں حصہ کا دسواں حصہ یعنی سوواں حصہ ۱۲

تن کی طرح کی کہ نقیبوں کی سرود سرائی کے آوازیں اور ہمسر جوانوں کے میدان میں نکلنے کے نعرے اُس کو مست کرکے لڑائی کے میدان میں کھینچ لائیں پس وہ شیر مست بہادری کے اور پُردلی کے نشہ کے سبب سے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں جانتا بلکہ اپنے دل میں یقیناً جانتا ہے کہ جس کی طرف سمت کا منہ اُٹھاؤں گا اور جدھر عزیمت کا رخ کروں گا فوراً بے حقیقت چیونٹی کی طرح پامال کر ڈالوں گا اگرچہ رستم زمان و افراسیاب وقت ہو اور یہ ایک وجدانی امر ہے کہ تقریر و تحریر کا دائرہ اس کے بیان و تصویر سے تنگی کرتا ہے۔ بجز وجدان صحیح اور قلب سلیم کے کسی کو اس کارخانہ میں دخل نہیں۔ ع لذت مے نشناسی بخدا تانہ چشی دوسرا افادہ منجملہ مؤیدات حُبِ ایمانی کہ جانب حق جل و علا کو جانب نفس پر ترجیح دیتا ہے ایسی طرح کہ نفس میں اس سے ایک قسم کا انکسار اور شکستگی پیدا ہو جائے اور صفت بہیمیت کی بنیاد میں اس سے انقلاع[ع] ظاہر ہو جائے اور جو امور اس انکسار کے باعث (ع اکھڑ جانا گر جانا) اور اُس انقلاع کے موجب ہوتے ہیں ان میں بحسب اختلاف اشخاص اور اوقات بڑا تفاوت اور فرق ہے مثلاً جو شخص کھانے پینے کا فریفتہ ہے اور مکھی کی طرح نان و حلوا پر گر پڑتا ہے اُس کی بہیمیت کے دور کرنے میں ان امور کی خواہش کو ترک کرنا اور غیر کو اپنے اوپر محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ایثار کرنا" جس جگہ نہ ایسی چیزوں کی حصول کی طمع ہو نہ حق شناسی اور خدمت گزاری کی امید ہو اور نہ زہد و ایثار سے مشہور نیکنام ہونے کی توقع ہو" دخل عظیم رکھتا ہے علیٰ ہذا القیاس اُس شخص کی تطہیر قلب میں جس کی فطرت میں عورتوں کی عشق بازی اور شہوت رانی رکھی ہوئی ہے اگر اُس کو حسن و اتفاق و یاوری بخت و اقبال سے معشوقہ ذات (صاحب جمال) جمال اور محبوبہ صاحب حسب و مال رقیبوں سے نظر بچا کر آملے تو اُس خوشی کے وقت میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے کے لئے اور اُس کے عذاب سے ڈر کر زنا سے پرہیز کرنا باوجودیکہ رغبت مصاحبت طرفین کے دامنگیر حال ہے اور شوق و شہوت جوش زن ہے اور کسی مانع طبعی اور عرفی کا نام و نشان نہیں۔ حالانکہ اس معشوقہ کا وصال حاصل کرنے میں اس نے بڑی بڑی بدنی مشقتیں اٹھائی تھیں اور بہت سے اموال خرچ کئے تھے،، دخل عظیم رکھتا ہے اسی طرح بخیل مال پرست و منان طالب عزت و نام کے لئے محض لوجہ اللہ بے حساب مال خرچ کرنا" اس حیثیت سے کہ نام و نشان کی طلب اور مبذول علیہ کی مداحی اور حق شناسی کی اُمید نہ ہو یا اُس کے کسی پہلے احسان کا عوض یا مکافات یا آئندہ (یعنی جس کو کچھ دیا ہے ۱۲) اس سے کسی منفعت کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا سخاوت وجود سے مشہور ہونے کی توقع نہ ہو" ایسا کام کرتا ہے کہ اُس کے غیر میں نہیں کرتا اسی طرح مفلس فقیروں اور ذلیل مسکینوں کے ساتھ تواضع کرنا باعزت اغنیا کے حق میں جو اپنے اقران و امثال میں عزت و جاہ سے ممتاز ہوں اور نام و نشان سے زمانہ بھر میں مشہور ہوں اسی طرح ہلاکت

ع یعنی پوری طاقت - ع یعنی بڑی دسترس ۱۲ ع یعنی کنجوس کا اس طریق سے مال خرچ کرنا ایسی تاثیر رکھتا ہے ۱۲

کی جگہوں میں پیش قدمی کرنا، جہاں جان و مال کا تلف ہونا اور عیال و اطفال کی بربادی نظر آتی ہو" اہل جُبن و بزدل لوگوں کے حق میں جنھوں نے میدان کارزار اور معرکہ نبرد کا چہرہ آنکھ سے نہیں دیکھا اور زمانہ کے گرم و سرد کو مطلق نہیں چکھا اور اسی طرح بحث و مناظرہ میں سکوت کرنا اور سچی بات میں جھگڑا چھوڑ دینا اور اپنی نافہمی اور غلطی کا اقرار کر لینا ان علماء کے حق میں جو ذکاوت و تبحر میں مشہور ہیں اور قوت مناظرہ اور خصم (جانب مخالف) کے ساکت کرنے میں نامور ہیں اور توجیہ اور تاویل کے فن میں[۱۱] ید طولیٰ رکھتے ہیں اور حل اور منع میں کعب علیا[۱۲] رکھتے ہیں اور اسی طرح اپنے ابنائے جنس و اقران پر حسد نہ کرنا اور نام و نشان کی مطلق پروانہ کرنا اور اہل زمان میں امتیاز کا طلب نہ کرنا اور خوارق و کرامات و کشف و وقائع آئندہ اور دعاؤں کی قبولیت کے اظہار میں کوشش نہ کرنا ان مشائخ کے حق میں جو قوت تاثیر سے موصوف ہیں اور کشف و وقائع میں مشہور ہیں یہ تو اختلاف اشخاص کے متعلق جو تفاوت تھا اس کا بیان ہوا لیکن بحسب اختلاف اوقات کے جو فرق ہوتا ہے اُس کی مثال یہ ہے کہ دیکھ لو یہ پانی کا پیالہ ہے جسے سیرابی کے وقت میں خصوصاً آباد شہروں میں اور جاری نہروں کے کنارے پر کوئی کوڑی کے بدلے بھی نہیں خریدتا پھر ناگاہ ایک ایسا وقت آ جاتا ہے کہ ایک لق و دق بے آب و گیاہ میدان میں گرفتار ہو جاتا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتا ہے پس ہزار جد و جہد سے آب زلال کا ایک پیالہ کہیں سے پیدا کر کے اپنی تمام ہمت سے اُس کی طرف متوجہ ہو کر اور اپنی زندگی کو اس میں منحصر سمجھ کر اُس پیالہ پُر آب کو ہاتھ میں لے کر چاہتا ہے کہ خشکی لب اور سوزش سینہ کو اُس آب زلال سے دور کرے اور اپنی جان کو ہلاکت سے نجات بخشے اسی اثنا میں ایک اور شخص جو اسی حال میں گرفتار تھا اس کو اپنے اوپر ایثار کیا اور گویا کہ اپنی جان کا عرق نکال کر اور اپنے جگر سے ایک ٹکڑہ کاٹ کر اس شخص کو دیدیا اور اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ ہر طالب العلم جو مدرسہ میں بیٹھتا ہے اور ہر فقیر جو کسی خانقاہ میں ڈیرہ لگائے ہوئے ہوتا ہے بلکہ ہر مسلمان جو کسی مسجد میں آمد و رفت رکھتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق بجا لاتا ہے پس ناگاہ ایک ایسا وقت آ پہنچتا ہے کہ اس میں اظہار کلمہ حق جانبازی کا موجب اور آبروریزی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس میں کسی سنت کا زندہ کرنا یا کسی بدعت کا معدوم کرنا آتا ہے (ایسے وقت میں کلمہ حق کہنا بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے) القصہ ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہی سہل سہل اور آسان آسان کام ہیں کہ بحکم عادت اکثر یہ کوئی عالی ہمت شخص اُن کی پروا نہیں کرتا اور ان کاموں کے لئے چنداں اہتمام نہیں کرتا اور یہ کام اپنے فاعل کے نفس میں کچھ اثر نہیں بخشتے پھر ایک ایسا وقت آ پہنچتا ہے کہ یہی امور افضل عبادات اور مشکل ترین

۱۱ یعنی پوری طاقت۔ ۱۲ یعنی بڑی دسترس ۱۲

ریاضات ہو جاتے ہیں اور فاعل کے نفس میں ایسی تاثیر پہنچاتے ہیں کہ اُن سے ہزار چند امور سے اتنی تاثیر کے حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی **تیسرا افادہ** حُبِ ایمانی کے مؤیدات کے منجملہ بڑے مواقع عظیمہ میں کسی فعل کا واقع ہونا ہے چنانچہ شریعت کی تائید اور سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے نابود کرنے میں کوشش کرنا یا طرق حقہ میں سے کسی طریقت کا رواج دینا یا مقبولان بارگاہ حق تعالیٰ میں سے کسی مقبول کی امداد کرنا یا اہل بلایا و مصائب میں[1] سے کسی مظلوم ستم رسیدہ کی فریاد رسی کرنا یا اہل حوائج و غرامت رسیدگان میں سے کسی عاجز کی اعانت کرنا یا کسی اہل قلق و اضطراب کی تنگی کی کشائش کرنا یا کسی پیچ و تاب کے گرفتار سے حالت عسرت ناداری[2] کا دور کرنا اور اسی طرح ایسی سعی و کوشش جس سے نفع عام ظاہر ہو یا اس کی وجہ سے اصلاح فیمابین الناس حاصل ہو اگرچہ یہ سعی نفس پر چنداں شاق نہ گزری ہو اور چنداں صرف اموال کثیرہ یا اوقات عزیزہ کا موجب اور بذل[3] مرغوبات اور ترک مالوفات[4] کا باعث نہ ہوئی ہو۔

فائدہ عاقل ماہر فن حدیث پر پوشیدہ نہ رہے کہ احادیث رسول امین اور آثار سلف صالحین میں جو سہل سہل اور تھوڑے تھوڑے اعمال پر بڑے بڑے ثمرات کثیرہ کا مترتب ہونا ذکر ہوتا ہے اجمالاً اس کی وجہ یہ سمجھنی چاہیے یعنی یہ افعال یا دوسری قسم سے ہونگے یا تیسری قسم سے اور وہ اگر مع شرائط[5] ہوں تو اپنے فاعل کے نفس میں حُب ایمانی کے پیدا ہونے کو واجب کرتے ہیں اور حب ایمانی... بحسب مراتب خود خود کمالاً و نقصاناً بالذات موجب نجات اور سبب رفع درجات ہے واللہ اعلم

تیسری ہدایت حُبِ ایمانی کے آثار کے بیان میں اور یہ مشتمل ہے چھ افادہ پر پہلا افادہ

حُبِ ایمانی کے عمدہ آثار میں سے تمام ہمت و عزیمت کا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے اوامر کی تعمیل میں فنا ہو جانا اور اس کی رضا جوئی تک پہنچانے والے مقبولہ طریقت کی اشاعت میں کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف دعوت کرنے میں جد و جہد کرنا اور ترک بدعت و فساد کی طرف اُن کو ہدایت کرنا نہ مکالمہ و مشاہدہ اور حصول مقامات فنا و بقا اور حقائق اشیاء کے مکشوف ہونے کی طلب و تمنا کرنا ہے اور ہر گز ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ مراد اس کلام سے ان کا محروم ہونا ہے ان مقامات سے یعنی یہ کہ صاحبان حب ایمانی ان درجات پر ترقی نہیں پا سکتے حاشا و کلا (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ سب لوگوں میں سے یہ بزرگ زیادہ تر سعادت مشاہدہ و مکالمہ سے کامیاب ...... ہونے والے ہیں اور مبدا انتہائے فنا کے شہسواروں میں زیادہ تر چالاک اور معارف و انکشاف حقائق اشیاء کے سمندروں میں سب سے بہتر تیراک ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا مقصود اصلی

---

[3] بذل کے معنی خرچ کرنا۔ مرغوبات پسندیدہ چیزیں ۱۲ [4] دل پسند چیزیں

اور مراد دلی بجز رضائے مولیٰ و اطاعت مصطفیٰ اور کوئی چیز نہیں ہوتی اگرچہ وہ مقامات رفیعہ اور درجات عالیہ کسی طریقہ کسبی یا محض عنایات و جذبات وہبی سے اُن کے نصیب ہو جائیں **بیت** فراق و وصل چہ رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از وغیر ازین تمنائے ؛ الغرض صاحب اس حب کو سوائے طلب رضائے مولیٰ اور بجز اس کی فرمان برداری کے اور کوئی کام نہیں اور ایسے ہجر اور بُعد سے" جو کہ اس کی فرمانبرداری میں خلل انداز اور اُس کے غصّہ اور غضب کا موجب نہ ہو" اُسے کچھ عار نہیں اور وہ حالات نفسانیہ اور ملکات قلبیہ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ترقی اور زیادتی میں کام نہ آئیں اُس کے کسی کام کے نہیں اور اسی استغراق ہمت اور فنائے عزیمت کے نتائج سے ہے کل ماسوی اللہ سے تمام علائق حبیہ اور بغضیہ کا" جن کا منشار رضا جوئی خداوندی نہ ہو" منقطع ہو جانا اور خوف خدا و محبت الٰہی کی وجہ سے طلب مشکل کشائی اور رفع بلیات و استدعار منافع وغیرہ کا اسی میں منحصر ہو جانا اور ان تمام امور کی اصل ایک حالت ہے حالات قلبیہ میں سے کہ اُس کا نام وثوق اعتماد علی تربیۃ اللہ ہے جیسے ایک غلام فرمانبردار کو اپنے مولائے مشفق کی تربیت پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ غلام اُسی اعتماد کی وجہ سے اپنے حوائج کے حاصل کرنے کی فکر سے ہر حال میں فارغ البال رہتا ہے اور غم اور فکر کی فوجیں اُس کے دل پر ہجوم نہیں کر سکتیں اور اپنے مولیٰ کے سوائے اور کسی کا خوف اور کسی دوسرے کی اُمید اس کے دل میں راہ نہیں پا سکتے اور اپنے مولیٰ کے مال و ملک میں اُس کی اجازت سے بے کھٹکے تصرف کرتا ہے اور اُس کے نافرمان غلاموں اور سرکش چاکروں پر بڑی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور یہی اعتماد قلبی توکل کی روح ہے اور باقی امور اُس کے قالب ہیں یہ مت سمجھنا کہ توکل کا مقتضا اسباب (عادیہ) کا مطلق ترک کر دینا ہے نہ بلکہ اسباب پر اعتماد کا چھوڑ دینا **بیت** گفت پیغمبر بآواز بلند- بر توکل زانوئے اشتر بہ بند ؛ **دوسرا افادہ** منجملہ آثار حُبّ ایمانی کے بلاؤں اور مصیبتوں پر دلیر ہو جانا ہے اور یہ معنی از قسم صبر کے نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے منعم کی رضا جوئی کے لئے مشقتیں اٹھاتا ہے اور ان مشقتوں کی تلخی اس کے دل اور جان کو پہنچتی ہے لیکن چونکہ اپنے منعم کی رضا اور خوشنودی اُن مشقتوں کے برداشت کرنے میں سمجھتا ہے اس لئے وہ تمام سختی اور تلخی اپنے اوپر روا رکھتا ہے اور اس محنت کشی اور تحمل مشقت کو جو اُس نے محض اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کی ہے صبر کی جنس سے شمار کرنا چاہیئے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ منعم نے اُسکو اپنی رنگا رنگ نعمتوں میں محفوظ رکھا ہے اور طرح طرح کی عنایتوں سے کامیاب کر رکھا ہے مثلاً ایک بڑا عالیشان محل اُس کے لئے بنا رکھا ہے اور اس کے لئے محفل شادی

تو ترتیب دے رکھی ہے۔ اور اہل عشرت ونشاط اور خوشی اور دل لگی کے لوگ اس کے لئے حاضر کر رکھے ہیں اور مسند شاہانہ اور حُلّہ عروسانہ اس کے لئے تیار کر رکھا ہے پس وہ بندہ فرمانبردار القیاد شعار کمال عزت و افتخار سے اس محفل میں رونق افروز ہے تو ایسی خوشی اور شادمانی اور فرحت اور کامرانی میں اگر مچھر یا پسو اُسے کاٹے تو فرمانبردار غلام جو سر سے پاؤں تک انعامات و کرامات سے پُر ہو رہا ہے خوشی کی موجوں اور فرحت کی نہروں میں اس دکھ کو ذرہ برابر بھی نہ سمجھے گا۔ اور ہرگز اس درد کا کچھ رنج اُس کے دل پر نہ گذریگا اور کسی وقت پریشانی کی کوئی حرکت اُس سے صادر ہو تو پھر اپنے دل میں شرمندگی اور خجالت کھینچے گا۔ اور اس ناشائستہ فعل کے صدور کی وجہ سے اپنے آپ کو طفل طبعوں اور سبک مزاجوں کے گروہ سے شمار کریگا اسی طرح حب ایمانی والا بہ سبب ملاحظۂ کثرت نعم... خداوندی اور طرح طرح کی تربیت ربانی کے کسی مصیبت کو اگرچہ اعظم المصائب کیوں نہ ہو ایک جو کے برابر نہیں شمار کرتا اور اُس مصیبت کی کدورت اُس کی خوشی اور سرور میں کسی طرح کا خلل اور فتور نہیں ڈال سکتے پس ان بلاؤں کی پرواہ کرے اور شدائد و مشکلات میں خیال میں نہ لائے اور مصیبتوں کا اثر اس مومن کے دل میں نہ پہنچے اور منعم کی نعمتوں کے ساتھ اُس کے کمال سرور و ابتہاج کو "شجاعت پر بلایا" جاننا چاہیئے اور یہاں سے معلوم ہوگیا کہ صاحب حُبّ ایمانی کا کام شکر در شکر ہے اور کبھی اُس کا کام صبر کے درجہ تک نہیں اترتا۔ اور شکر کی روح وہی سرور قلبی ہے کہ بے شمار نعمتوں اور بے حد بخششوں کے ملاحظہ کرنیکے سبب سے ظاہر ہوتا ہے اور باقی تمام افعال و اقوال تعظیمیہ اُس کے قالب ہیں اور شجاعت بر بلایا کی فرع سے ہے ہمیشہ خوش اور بے غم رہنا کیونکہ شجاعت اصل وہی فرحت اور سرور ہے جو کہ منعم حقیقی کی نعمتوں کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل ہوتی ہے باوجود آنکہ تمام کائنات سے" جن کے منجملہ یہ مشت غبار اور ذرہ بے مقدار ہے" وہ ذات والاصفات مستغنی اور بے پرواہ ہے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اُس ذات کثیر البرکات کا استغنا لم یزل ولایزال ہے اور اُس کی نعمتوں کا ہر حال میں فیضان ہو رہا ہے اور اس شجاعت کے فروع سے ہے قضا الٰہی پر راضی رہنا اس لئے کہ وہ مومن حقیقی اور محب تحقیقی حب اپنے آپ کو باوجود عدم استحقاق کے طرح طرح کی نعمتوں اور رنگا رنگ کی شفقتوں میں مستغرق اور اپنے آپ کو ان سے مالا مال دیکھتا ہے تو البتہ اس کی عقل خالص جو کہ نور ایمان سے روشن ہے ہر بلا اور مصیبت کو جو اُسے پیش آتی ہے تربیت اور تادیب کے قبیلہ سے شمار کرتا ہے اور اس سے قطع نظر کر کے حب اس بات کا خیال کرتا ہے کہ اُس کی ذات کسی طرح کی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا استحقاق نہیں رکھتی تو نعمت کے زیادہ نہ ہونے کی شکایت یا بعض نعمتوں میں فتور

واقع ہونے کا گلہ اُس سے صادر نہیں ہوتا بلکہ حکایت شکایت اور حرف گلہ کے لئے اپنے ذہن میں کوئی موقع نہیں پاتا **بیت** بدر د و صاف ترا حکم نیست دم درکش ۔ کہ ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف است اسی لئے صاحب حُبِّ ایمانی کو اشعار شوقیہ اور مضامین عشقیہ سے، جن کے اکثر کا دار و مدار کلمات گلہ اور شکایت پر ہوتا ہے، کچھ ذوق و لذت نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس قسم کے اشعار سننے سے اُسے ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے **تیسرا افادہ** منجملہ آثار حُبِّ ایمانی کے کھانے پینے اور پہننے وغیرہ حظوظ نفسانیہ مباحہ میں ریاضت شاقہ کی چنداں پروانہ کرنا ہے یعنی ان دشوار کاموں کو صاحب حُبِّ ایمانی اپنے مکملات سے نہیں سمجھتا ہے اور قصداً ان مشکلات کا تحمل نہیں کرتا ہاں اگر کوئی غرض اغراض صحیحہ سے" جو کہ اُس کے کمال کے لوازم اور اُس کے حال کے آثار سے ہے مرتب ہووے تو البتہ ان دشوار کاموں کو سہل بلکہ لذیذ جان کر کمال جرأت دل اور وسعت صدر سے تحمل کریگا جیسے جہاد اور اس جیسے اور مؤیدات دین متین اور متممات شرع مبین میں مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا اور جیسے اُس مرغوب کی ترک میں" جس کی رغبت دل کی تہ میں جگہ پکڑ گئی ہے اور اس کا علاقہ سویدائے قلب میں جا نشین ہو گیا ہے" مشقت کا اُٹھانا اور جیسے بھوک ۔ پیاس اور برہنگی کی مشقت کو برداشت کرنا بہ سبب ایثار اہل حوائج کے اپنے نفس پر اور ان جیسے اور بھی بہتیرے امور میں جو محنت کشی کے موجب ہو سکتے ہیں غرض کہ صاحب حُبِّ ایمانی ایسے ریاضات کو بلا موجب قصداً نہیں اختیار کرتا بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حظوظ نفسانیہ اور لذائذ جسمانیہ اس کو بڑی ترقی بخشتے ہیں چنانچہ اس آیت سراپا ہدایت میں اس امر کا اشعار ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ یعنی اے ایمان والو ستھری چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عنایت کیں ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس طرح کہ بعضے مہربان مولیٰ اپنے برگزیدہ غلاموں کو اپنے مال و متاع میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت دیدیتے ہیں پس اگر وہ برگزیدہ بندہ محض یگانگی کے اظہار کے لئے بلکہ اپنی نہایت محتاجی اور اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کہ اس کا کوئی دوسرا کارساز نہیں جو اس کے حوائج کا ذمہ وار ہو یا کوئی دوسرا مولیٰ نہیں جو اُسے حظوظ نفسانیہ سے کامیاب کرے بعض متاعوں میں ضرورت سے زیادہ تصرف کر گذرے تو البتہ یگانگی اور اتحاد کا رابطہ زیادہ تر مستحکم ہوگا اور اگر اُس سے پرہیز و اجتناب کرے تو البتہ دوئی اور بیگانگی کا پردہ اپنے اور مولیٰ کے درمیان ڈالا ہوگا بلکہ اگر تم مالکوں اور مخلص غلاموں کے معاملات میں اچھی طرح سے غور اور تامل کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ بعض اوقات میں ایسے غلاموں کا نفسانی لذتوں اور جسمانی مزوں کا درخواست کرنا بلکہ فرمائش سے مانگنا علاقۂ عبودیت کی آب و تاب کو اسقدر زیادہ کر دیتا ہے کہ اس سے ہزار چند خدمتوں سے ایسے علاقہ کا حاصل ہونا

متصور نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ بندہ برگزیدہ جانتا ہے کہ اس کے مالک نے سب عیش و عشرت کا سامان اسی بندہ کے واسطے مہیا کر رکھا ہے۔ لیکن صرف واسطے ظاہر کرنے اپنے احسان کے یا واسطے ظاہر کرنے محتاجی غلام کے یا واسطے کشادگی طبع کے اُن کے استعمال کی اجازت کو اُس غلام کی درخواست پر موقوف کر رکھا ہے پس ایسے احوال میں درخواست اور طلب اُن لذائذ اور حظوظ جسمانی کی ایک ایسا لطف رکھتی ہے جو خارج از حد بیان ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب حظوظ نفسانیہ اور لذائذ جسمانیہ کا حاصل کرنا۔ معاملات حب ایمانیہ میں جو کہ مقصود مطلوب احکام شرعیہ سے یہی ہے اکثر اوقات موجب خلل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات میں نفع عظیم بخشتا ہے اور کم از کم یہ فائدہ بخشتا ہے کہ دروازہ شکر کا جو حب ایمانی کے اعظم آثار سے ہے اہل ایمان کے منہ پر کھول دیتا ہے اسی لئے کلام ربانی اور آیات قرآنی ان لذائذ کی اباحت پر ناطق ہیں اور ان لذتوں کے حاصل کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے ساکت ہیں چنانچہ فرمایا یَآ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ یعنی اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں بخشیں اور فرمایا یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا یعنی اے پیغمبرو کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور اعمال صالحہ بجا لاؤ۔ اور فرمایا قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ قُلۡ هِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا خَالِصَةً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یعنی کہو کہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے ظاہر کی اور ستھری چیزیں رزق سے تو کہ وہ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں (بھی باشتراک) خالص انہیں کے لئے ہیں) قیامت کے دن **چوتھا افادہ** منجملہ آثار حب ایمانی کے مناجات کی حلاوت اور طاعات و عبادات کی لذت پانا ہے اور اس امر کی حقیقت شروع کلام میں مذکور ہو چکی ہے کیونکہ حب ایمانی ایسی الفت اور محبت کا نام ہے جو نہایت درجہ کی تعظیم سے ملی ہوئی ہے اور یہ امر بحکم ضرورت اقوال و افعال تعظیمیہ کے صدور کا موجب ہوتا ہے بلکہ مدح لسانی اور تعظیم جسمانی کا تابحدے متقاضی ہوتا ہے کہ بدون صدور ان امور کے اس حب کے صاحب کے دل کو چین نہیں پڑتا جیسے صاحب غضب سے افعال غضبیہ کا صادر ہونا اور صاحب سرور سے افعال فرحیہ کا صادر ہونا بہ ضرورت ہوتا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں اس کا بیان مفصل ہو چکا ہے الغرض صاحب اس حال کے حق میں باطن شرع" جس سے مراد تعلق باللہ ہے" ظاہر شرع کے ساتھ" جس سے مراد افعال جوارح ہیں" ہمیشہ مخلوط رہتا ہے اور اس کے احوال باطنیہ ان افعال ظاہریہ سے ملے جلے رہتے ہیں۔ پس احوال ان افعال کے صدور کا تقاضا کرتے ہیں اور افعال احوال کی قوت و کمال کو ترقی بخشتے ہیں اور اسی عبادت میں لذت اور طاعت میں شیرینی پانے کے سبب سے خشک مُلّائی سے دور اور الحاد و بیراہی سے

پاک ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امر تقویٰ و عبادات میں افراط و تفریط سے محفوظ رہتا ہے **پانچواں افادہ** منجملہ آثار حُبِّ ایمانی کے فوائد متعدیہ کو اپنے نفس کی تکمیل پر ترجیح دینا ہے مثلاً اصلاح فیما بین الناس اور انتظام سیاست منزلی اور سیاست مدنی کو اور خلق اللہ کی خدمت میں مشقتوں کے برداشت کرنے اور اُن کی تربیت میں تکلیف سہنے کو اور ان جیسے اور لوگوں کے اختلاط والے امور کو عزلت اور تنہائی اور لوگوں سے بھاگ کر جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے اور اپنے اوقات کو اذکار و مراقبات سے معمور رکھنے پر ترجیح دیتا ہے اس لئے کہ پچھلے امور اگرچہ حصول مشاہدہ اور مکالمہ میں تاثیر قوی رکھتے ہیں لیکن قسم اول کو رضائے خداوندی کے کھینچ لانے میں دوسری قسم کے امور سے زیادہ تر مداخلت ہے اور اس حُب کا صاحب کسی کمال کو اسباب جلب رضائے حضرت حق جل و علا کے ہموزن اور مساوی نہیں سمجھ سکتا **چھٹا افادہ** حُبِّ ایمانی کے عمدہ ترین آثار اور اس کے افضل ترین لوازم سے تقویٰ کی حقیقت ہے جس کی تعبیر عرف شرع میں صلاح کے ساتھ کی گئی ہے جس جگہ فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ یعنی جو فرمانبرداری کرے اللہ اور رسول کی پس وہ لوگ ہمراہ ہیں اُن لوگوں کے جن پر انعام کیا اللہ نے پیغمبروں میں سے اور صدیقوں میں سے اور شہیدوں میں سے اور نیکوکاروں میں سے اور حدیث شریف میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وہ اسی طرح حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ ضرر کرنیوالے امور کی نقصان رسانی کا اذعان کمال اور نقصان میں متفاوت ہے اور جو شخص نفس اذعان میں عدم تفاوت کا قائل ہے اس کا قول وجدان و برہان کے خلاف ہے اور اس کا کلام مُأوّل ہے چنانچہ اُس کی تفصیل اپنے مقام میں کی گئی ہے الغرض جو شخص امور ضارّہ کی مضرت کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اس کا نفس ان امور کے ترک پر اس کی اطاعت نہیں کر سکتا اس شخص کو اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو اضعف ترین مراتب ہے اور اس کو محض اذعان عقلی سے نامزد کرتے ہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جس کو امور ضارّہ کی مضرت کا اذعان اس حد تک پہنچا ہے کہ اس کے سبب سے اپنے نفس کو اُن امور کے ارتکاب سے روک سکتا ہے اگرچہ ان امور ضارّہ کو پہنچنے کی خواہش اور اُن کے ارتکاب کی میل اُس کی طبیعت میں پوشیدہ ہے لیکن ان کی مضرت کا اعتقاد اُس خواہش اور رغبت کا مقابلہ کر کے اُسے نہیں چھوڑتی کہ اپنے اعضا اور جوارح کو پوشیدہ ناپاکی کے آثار سے آلودہ کرے پس اُس شخص کو اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو پہلے شخص کے مرتبہ سے قوی تر ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان انفعالی رکھنا چاہیے اور ایک

اور شخص ہے جیسے ان امور ضارہ کی مضرت کا اعتقاد اس حد تک قوی ہوگیا ہے کہ جب وہ امور ضارہ اُس کے روبرو حاضر ہوتے ہیں اور اس کے دل میں یہ وہم پڑتا ہے کہ ان امور کا اثر اس کے نفس کو پہنچے گا یا اُس کو کوئی ایسی تقریب پیش آئے جو اُسے اُن امور کے ارتکاب پر باعث ہو تو ایسے وقت اُس شخص کے باطن میں ایسا خوف اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو امور طبیعیہ کے انتظام کو درہم برہم کر دیتی ہے مثلاً اُس کا رنگ اڑ جاتا ہے اور اُس کی آنکھیں بے رونق ہو جاتی ہیں اور اُس کے اعصاب میں استرخاء اور اس کے اعضا میں تشنج ظاہر ہو پڑتا ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان قلبی رکھنا چاہیئے پس انہیں مراتب ثلثہ اذعانیہ کو شرعی گناہوں اور واجبات کے چھوڑنے اور ان جیسے اور امور ممنوعہ شرعیہ کی نسبت پر قیاس کرنا چاہیئے جیسے کفار کے ساتھ زی اور لباس میں تشبہ کرنا اور اُن کی عیدوں میلوں پر خوشی منانا اور اہل بدع واہوا کے ساتھ میل جول کرنا اور اُن کی بدعتوں کے رواج دینے میں شامل ہونا پس اذعان کا پہلا مرتبہ عین ایمان ہے کہ بدون اس اذعان کے دوزخ کے درکات سے نجات محال ہے اور اور دوسرے مرتبہ کو ظاہری تقویٰ کا روح شمار کرنا چاہیئے کیونکہ ظاہری تقویٰ امور ممنوعہ شرعیہ سے بچنے اور نفس بہیمی کے ساتھ لڑائی کرنے کا نام ہے اور اُس کی روح مراتب اذعان سے وہی مرتبہ ہے جس کے سبب سے نفس و شیطان سے مقابلہ کر سکیں اور تیسرے مرتبہ کو تقویٰ حقیقی کی روح شمار کرنا چاہیئے کیونکہ حقیقی تقویٰ ممنوعات شرعیہ کی نسبت طبعی کراہت ہونے کا نام ہے اور اس کی روح وہی اذعان ہے جو ایمان کی حلاوت ہے اور مراتب احسان سے معدود ہے یہ صاحب اس مقام کے آثار کا ایک نمونہ ہے اور ہر صاحب وجدان سلیم و ذہن مستقیم جو کہ دل کی آنکھ سے ان امور مذکورہ میں تامل کرے گا البتہ ان امور یسیرہ سے آثار کثیرہ کا استنباط کرے گا۔

چوتھی ہدایت ثمراتِ حُبِّ ایمانی کے بیان میں

اس میں پانچ اِفادے اور دو فائدے ہیں

پہلا اِفادہ ایمانی محبت " جو اصل میں نہایت درجہ کا پیار ہے " جب زیادہ تعظیم کے ساتھ ملکر اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور سچے منعم کی رضاجوئی پاک مومن کے اندر اور باہر اعضا اور قویٰ کو اپنے اثروں اور نوروں سے روشن اور خوبصورت بنا دیتی ہے اور شکر۔ توکل اور نیک بختی اس کے تہ دل میں جاگیر ہو جاتے ہیں اور تمام موجودات کے پیدا کرنے اور ان میں طرح طرح کے تصرفات سے کہ رنگارنگ نعمتوں کے ساتھ اس بے قدر ذرہ اور مٹھی بھر مٹی کی پرورش اور ہر قسم کی بلا اور مصیبت سے اس کا نگاہ رکھنا

بھی انہی میں سے ہے" تاثیر کرنے میں اس ذات بابرکات کی یکتائی کا لاحظہ اُس کے ذہن میں مضبوط ہو جاتا ہے اور افعالی توحید جو کہ ایمان بالقدر کا خلاصہ ہے" اس کے دل میں یہاں تک بیٹھ جاتی ہے کہ اپنے تمام مال واسباب کو اپنی ملکیت نہیں جانتا بلکہ اپنے آپ کو اُس چوپائے کی مانند جو اپنے مالک کے ہرے بھرے کھیت چر رہا ہے" خیال کر کے دنیاوی زینتوں اور زندگانی کے سامانوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اپنے اعضا اور قویٰ کو اور اپنی عبادت کو بھی اپنا نہ جان کر اپنے آپ کو اس لکڑی یا پتھر کی مانند" جسکو اپنے مالک کے کاموں کے صادر ہوتے میں واسطہ اور ہتھیار ہونے سے زیادہ کچھ حصہ نہیں" سمجھتا ہے اور رب الارباب کی ربوبیت کے ساتھ اس کا سینہ یہاں تک کھل جاتا ہے کہ رَضِیْنَا باللّٰہِ رَبًّا[1] اسی مقام کی ایک رمز ہے۔ اور تکالیف شرعیہ کے اُٹھانے پر اس کے سینے میں اسقدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا[2] اور ایسا ہی[3] اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ اسی کلام کی طرف اشارہ ہے اور سنت کی پیروی میں وہ لذت پاتا ہے کہ وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا[4] ایسے ہی بزرگوں کے احوال کا بیان ہے پس خواہ مخواہ حکم وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[5] اور اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ[6] اور وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[7] اور وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ[8] اور وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ[9] اور ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[10] خدائے بزرگ اور بلند ہیبت کی نشان ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی رضامندی کے نور کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ[1] انہی کی طرف اشارہ ہے روشن ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنی ولایت کی پناہ میں لے کر اور اپنی تربیت کے سایہ میں لا کر اپنی ایجادی اور قانونی تدبیر کا ہاتھ بنا دیتا ہے حاصل کلام جناب پاک سے اس کو بہت سار اتصال اور ایجادات اور احکامات کے سرچشمہ سے فائدہ اٹھانے کا بڑا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ علوم عقلیہ میں ہو یا عوارض قبیلہ میں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ روحانی شریعت والوں نے انسان کے باطن میں دو طاقتیں معلوم کی ہیں اول جاننے والی جو کہ سمجھنے کا کام دیتی ہے یعنی اس طاقت کے ساتھ ظاہر یا پوشیدہ چیزیں معلوم کر سکتے ہیں اور جس کا نام عقل ہے دوم ارادہ کرنے والی طاقت جو کہ علوم اور ادراکات کے سوا خوشی اور غصہ اور بہادری اور ڈر اور پیار اور دشمنی اور رضا اور کراہت اور ارادے اور شوق اور انہی جیسی اور باقی نفسانی کیفیتوں

[1] یعنی ہم اپنے پروردگار کے رب ہونے پر راضی اور خوشنود ہیں [2] اور اسلام کے دین ہونے پر ہم خوش ہیں [3] اور کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے [4] اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے پر ہم راضی ہیں [5] اور جنہوں نے ہمارے واسطے محنت کی بیشک ہم ان کو اپنی راہیں سوجھا دیں گے [6] یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں جس طرح کا گمان وہ میرے ساتھ رکھے گا ویسا ہی پائے گا [7] اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہی اُس کو کافی ہے [8] اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے واسطے پسند کریگا [9] اور وہ نیکوکاروں کا والی ہے [10] اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا مولیٰ ہے جنہوں نے مانا۔

کے اُٹھانے والی ہے اور جس کا لقب قلبیہ ہے اور ان دونوں طاقتوں کا فرق ظاہر ہے اس واسطے کہ شجاعت کے معنی کا جاننا اور اس کی حقیقت معلوم کرنا اور چیز ہے اور خود شجاعت اور چیز ہے کیونکہ بہت سی شجاعت کے معنی کو جاننے والے اور اس کے تمام اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب کی بحث میں تحقیقات کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی راہزن کا مقابلہ کسی چور کا سامنا اُن سے نہیں ہوسکتا اور بہت سی خونریزی میں یکتا اور جنگ آزمائی میں طاق بہادر دلیر ایسے بھی ہوتے ہیں. کہ بہادری کے معنی سمجھنا اور اُس کو باقی نفسانی کیفیتوں سے جدا کرنا اُن سے مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی مست ہاتھی یا گرجنے والے شیر جیسے کسی خوفناک امر کا معلوم کرنا اور معاش یا معاد میں نقصان پہنچانیوالی کسی چیز کے ضرر کا یقین کرنا اور بات ہے اور خود خوف والی کسی اس کیفیت کا عارض ہونا کہ رنگ کی زردی اور آنکھوں کی بے رونقی اور ہونٹوں کا خشک ہونا اور پٹھوں کا شست ہو جانا اور اعضا کا بیکار ہو جانا اس کے آثار میں سے ہے" اور بات ہے اس لئے کہ اس خوفناک امر کو تو بہادر اور بزدل دونوں جانتے ہیں لیکن بزدل پر ایسی حالت گذرتی ہے کہ بہادر پر اُس کا عشر عشیر بھی نہیں آتا اسی طرح کسی خولصورت آدمی کو خوبصورتی کے جاننے اور اُس کے خط و خال کے معلوم کرنے میں عاشق اور غیر عاشق برابر ہیں لیکن جو پیچ و تاب اور قلق و اضطراب عاشق کے دل پر گزرتا ہے غیر کے دل پر نہیں گذرتا جب یہ تمہید ہو چکی اور عقل اور قلب کا فرق ذہن میں بیٹھ گیا تو جاننا چاہیئے کہ بعض لوگ ابتدائے پیدائش میں عقل کے تیز اور قلب کے کند ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس چنانچہ آزمودہ کار لوگوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں پس جو لوگ ابتداء فطرت میں تیز عقل پیدا ہوئے ہیں جب اُن کو ازلی عنایت اس مقام پر پہنچاتی ہے اور غیبی تاثیروں سے اُن کو مشرف کردیتی ہے تو اس کو ادراک کی طرف سے امور غیبیہ میں خادم بناتے ہیں اور علم کی جانب سے اللہ جل شانہ کی رضامندی اور اس کی ولایت کے نشان اس پر ظاہر کرتے ہیں مثلاً وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے یا فرشتوں یا پیغمبروں یا ولیوں کی طرف سے کسی چیز کے سرانجام دینے کا حکم ہوتا ہے یا معاملہ میں کلام کے ذریعہ سے اس کام کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے یا کشف کے طور پر اول سے آخر تک اس واقعہ کا تمام حال اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے یا امور کی سوچ بچار کے وقت اُس ماموربہ کام کے کرنے پر برانگیختہ کرنے والے (خیالات) اور اس کے چھوڑ دینے پر اُس کی بجاآوری کی ترجیح دینے والے (دلائل) اُس کے ذہن میں کھٹکنے لگ جاتے ہیں اور ایسے ہی ان واقعات کے ظاہر ہو جانے کو" جو تدبیر جہاں کے ساتھ متعلق ہیں" یا ان امور کے روشن ہو جانے کو "جو مریدوں کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں" یا اجتہادی مسئلوں یا گھر یا شہر کے انتظامی امور

کے انکشاف کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور اسی طرح اپنے اُن بھلے بُرے کاموں کو جن کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اشتباہ ہے" نور اور تاریکی کے لباس میں دیکھتا ہے اور شاباش اور ملامت کو خولصورت اور بدصورت رنگوں اور خوشنما اور بدنما شکلوں میں معلوم کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو اصطلاح اور شریعت میں محدّث کہا کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ابتدائے پیدائش میں پاک دل والے پیدا ہوئے ہیں امور مذکورہ اُن کے دل سے نکلتے ہیں۔ اُن کی عقل ان امور کی حقیقت پر آگاہ ہو یا نہ ہو مثلاً جن چیزوں کا وقوع غیب میں اس شخص کی وساطت سے مقرر ہو چکا ہے اُن پر اپنے دل میں ایسی دلیری اور جرأت معلوم کرتا ہے۔ اور برانگیختہ کرنیوالا ارادہ اُس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو مجبور کر کے اُس کام کے کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اور خود یہ شخص اس ارادے اور باعث کے پیدا ہونے کے سبب میں حیران رہتا ہے۔ اور اس کی وجہ کو سمجھ نہیں سکتا اور جن چیزوں کا وقوع غیب میں اُس کی وساطت سے مقرر نہیں ہوا اُن کی نسبت اپنے آپ میں بُزدلی اور اُن چیزوں کے وقوع میں رکاوٹ اور استبعاد (معلوم کرتا ہے) اور اُن کے واقع ہو جانے کی کوشش میں سستی اور کاہلی اور ان کے طلب کی مشقتوں کی برداشت میں تکلیف اور تھکان اُس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے غضب زدوں پر فوارے کی مانند پُرغضب دریا اس کے دل سے جوش مارتا ہے اور اُس کے مرحوم بندوں پر بارش کی مانند رحمت اور مہربانی کا دریا اُس کے اندر برستا ہے خواہ اُن امور پر اسکو اطلاع نہ ہو جو غضب زدوں کے مغضوب ہونے اور مرحوم لوگوں کے مرحوم ہونے کا باعث ہوئے ہیں اور خواہ اچھّے اور بد کاموں کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو۔ ان کے صادر ہو جانے کے بعد اپنے آپ میں خوشی یا دلگیری کو پایا کرتا ہے۔ اور اُس حلال اور پاک طعام کی طرف جو غیب میں اُس کے کھانے کے واسطے تیار کیا گیا ہے" اسکو خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس حرام طعام یا اُس کے کھانے سے جو اُس کے لئے تیار نہیں کیا گیا اس کو نفرت ہو جاتی ہے خواہ ظاہر میں اُس کے حلال میں حرام ہونے کا حال بالعکس معلوم ہوتا ہو۔ اور لبسا اوقات ان بزرگوں کی عقل ان امور کی اصلیت سے بے خبر ہوتی ہے اور ان اندیشوں کے دل میں پیدا ہونے کے سبب سے حیران رہتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کو شریعت میں شہدا اور حوارین کے نام سے پکارتے ہیں اور امور کے طلب کرنے میں صرف دعا کرنا اور غیب کی طرف متوجہ ہونا محدثین اور حوارین کی عادت ہے یہ نہیں کہ صاحبان قرب نوافل کی مانند اُس امر کے واقع ہونے پر اپنی ہمت کو لگا دیں یا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کے خود در پے ہو جائیں پس دشمنوں سے بدلا لینے یا دوستوں سے غم خواری کے موقع پر ان بزرگوں سے دعا کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اقطاب اور اوتادیں سے بعض امور دونوں قسم سے ہوتے ہیں۔ اور اس مقام کے لوازم سے

یہ ہے خواہ اس مقام والا محدث ہو۔ خواہ شہید کہ جو دعا مدعولہ کے ظاہر ہو جانے یا اُس کے حاصل ہونے کے سچے ارادے کے پیدا ہونے کے بعد صادر ہوئی ہو۔ اس کا قبول ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دعا بھی تقدیر کے ظاہر ہونے کے لباسوں اور فیض غیبی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے پھر جو شخص اس مدعولہ امر کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان بزرگوں کے مقابلہ میں قائم ہوگا۔ بے شک ناکام اور

یعنی جس امر کے لئے دعا کی گئی ۱۲

خوار ہوگا اور جو شخص اُس مدعولہ امر کے حاصل کرنے اور رواج دینے میں کوشش کریگا ضرور کامیاب اور فتحمند ہوگا۔ اور اس مقام کی تحقیق اور اس مقصود کی تفصیل صحابہ کرام اور تابعین عظام وغیرہم بزرگوں کے حالات سے طلب کرنی چاہیئے۔ حاصل کلام اس رستے کے امام اور اس گروہ کے بزرگ ان فرشتوں کی زمرے میں شمار کئے ہوئے ہیں جن کو ملأ اعلیٰ کی طرف سے تدابیر امور کے بارہ میں الہام ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں پس ان بزرگوں کے حالات کو بزرگ فرشتوں کے احوال پر قیاس کرنا چاہیئے۔

دوسرا اِفادہ اور اس مقام سے برتر اور اعلیٰ مقام ایمان حقیقی کا مقام ہے اور بعض مردانِ حق اس کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس دلکشا مقام کے چہرہ سے پوشیدگی کا پردہ دُور کر کے اُس کے نوروں کو سو طرح کی روشنی اور رونق کے ساتھ ظاہر کرتی ہے اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جس طرح نفسانی لیاقتوں کے لحاظ سے آدمیوں کے مختلف درجے اور متفاوت مرتبے ہیں پس بعض بد لیاقت اور بعض عمدہ لیاقت والے ہوتے ہیں اور بعض میں وہ ملکات طبعی طور پر پائے جاتے ہیں مثلاً اگر تم شجاعت کے بارہ میں غور کرو تو معلوم کر لوگے کہ بعض آدمی ابتدائے پیدائش میں ہی ایسے دلاور اور بہادر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے ہم جولیوں سے لڑائی کرنے کے خواہاں اور بہادروں کی ہم نشینی کے طالب رہتے ہیں اگرچہ اُنہوں نے کبھی لڑائی کا منہ تک نہ دیکھا ہو اور رستم اور اسفندیار کی کہانی نہ سنی ہو اور جنگ کے اسباب اور ہتھیاروں کی مشق اور سواری اور شکار کا تجربہ نہ کیا ہو لیکن بہادری اور دلاوری کا دریا اُن کے دلوں سے جوش مارتا رہتا ہے۔ اور وہ لڑائی بھڑائی کے واقف کاروں کی ہم نشینی کے واسطے کوشش کرتے ہیں اور جنگ آموزدہ لوگوں کو یا لباس میں اُن کی چال ڈھال کو مثلاً پگڑی باندھنے اور کرتہ پہننے اور زرہوں کے استعمال کرنے اور ایسے ہی... سپاہیوں کی سی پوشاک کو اور اسی طرح بول وچال اور مجلس اور سواری میں اُنہی کے طریق کو تہ دل سے پسند کرتے ہیں اور جنگ کے مناسبات میں سے ہر چیز کو محبت اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور لڑائی لڑنے والوں کے حکایت کی داستانوں کو قبولیت کے کانوں سے سنتے ہیں القصہ وہ امور جو لڑائی سے متعلق ہیں۔ اُن کے دل کی تہ میں ٹھیرے ہوتے ہیں اور اہل حرب کے ساتھ وہ لوگ طبعی دوستی رکھتے ہیں اور اُن کے خلاف سے اُن کو پیدائشی بیگانگی ہوتی ہے۔ پس اُن کو عورتوں اور ہیجڑوں اور اُنہی جیسے نامردوں

اور بزدلوں اور اُن کی چال ڈھال اور اُن کے لباس وغیرہ سے نفرت ہوتی ہے۔ اور جس کام کو جنگ سے کچھ تعلق ہو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اُس کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور جو کام اس امر سے برکنار ہو اُس کے حاصل کرنے میں جسقدر زیادہ مشقتیں اٹھائیں اُن کے دل میں نہیں ٹھیرتا اور اُن کے دل کو اُس سے رُکاوٹ حاصل ہوتی ہے اور جب تک اُن کو سامان جنگ میسر نہ ہو اور شفیق اُستاد لڑائی کے قانون اُن کو نہ سکھائے اور لڑائی کے میدانوں میں حاضر نہ ہوں تنگ دل اور پریشان رہ کر اپنی زندگی کو سو طرح کے پیچ و تاب میں گذارتے ہیں اور جونہی یہ امور اُن کو حاصل ہو جائیں ان کی تمام دلگیری اور پریشانی اور غم اور اندوہ جاتے رہتے ہیں پس اس قسم کا آدمی بہادری کی حقیقت کو طبیعت کے خزانے میں چھپائے ہوئے ہے اور اس کو لڑائی کے ہتھیاروں کی مشق اور اس فن کے اُستادوں کی تعلیم اور جنگ کے میدانوں میں حاضر ہونے کی ضرورت صرف بہادری کے حاصل کرنے کے واسطے ہے پھر سوچنا چاہیے کہ بہادری کے قالبوں کے حاصل کرنے کی رغبت بھی ان کے دل میں کسی کے سکھانے یا کسی کی متابعت سے پیدا نہ ہوگی بلکہ اس کا پیدا ہونا بھی ایسے امروں کے پیدا ہونے کی مانند ہے جو بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں کیونکہ بہادری کا جو جوش اُس کے دل میں موجود ہے اُس کا پورا کرنا اُس کے فنون کے حاصل کرنے کے بغیر ہو نہیں سکتا اور اُس کے فنون کا حاصل کرنا جنگ کے ہتھیاروں کی استعمال اور اُستادوں کی ہم نشینی اور لڑائی کے میدانوں میں حاضر ہونے کے بغیر ممکن نہیں پس لاچار مجبور ہو کر ہتھیاروں کے ڈھونڈنے اور اُستادوں کے تلاش کرنے اور معرکوں کی جستجو میں لگ جائیگا اور ان چیزوں کے حاصل ہو جانے کے بعد اس کے دل کی قابلیت سو طرح کی چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہوگی اور کوئی ہم عمر اور ہم جنس لڑائی کے امر میں اُس کے ساتھ برابری نہ کر سکے گا اور دوسرے بعض ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ اُن کی سرشت کی تختی صاف اور شجاعت کے مخالف امور سے پاک ہوتی ہے پس اگر ایسے لوگوں کو مہربان اُستاد ہاتھ آجائے تو طاقت اور اُستاد کے سکھانے اور زمانہ کی موافقت کے اندازے پر لڑائی کے متعلق امور سے اپنا حصہ حاصل کر لیں گے اور اُستاد کا کمال عکس کے طور پر اُن میں جلوہ گر ہو جائیگا اور دوسرا آدمی جو ابتدا سے پیدائش میں عورتوں کی طبیعت اور ہیجڑے کے مزاج والا بنایا گیا ہے اگر فن حرب کے ہزار اُستاد طرح طرح کی تربیت اور تادیب سے اُس کو فن جنگ کی تعلیم کرنا چاہیں وہ ہرگز لڑائی اور سپہ گری کے لائق نہ ہو سکے گا اور سارے شاہنامہ سے اس شعر کے سوا کچھ بھی یاد نہ کریگا ۔ منیژہ منم دخت افراسیاب ۔ برہنہ تنم اندید آفتاب ۔ یعنی میں افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہوں۔ میرے بدن کو آفتاب نے کبھی برہنہ نہیں دیکھا ۔ اسی طرح فیض [۵] ربانی کی طرف نسبت کرنے سے انسانوں کے تین طبقے ہیں پس ہم پہلے طبقے

---

[۵] نوٹ اصطلاح اہل طریقت میں فیض ربانی کو شرع رحمانی کہا کرتے ہیں اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ عموماً افراد انسانی کو اس رستے کی طرف ہدایت کرنا جس میں حضرت حق جل و علا کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل ہو۔ اور ایسے عقائد اور افعال اور اخلاق۔

والے لوگوں کے طبعی اجمالی کمال کا نام حقیقی ایمان مقرر کرتے ہیں۔ اور جب وہ پیدائشی اجمالی کمال اپنے وقت کے نبی کی پیروی کے سبب سے تفصیلی قوانین کے ساتھ کھل جاتا ہے اور شریعت کے سانچوں میں سے ایک سانچے میں ڈھل جاتا ہے تو اُس کے طبعی چراغ پر جو ازل الآزال میں عنایت خداوندی کے تیل سے روشن ہو چکا تھا یہ شریعت حقہ صاف شیشے کی مانند احاطہ کر لیتی ہے اور اس کے بسیط نور کو اپنے ہمرنگ کر کے نہائیت ہی عجیب اور غریب رونق بخشتی ہے پھر جبلی نور اور شرعی نور کے جمع ہو جانے سے وہ ملت حقہ "جس نے اس صاحب کمال کے باطن سے دوبالا رونق حاصل کی ہے" چمکنے والے ستارے کی مانند عالم ملک اور ملکوت کے اختر شناسوں کی عقل کی آنکھ کو حیران کر دیتی ہے اور کمالات کے میدانوں کے شہسواروں اور احوال اور مقامات کے دریاؤں کے تیراکوں کے وجود سے هُوَ سَيِّدُنَا وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا کی ندا نکل آتی ہے اس قسم کے صاحبان کمال کو شریعت کی زبان میں صدیقین کہا کرتے ہیں ان داناؤں اور عقلمندوں پر "جن کو ذہن کی لطافت اور طبیعت کی صفائی کے باعث اس کلام کے مغز اور اس مقام کے خلاصہ تک رسائی ہے" پوشیدہ نہ ہوگا کہ صدیق من وجہ انبیا کا پیرو اور من وجہ شریعت کا محقق ہوتا ہے۔ پس اگر صدیق زکی القلب ہوگا تو وہ مخصوص اقوال اور افعال میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضمندی کو اور مخصوص عقائد کے صحیح اور غلط ہونے اور خاص لوگوں کے عادات اور استعدادوں کے بھلا بُرا ہونے اور جزئی معاملات اور واقعات کے بگڑنے اور سدھرنے اور ان کے ضروری انتظام کو اپنی طبیعت کے نور سے معلوم کر لیتا ہے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ فلاں بات یا فلاں کام اللہ جل شانہٗ کو پسند یا ناپسند ہے اور فلاں عقیدہ درست یا غلط ہے۔ اور فلاں خُلق اچھا ہے یا بُرا اور فلاں معاملہ جو کہ فلاں گھر والوں یا شہر والوں کے درمیان منعقد ہوا ہے یا فلاں رسم جو فلاں قوم کے لوگوں میں مروج ہے انتظام کے موافق ہے یا مخالف پس ان امور مذکورہ کے احکام اس کو دو وجہ سے معلوم ہوتے ہیں ایک تو دل کی شہادت سے جو خاص کر ان امور سے متعلق ہے دوم عام طور پر کلیات شرع میں اُن کے مندرج ہونے کے سبب سے اور جو علم کہ پہلے طریق سے اس کو حاصل ہوا ہے۔ وہ تحقیقی ہے اور جو علم کے دوسرے طریق سے حاصل ہوا ہے وہ تقلیدی ہے اور اگر وہ صدیق زکی العقل ہے تو اُس کے طبعی نور کی ان کلیات حقہ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے جو حظیرۃ القدس میں عام طور پر نوع انسانی کے پرورش کے واسطے مقرر ہوئے ہیں اور وہ کلیات اُس کے ذہن میں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں وہ اُنہی کلیات سے تمام جزئیات کو استنباط کر سکتا ہے پس شرعی علوم اُس کو دو طریق سے حاصل ہوتے ہیں

لہ اس میں اس کلام کی طرف اشارہ ہے جو امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ ابو بکر سیدنا واعتق ابو بکر ہمارے سردار اور پیشوا ہیں۔ اور ہمارے سردار کو انہوں نے آزاد کیا دوسرے سید سے مراد بلال رضی اللہ عنہ ہیں ؛

ایک تو جبلی نور کے ذریعہ سے اور دوسرا انبیاءٔ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جانتا ہے کہ جو کام ایسا ہو۔ اور فلاں چیز پر مرتب ہو اور اس سے فلاں ثمرہ حاصل ہو تو وہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند یا نہ پسند ہے اور جو عقیدہ فلاں حقیقتوں سے تعلق رکھتا ہو یا فلاں صفات اور اسمائے الٰہی کو بیان کرے یا فلاں واقعات پر دلالت کرے اور فلاں طریق سے حاصل ہوا ہو وہ عقیدہ درست ہے۔ اور معاش یا معاد میں نوع انسانی کی پرورش میں داخل ہے اور جو عقیدہ کہ فلاں حقائق یا فلاں اسماءٔ و صفات یا فلاں واقع سے متعلق ہو۔ یا فلاں طریق سے ماخوذ ہو وہ عقیدہ باطل ہے یا معاش یا معاد میں نوع انسانی کی تربیت میں کسی کام نہیں آتا اور اُس کا پڑھنا پڑھانا فضول معلوم ہوتا ہے۔ اور جو خُلق اور ملکہ فلاں نتیجہ دے یا اُس کے حاصل کرنے میں فلاں فلاں امور کی حاجت پڑے وہ اچھا ہے۔ ورنہ بُرا اور جس معاملہ اور رسم سے فلاں مصالح حاصل ہوں وہ مقبول اور ضروری انتظام کے موافق ہے۔ ورنہ اُس کا ترک کرنا واجب ہے اور وہ انتظام کے مخالف ہے پس کلیات شریعت اور احکام دین میں اُس کو انبیاءٔ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اور اُن کا ہم اُستاد بھی کہہ سکتے ہیں اور نیز اُس کے اخذ کا طریق بھی وحی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں **نفث فی الروع** کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی کہتے ہیں پس ان بزرگوں اور انبیاءٔ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ انبیا علیہم السلام امتوں کی طرف مبعوث ہوتے اور یہ بزرگ منظانِ حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیا کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے یا بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی من وجہ بنوت کا علاقہ ہے اور من وجہ اخوت کا اور یہ لوگ اور تمام آدمیوں سے انبیا کی خلافت کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری تسلط اُن کو نصیب نہ ہو اور اگرچہ جہلاء اُن کی ریاست کو نہ مانیں اور اسی معنی کو امارت اور وصایت کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اور اُن کے علم کو جو بعینہٖ پیغمبروں کا علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوا حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو مخصوص عنایت اور ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں ہوتی ہے اور اُن کو اُسی مخصوص عنایت کی وجہ سے اپنے امثال میں امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ [1] اور اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ [2] اور وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ وَ مِنْ اٰبَآىٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ [3] اور

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چھانٹ لیتا ہے اور آدمیوں میں سے ۱۲ منہ [2] بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو اور عمران کے گھر والوں کو جہان والوں پر چن لیا ہے ۱۲ [3] اور ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور اُن کے باپ دادوں اور اُن کی اولاد اور اُن کے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے ہدایت کی ہے) اور اُن کو پسند

(۱) وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝ اسی معاملہ کا بیان ہے اور اسی برگزیدگی کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی رضامندی اُن کی رضامندی میں داخل کی گئی ہے اور اللہ عزوجل کی فرمانبرداری اُن کی فرمانبرداری پر موقوف ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصّے نے ان کے غصّے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے اُسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزت کے عکس سے ان ربانی حکیموں اور انبیا اور مُرسلین کے وارثوں کو حصہ ملا کرتا ہے جس کو قوم(۲) کی اصطلاح میں وجاہت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور جناب سید الحکما اور سید العلمائے شیخ ولی اللہ رحمۃ اللہ کا ئے عقل کے ساتھ ملی ہوئی صدیقیت کو جو اس حکمت اور وجاہت کے لوازمات میں ہے قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ قرب الوجود محض عطایا الٰہیہ اور صرف طبعی چیزوں میں سے ہے کسب اور اکتساب اور حدوث اور تجدد کو اُس میں کچھ دخل نہیں ہاں اس جبلی نور کے آثار کا ظہور اُس کے مددگاروں اور اسباب کے ملنے کے وقت تدریج کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ جیسے انسان کی انسانیت محض پیدائشی چیز ہے لیکن جو چیز کہ اس کو باقی حیوانات سے جُدا کرتی ہے۔ وہ قوت عاقلہ ہے جو ابتدائے پیدائش میں پوشیدہ ہوتی ہے کیونکہ (اس وقت) چھوٹے بچے اور چوپائے میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ چھوٹا لڑکا سمجھنے اور بوجھنے میں چوپائے سے بہت کمزور ہوتا ہے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اس چھپی ہوئی قوت کا اثر علوم کے ملنے کی وجہ سے معلومات میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اور جیسا کہ ابتدائے کلام میں مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہی مہربانی جو ازل الآزال میں اس صاحب کمال کے بارہ میں عنایت ہوئی ہے ہر وقت اور ہر مرتبہ میں اس کو نئی مہربانی اور تازہ تربیت کے ساتھ پسندیدہ افعال اور صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق اور اچھی رسموں اور معاملوں کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے ناپسندیدہ کاموں اور غلط عقیدوں اور بُرے کاموں اور خراب معاملوں اور رسموں سے طرح طرح کے واقعات اور تصرفات کے ساتھ نگاہ رکھتی ہے۔ پس وہ ضرور انبیا کی اس محافظت جیسی نگہبانی کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے جس کو عصمت کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ جس طرح بعض لوگوں کو کسی خوبصورت آدمی کے عشق یا ہنر اور کمال کی طلب یا مال اور جاہ کے حاصل کرنے وغیرہ کسی قلبی عارضہ میں استغراق ہو جاتا ہے کہ اُس کی وجہ سے اُس کے قوی بہیمیہ میں خلل پڑ جاتا ہے اور اسی فتور کے باعث ایسے کاموں کی طرف اُن کے دل سے کچھ التفات ظاہر نہیں ہوتی جو عرف یا شریعت میں قبیح ہیں۔ اور ان امور کے ارتکاب کا ارادہ ان کے دل میں پکا نہیں ہوتا۔ اور بعض دوسرے آدمی جو عقل کی تیزی اور طبیعت کی نزاکت اور سرشت کی پاکیزگی پر پیدا ہوئے ہیں

(۱) اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو یاد کر ہم نے اُن کو ایک چنی ہوئی آخرت کی یاد سے امتیاز دیا ہے اور بیشک وہ سب ہمارے ہاں چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں (۲) قوم سے صوفیہ مراد ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین مراد ہیں ۱۲-

اور شفیق آبا اور سکھانے والے استادوں کی تربیت ان کے حق میں خرچ ہوتی ہے ان کا قبائح مذکورہ سے پرہیز کرنا عقل کی تیزی اور طبیعت کی وجہ سے ہوگا۔ اور ان کے عقل کی تہ سے ان قبائح کی نسبت وہ تنفر پیدا ہوگا جو جبلی طہارت والے شخص کو نجاست اور ناپاک چیزوں سے ہوا کرتا ہے۔ اور اگر کسی وقت ان سے خطا اور نسیان کے طور پر قبائح مذکورہ کی طرف رغبت اور میلان ہو جائے تو بیشک وہ مشفق ہزار حیلہ سے اس کو ان ناپاک چیزوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے ہٹا رکھے گا۔ اسی طرح بعض اہل کمال پاک عشق کے غلبہ اور حضرت ذوالجلال کے مشاہدے کے استغراق اور فنا اور بقا اور چیزوں کے حقائق کے منکشف ہونے کے مقام میں کوشش کرنے کے باعث مختلف ارادوں کے فنا ہو جانے سے کامیاب ہو جاتے ہیں اور اسی فنا کے سبب ناپسندیدہ فعلوں اور باطل عقیدوں اور بری عادتوں اور خراب معاملوں سے بچے رہتے ہیں اور یہ بچنا ارباب قرب النوافل کا حصہ ہے۔ اور بعض اہل کمال نور جبلی اور عنایت ازلی کے باعث بھلے کو برے سے تمیز کر کے اپنے آپ کو قبائح مذکورہ سے پاک رکھتے ہیں اور اگر کبھی ان سے امور مذکورہ کی طرف کچھ رغبت اور توجہ ہو جائے تو ان کے ارادے کے دامن کو ازلی عنایت پکڑ کر عجیب و غریب معاملات سے ان گندگیوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے باز رکھتی ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ[1] اسی معاملہ کی حکایت ہے اور یہ حفظ انبیا اور حکما کا نصیب ہے اور اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور حکمت اور وجاہت اور عصمت کو غیر انبیا کے واسطے ثابت کرنا خلاف سنت اور اختراع بدعت کی جنس سے ہے اس واسطے کہ ان امور میں سے بہت سے امور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں صحابہ کبار کے مناقب میں وارد ہوئے ہیں چنانچہ اہل حدیث میں سے واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں اور اگر کلام کے طویل ہو جانے سے ملال اور دلگیری کا خوف نہ ہوتا تو ان حدیثوں میں سے کچھ حدیثیں اس جگہ ذکر کی جاتیں اور یہ مت سمجھنا کہ اس کمال والے لوگ یہاں سے منقطع ہو چکے ہیں۔ اور قرب الوجود روئے زمین سے محو گیا ہے۔ بلکہ جب تک کہ روشنی اور اندھیرے کا خوش رفتار دو رنگ گھوڑا دوڑتے ہیں رہے۔ وجود کا میدان حال اور مقام کے شاہسواروں کے گھوڑے دوڑانے کی جگہ ہے۔ ہاں صاحب کمال کے کمال پر یقینی علم کے حاصل ہونے کا طریق جو کہ مخبر صادق کی خبروں میں منحصر ہے نبوت کے زمانے کے گذر جانے کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہے۔ جیسے کہ اس زمانے کے گزر جانے کے بعد غیر منصوص مسئلوں میں شریعت کے حکموں میں سے کسی حکم پر قطعی علم کا حاصل ہونا ممکن نہیں حالانکہ مجتہدین کے اجتہاد کا امر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس قدر جلوہ گر ہوا کہ اس کا عشر عشیر بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں

[1] بیشک زلیخا نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف نے اس کا قصد کیا اگر اپنے پروردگار کا برہان نہ دیکھتے تو یہ ہونا جو ہوتا تھا

واقع نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے پر خدائے تعالیٰ کی غیرت اس مقام کے لوازمات سے ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب اس ازلی عنایت نے ابتدائے فطرت میں استحقاق اور اکتساب کے بغیر اور واسطہ اور حجاب کے سوا ہی اس صاحبِ کمال کو مقبولوں کے زمرے میں مقرر کیا ہے اور ہمیشہ بلا واسطہ اس مقبول کی تربیت میں لگی ہوئی ہے پس اگر کسی وقت لوازم بشریت کے تقاضے کے ساتھ اس مقبول کے دل میں خدائے تعالیٰ کے ماسوا کی طرف کچھ توجہ ہو جاتی ہے اور اُس چیز کے ساتھ علاقہ حاصل ہو جاتا ہے یا کسی امر کو اُن امور میں سے جن کے پائے جانے کے باعث اُس کا جبلی نور ظاہر ہوا ہے اپنی تربیت کا واسطہ جان لے تو وہی ازلی عنایت اس واسطے کو کسی تدبیر کے ساتھ توڑ دیتی ہے اور اُس خیال کو دور کر دیتی ہے اور بنی آدم کے نیک بندوں کے دل میں قبولیت کا نازل ہونا بھی اس مقام کے آثار میں سے ہے۔ کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ اِلٰی اِنْ قَالَ حَتّٰی یُوْضَعَ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ[1] اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور اس قبولیت کی حقیقت اُس صاحبِ کمال کی وجاہت کا اُن دلوں کے آئینوں میں منعکس ہونا ہے جو کہ صاف اور سلیم ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آدمیوں کے اعضا اس اعتبار سے کہ جو عارضہ محبت یا غصے یا خوشی کی مانند دل پر عارض ہوتا ہے تو اُس کے آثار ظاہری اعضا پر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اُن کے دلوں کے لئے آئینہ کی طرح ہیں اسی طرح بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں۔ خطیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں۔ مثلاً جس چیز کا واقع ہونا خطیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی میں مقدر ہو چکا ہو اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اُس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اُس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں۔ پس جب اس صاحبِ کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے۔ اور دربار الٰہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا ہے۔ اور رفیق اعلیٰ میں مقام صدق پا لیا ہے تو خواہ مخواہ اُس کی عزت کا پرتو نیک بندوں کے دلوں میں پڑ جاتا ہے پس جو نیک آدمی اُس کو دیکھتا ہے یا اُس کے پاس بیٹھتا ہے یا اُس کے حال اور کمال پر مطلع ہوتا ہے تو ضرور اُس کو نہ دل سے دوست رکھتا ہے اور اُس کے علموں اور خبروں کو صمیم قلب سے مانتا ہے بلکہ اُس کی چال ڈھال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہی اوضاع اور اطوار اُس کے غیر میں پائے جائیں کہ اس کی طرف کوئی صالح آدمی ادنیٰ توجہ

[1] جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا دوست بناتا ہے تو جبریل کو پکارتا ہے کہ میں فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پس جبریل اسے دوست رکھتے ہیں پھر آسمان میں ندا کرتا ہے (یہاں تک فرمایا) حتیٰ کہ زمین میں اُس کے واسطے قبول رکھی جاتی ہے

بھی نہیں کرتا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام کا یہ ہے کہ اس مقام والے کے ساتھ تمام لوگ محبت کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَى الْاَرْضِ[1]۔ اور یہ بات تو نہایت ہی واضح ہے کہ دانا اور عقلمند اور جوانمرد اور عادل ہی شاہد ہوا کرتے ہیں۔ غافل نادان بدکار لوگوں کو شاہد نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ اگر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بزرگ لوگوں کی محبت، پیار کرنے والے کے ایمان اور پرہیزگاری کی علامت ہے ذٰلِكَ[2] وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اور ایسے بزرگواروں کا بُغض۔ کینہ کرنے والے کے نفاق اور بدبختی کا نشان ہے کہ لَا يُحِبُّهٗ[3] اِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَّ لَا يُبْغِضُهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ شَقِيٌّ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے

تیسرا اِفادہ۔ اور شرعی حدوں اور سلطان حکم اور ان کے اشباح کو خود اُن کی جگہ قائم کرنا اور عموماً نوع انسانی کی پرورش کے رکنوں اور ادبوں اور شرطوں اور مفسدوں کو مقرر کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاؑ اور مرسلین میں سے اصحابِ شریعت کا مقام ہے۔ اور ان کی متابعت سے ظلی طور پر انبیاؑ کرام کی فرمانبرداروں میں سے بعض ان بزرگوں کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے۔ جن کو قوم کی اصطلاح میں مفہمین کہتے ہیں اور صاحبان تعلیم کے پیشوا اور صاحبان تفہیم امام حضرت شیخ ولی اللہ قدس اللہ سرہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب الفرائض ہے۔

چوتھا اِفادہ غافلوں کو جگانے اور جاہلوں کے عذر کو دور کرنے اور مخالفین اور منکرین پر دلیل یا تلوار اور نیزے کے ساتھ حجت کو پورا کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے برتر و بلند ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی برکت سے بھرے ہوئے وجود سے قُلْ[4] فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کا مضمون ثابت ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر انبیائے اولوالعزم کا مقام ہے اور اُن کی فرمانبرداری سے بعض بڑے با عمل عالم اس مقام کے ظل اور اس فخر کے عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ جن کو قوم کی اصطلاح میں حجج اللہ کہتے ہیں اور آپ (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب ملکوت ہے

پانچواں اِفادہ اور اس مقام سے اعلیٰ اور بلند مقام ریاست ادوار واطوار ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح زمانہ کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے فیض سے معاش کے امر میں نوع انسان کی پرورش ایک خاص طور پر واقع ہوتی ہے۔ اور اللہ عزوجل کی وہ عنایت جو

---

[1] یعنی لوگ زمین پر اللہ کے شاہد ہیں [2] یہ سُن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام کی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہی ۱۲ موضح القرآن [3] یہ حدیث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہے۔ یعنی پرہیزگار ایماندار کے سوا کوئی شخص اسکو دوست نہیں رکھتا اور بدبخت منافق کے سوا کوئی آدمی اس سے دشمنی نہیں رکھتا ۱۲ [4] کہہ دو حکم اللہ کے لئے مخصوص ہے ۱۲ منہ

عام انسانوں کی طرف خرچ ہو رہی ہے۔ اُسی لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو صاحب کمال نوع انسانی کی تربیت کے واسطے نیابت من اللہ کے مقام میں قائم ہو چکا ہو۔ اُسی وجہ کے تکمیل میں بڑی کوشش کرتا ہے اور جب وہ وجہ اپنے کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ نئی مہربانی اور تازہ عنایت رحمت ازلیہ کے دریا سے نکل کر تربیت معاشیہ کے وجوہات سے ایک اور وجہ پیدا کرتی ہے اور اُسی وجہ کے اجرا میں بنی آدم کے کامل نفوس کو متوجہ کرتی ہے آیہ کریمہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ[1] اسی بھید کا بیان ہے مثلاً حضرت آدم صفی اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے لے کر حضرت ادریسؑ کے زمانہ تک خدائی فیض انسانی افراد کو کھیتی باڑی کرنے اور پیسنے اور آٹا گوندھنے اور روٹی بنانے اور باقی طعاموں کے پکانے اور لباس بنانے اور رہنے کی مکانوں کی تعمیر کرنے کی ہدایت کی طرف خرچ ہوتی رہی اور جب یہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو حضرت ادریسؑ کے زمانے سے درزی گری اور لکھنے اور آہنگری اور زرگری جیسے لطیف و دقیق پیشے اور زمینی اور آسمانی جسموں کے خواص کی واقفیت کے گہرے علم جو کہ علم طب اور نجوم کا خلاصہ ہیں ظاہر ہوئے اور ذوالقرنین اول کے زمانے سے بادشاہت اور ریاست کی بناؤں کی مضبوطی اور حکومت اور عدالت کے قانونوں کی تیاری اور لشکروں کا جمع کرنا شروع ہوا اسی طرح نوع انسانی کے امر معاد کی تربیت میں بھی زمانے اور طریق بدلا کرتے ہیں اور جس دورہ میں جو اہل کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں جو علم کہ انکے دورے کے مناسب ہیں اُن کے دلوں میں ڈال دئے جاتے ہیں اور اُن کو انہی علموں کی تکمیل میں خادم بنایا جاتا ہے پھر جب وہ تربیت، اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک اور تربیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اور ایک نئی ہدایت، کی بنیاد کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ مثلاً اس امت کے دوروں میں کا پہلا دورہ فقہا کا دورہ تھا۔ پھر متکلمین کا دورہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد صوفیہ کرام کا دورہ آگیا یہ تمثیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ ادوار انہی میں منحصر نہیں حاصل کلام جب ایک دورہ ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے دورے کی ابتدا شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص کے وجود سے پہلے دورے کی ہدایت کو کمال کی نہایت تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کو ترجمان مقرر کرکے اُس کی برکت والی زبان سے اللہ تعالیٰ تازہ مہربانیوں کی طرف آدمیوں کو دعوت کی جاتی ہے۔ اور اس دورہ کی امامت اُس کو بخشی جاتی ہے جو اُس زمانے میں آدمیوں میں سے زیادہ باکمال اور اللہ تعالیٰ کے فیض سے زیادہ لائق ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو حضرت خاتم النبوت اور فاتح الولایت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے۔ اور آپ کی پیروی کی برکت سے اس مقام کا نمونہ بعض بزرگوں کو بھی عطا کیا جاتا ہے

[1] تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اُس کی طرف ایک دن میں جس کا مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں موضح القرآن۔

اور اصطلاح میں اُن کو خاتمین اور فاتحین کا لقب دیا جاتا ہے۔ یعنی اُن لوگوں کے وجود سے گذشتہ دورہ کی نتیجہ کی نہایت اور آیندہ دَورہ کے کمال کا آغاز ہوتا ہے۔ اور حضرت شیخ ولی اللہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام مقام فردانیت ہے اور اس دورہ میں جتنے اہل کمال پائے جاتے ہیں حقیقت میں وہ اسی امام دورہ کے پیرو ہیں خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں اور اُن کی پیروی کی یہ معنی نہیں کہ وہ قصداً اس امام کی تقلید کرتے ہیں یا اُن کی تربیت کا سلسلہ اُس امام تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اس مقام میں اتباع کے یہ معنی ہیں کہ جو شان الٰہی اس دورہ میں ظاہر ہوا ہے یہ لوگ بھی اس کی خدمت میں جان و دل سے کوشش کرتے ہیں۔ اور اس شان کے مناسب جتنے علم پہلے پہل اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری دفعہ غیب کے خزانے سے اُن بزرگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور جسطرح ان علوم کی اشاعت کا عزم اول اول اس امام کے دل میں پیدا ہوا تھا اسی طرح وہی عزم اُن بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے **پہلا فائدہ** چونکہ یہ تینوں مقام مستقل طور پر انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے لئے مانے گئے ہیں اور ان کے ماسوا اور لوگوں کو ان کمالات کے ظل اور ان مقامات کے نمونے کے سوا اور کسی چیز تک رسائی نہیں باوجودیکہ ایسے بزرگ ان مفاخر کر اشباح کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں تاہم کبریت احمر اور اکسیر اعظم کی طرح نادر الوقوع اور کمیاب ہیں اور اسی واسطے ان تینوں مقاموں کے مبحث میں اجمالی اشارات پر اکتفا کر کے اُن کی تفصیل کو دوسرے مقام کے حوالہ کیا گیا ہے اور نیز ان مقامات کی کنہ کو پہنچنا بلکہ تمام کمالوں کی تحقیق ان خوبیوں کے حاصل ہونے اور ان مفاخر تک پہنچے بغیر ہو ہی نہیں سکتی پس ان مخفی بھیدوں کے ظاہر کرنے میں کوشش کرنا اور تکلیف اٹھانا لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔ **فرد** داغ غلامیت کرد پایہ خسرو بلند ؛ صدر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید ؛ **دوسرا فائدہ**۔ یہ سمجھنا کہ راہ ولایت اور راہ نبوت آپس میں غبائن ہیں کہ ولایت کے رستے کے چلنے والے راہ نبوت کی مقامات پر ہرگز کامیاب نہیں ہوتے یا راہ نبوت کے طالب حالات ولائت کا مورد نہیں بنتے یا حب عشقی والے حب ایمانی سے خالی ہوتے ہیں اور حب ایمانی والے حالات عشقیہ سے غافل ہی رہا کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ تم نے کتاب فتوح الغیب کو" جو ولیوں کے پیشوا اور صاحبان فنا و بقا کے امام فضیلتوں اور بزرگیوں والے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے" دیکھا ہو گا جو ساری کی ساری فنائے ارادہ کے مضمون سے جو حب ایمانی کا خلاصہ ہے بھری ہوئی ہے اور وحی کے بند ہونے کے زمانے میں اُس پیچ و تاب اور قلق و اضطراب کی حکائتیں تم نے سُنی ہوں گی جو حضرت سید الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے مبارک دل پر گذرا کرتی تھیں۔ کہ اس عجز و نیاز اور بے پروائی اور ناز کے معاملے" جو درمیان میں گذرے تھے" لیلیٰ اور مجنوں کی داستانوں کے رشک افزا ہیں بلکہ حُبّ ایمانی کا نیچ اور اس

ہمیشہ کی سعادت کا نور ایمان کے رکنوں اور اسلام کی شرطوں سے ہے پس مقبول طریقوں کے چلنے میں حُبِ ایمانی کو شاہ گام گھوڑے کی طرح جاننا چاہیے اور حبِ عشقی کو اس طریق کے ایک جنگل یا اس راہ کی سراؤں میں سے ایک سرائے کے جا بجا سمجھنا چاہیئے پس حبِ ایمانی طریقِ رحمانی کے سالک کی جان کا پیوند ہے اور حبِ عشقی حالات اور واردات کی قبیل سے ہے ہاں بعض لوگوں کے دلوں میں طبعی مناسبت کی وجہ سے حبِ عشقی زیادہ قوت دیتی ہی اور کشاں کشاں ولایت کے رستے میں لے جاتی ہے۔ اور حبِ عشقی کی صورت میں حبِ ایمانی ظاہر ہوتی ہے اور بعض نفوس میں عشق کے جوش کے فرو ہو جانے کے بعد صرف حبِ ایمانی ہی باقی رہ جاتی ہے اور طریقِ نبوت کے مقامات کاراستہ دکھاتی ہے۔ القصہ حبِ ایمانی کو بنائے سلوک کے لئے بنیاد کی مانند۔ بلکہ لکڑی اور کیچڑ اور پتھر کی طرح" جو عمارت کا مادہ ہے۔ سمجھنا چاہیئے اور حبِ عشقی اور اُس کے ثمرات کو ان سریع الزوال عمدہ رنگوں اور دلکش نقشوں کی طرح جاننا چاہیئے۔ جو اصل عمارت کے بعد ہوا کرتے ہیں اور اس بنا پر چونکہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہدایت کی عمارت کی مضبوطی اور عموماً انسان کی تربیت کے مکان کی پختگی کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں تو ناچار اسی حب اور اس کے ثمرات کی طرف انہوں نے دعوت کی ہے اور اس رستے کے حاصل کرنے کے طریق کو مضبوط اور واضح کر دیا۔ اور حبِ ایمانی کے طریقوں کے کھول دینے پر اکتفا کیا اور حبِ عشقی کے بیان اور اُس کے ثمرات کے واضح کرنے اور اُس کی تحصیل کے طریقوں کے تعیین کی طرف باریک اور لطیف اشارات کے علاوہ کچھ توجہ نہیں فرمائی اور جب اصحابِ طریقت میں سے اولیائے کبار نے جو فنِ شریعت میں باطنی امامت اور دل کے سنوارنے کے قواعد میں جو دینِ متین کا خلاصہ ہے۔ درجہ اجتہاد کا حاصل کر چکے تھے حبِ ایمانی کو متواترات دینیہ سے جان لیا اور اس کی تحصیل کے طریقوں کو اکثر اہل مذہب میں مضبوط دیکھا حتیٰ کہ اہل ملت کے عوام میں سے ہر عامی جو اُن کے زمانہ میں تھا البتہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اُس کے حکموں کی تعمیل اور شرعِ نبوی اور دینِ مصطفوی کے اختیار کرنے کو اپنے پر فرض جانتا تھا اور منعم کے شکر اور اُس کی محبت کی خوبی اور منعم کی ناشکری اور اُس کی مخالفت کی بُرائی کو اجلی بدیہیات سے سمجھتا تھا۔ تو حبِ ایمانی اور اُس کے لوازم کو کامل سمجھ کر اور اسے اپنے پیروؤں کے دلوں میں مسلم الثبوت جان کر حُبِ عشقی کے احکام کی تفصیل اور اُس کے ثمرات کی ایضاح اور اُس کے حاصل کرنے کے طریقوں کے مضبوط کرنے کی طرف اپنی ہمت کے مُنہ کو متوجہ کر کے اس امر میں نہایت کوشش کی اور اہلِ اسلام میں سے ایک بھاری جماعت کو بہت نفع پہنچایا اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہوں نے بڑی عزت حاصل کی شَکَرَ اللّٰہُ مَسَاعِیَهُمْ وَرَفَعَ دَرَجَاتِهِمْ فِی اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ [۱] پھر ان کے زمانے کے گذرنے سے کچھ مدت پیچھے غبیوں کی

---

[۱] یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اُنکی کوششوں کی قدر شناسی کرکے اعلیٰ علیین میں ان کے درجوں کو بلند کرے ۔۔

ایک جماعت ظاہر ہوئی اور کمینوں کا ایک ایسا طائفہ پیدا ہوا کہ فَخَلَفَ[۱] مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ اُن کے بدانجام حال پر منطبق ہو گیا اور وہ حُب ایمانی کے حاصل کرنے کے طریقوں کو برباد کر کے.. حُب عشقی اور اُس کے ثمرات کو حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گئے حالانکہ یہ محض باطل خیال اور محال کا طلب کرنا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے آمِنْ[۲] ثُمَّ جَاهِدْ اور مثل مشہور ہے ثَبِّتِ[۳] الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ عارف بلند سیر شیخ ابو سعید ابو الخیر اس بدمآل گروہ کے حال سے خبر دیتے ہیں۔ بیت تقلید دو سہ مقلد بے معنی بدنام کند رہ جواں مرداں را۔ یعنی دو تین بے خبر مقلدوں کی تقلید جواں مردوں کی راہ کو بدنام کر دیتی ہے۔ اور اس مطلب کو واضح مثال کے ساتھ سامعین کے ذہن کے قریب کرنا چاہیے مثلاً اللہ تعالیٰ کی اُس عنایت نے "جو ازل الآزال میں انسانی افراد کے حق میں مبذول تھی" ایک وقت میں یوں تقاضا کیا کہ کچھ ایسے عقائد اور احکام اور معاملات "جن کو افراد انسانی کی ہدایت اور معاش معاد میں ضرور دینے والی چیزوں سے اُن کی نجات اور برزخ اور قیامت کے آفات سے خلاصی دینے میں قوی دخل اور عظیم تاثیر تھی" عاجز کرنے والی عربی زبان میں ان کو سکھائے جائیں اور اُن کی شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بیان سے کی جائے پس جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے اُس عاجز کرنیوالی کلام کو نہایت واضح طور پر کھول کر تمام حاضرین کو پہنچا دیا پس اس قدسی فیض کی تکمیل "جو غیب الغیب سے نازل ہوا ہے" دو وجہ سے ہو سکتی ہے اوّل آنکہ جن امور کو معاش اور معاد کی اصلاح میں تاثیر ہے اور نجات اور درجوں کے بلند کرنے میں دخل ہے انہی امور کے سیکھنے کو اپنی ہمت کا قبلہ بنا کر قرآن اور حدیث کی طرف متوجہ ہو۔ اور مذکورہ عقائد کی تصدیق اور ماثورہ احکام کی تعمیل اور پسندیدہ اخلاق کی تحصیل اور سیاسیات اور معاملات مقصودہ کے قائم کرنے میں نہایت کوشش کرے اور کتاب اور سنت سے شارع کا مقصود اور ہدایت اور سعادت کی بنیاد یہی ہے اور شارع علیہ السلام نے واضح بیان کے ساتھ اسی کی تفصیل فرمائی ہے۔ اور اس کے مبادی حاصل کرنے کے طریقوں کو کمال قصد سے مضبوط کیا ہے دوم آنکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بلاغت کے طریقوں اور عقائد حقہ کی دلیلوں اور احکام منصوصہ کی حکمتوں اور اخلاق محمودہ کے پیدا ہونے کی وجہوں اور معاملات اور قوانین حدیثیہ کے نفعوں پر واقفیت کو اپنے دھیان میں رکھکر اور ان کو اپنے ارادے کا قبلہ بنا کر قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے۔ اور اس طرح سے غور کرنا شارع علیہ السلام کا بالذات مقصود نہیں اسی واسطے اس کی تصریح نہیں فرمائی اور اس کے حاصل کرنے کے مبادی اور اس کی تکمیل کے طریقوں

[۱] یعنی پھر ایسے نالائق اُن کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے ۱۲ منہ [۲] یعنی پہلے ایمان لا پھر مجاہدہ کر [۳] پہلے تخت تیار کرلے پھر اُس کے نقش کے درپے ہو ۱۲ منہ

کو بیان نہیں کیا۔ مثلاً علوم صرف ونحو و معانی و بدیع وغیرہ فنون عربیہ کی تفصیل اور منطق اور فلسفہ اولیٰ و مناظرہ کے استدلالیہ مسائل کی بنیاد اور قوانین اجتہادیہ کے مباحث قیاس اور تعیین علل اور مسائل ترجیح اور قواعد جدل اور انسان کی باطنی قوتوں کی تشریح اور حکمت عملیہ کے اصول کی تنقیح کے بارہ میں شارع سے کچھ بھی منقول نہیں بلکہ جو کچھ جناب سے منقول ہے وہ فقط قرآن اور حدیث ہے اور حجت اور دلیل اور تلوار اور نیزے کے ساتھ آپ کی دعوت انہی دو چیزوں کی طرف تھی اور ان دونوں چیزوں کی اشاعت میں آپ نے کسقدر مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں ہاں علم قرآن مجید اور حدیث شریف کی تحصیل کے بعد یہ نازک اور باریک علم بعض لوگوں کے واسطے اکسیر اعظم کا حکم رکھتے ہیں کہ اُن کے نفسوں کو امارت اور وراثت اور نبوت کا منصب بخشتے ہیں اور اسی واسطے جب یہ قرآن عظیم و حدیث نبی کریم حد تواتر اور شہرت کو پہنچ گئے - اور ہر خاص و عام نے اپنے حصے کے موافق اس سے کامیابی حاصل کر لی اور ان دونوں کی تسلیم نے تمام اہل اسلام کے دلوں میں اولیات کی تسلیم کا رنگ پکڑ لیا تو فنون عربیہ کے استادوں اور اجتہاد کے اماموں اور علم کلام کے داناؤں اور تہذیب اخلاق اور حکمت ایمانیہ والوں کی کوشش سے وہ باریک علم ظاہر ہوئے اور ان بزرگوں کو اسی کوشش کی وجہ سے عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ[ع] کے زمرے میں جگہ ملی ہے اور ان کے پیروان بحثوں کی تطویل میں نیک کوششیں بجالائے یہاں تک کہ اتنے لمبے چوڑے باریک علم پیدا ہو گئے اور ان بزرگوں کے اس برکت والے زمانے کے گذرنے کے بعد بے معنی مقلدوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی۔ جس میں حب جاہ اور طلب ریاست طبعی طور پر بھری ہوئی تھی۔ پس انہوں نے اسی گفتگو اور جھگڑے کو بزرگی اور کمال سمجھ کر قرآن مجید اور حدیث شریف کو پس پشت ڈال کر اپنی تمام عمر کو ایسے ہی فضول امور کو حاصل کرنے میں ضائع کر دیا اور فلسفہ اور اعتزال کا رستہ اختیار کر کے اس فانی جہاں سے افسوس اور پشیمانی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کیا اور آخر کار انہوں نے اپنی تنگ قبر میں ناکامی اور ٹوٹے کے سوا اپنا غمخوار کسی کو نہ پایا قُلْ[لہ] هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝[لہ] اَعَاذَنَا اللّٰهُ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ حَالِ اُولٰٓئِكَ الْجَاهِلِيْنَ دوسرا باب بدعتوں سے بچنے اور عبادات کے ادا کرنے کے ڈھنگ اور بری خصلتوں کو چھوڑنے اور عمدہ خصلتوں سے زینت حاصل کرنے کے بیان میں اور اس میں ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمہ اور اس میں ایک افادہ ہے۔ افادہ جو

[لہ] تو کہہ ہم بتادیں تم کو کن کے گئے بہت اکارت جنکی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں خوب بناتے ہیں کام [لہ] خدا تعالیٰ ہمکو اور تمام مسلمانوں کو ان جاہلوں کے حال سے پناہ دے ۱۲ [ع] میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں ۱۲-

اذکار اور شغل اور مراقبے اور مقام کہ اولیائے کرام نے خلاصہ کر کے لکھے ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ سالکوں کو وہی امور پیش آتے ہیں اور انہی اذکار اور اشغال سے اُن مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنائتیں اور برکتیں کہ بارگاہ الہٰی سے پے در پے اولیائے عظام کے بارہ میں ہوا کرتی ہیں۔ سالکوں کے دماغ میں اُن کی بو بھی نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مترتب نہیں ہوتے ہر چند عنایات اور برکات اور خدا تعالےٰ کے دربار میں قبولیّت کے ظہور میں تمام اہلِ کمال کا برابر ہونا ممکن نہیں لیکن ہر ایک کے حسب حال اُس کا ظہور بھی چاہیے اور اُن آثار کی عدم موجودگی کی صورت میں اُس امر کی جستجو اور تلاش کرنی ضروری ہے۔ جو اُن سے مانع ہوتا کہ اُس کے دور کرنے کی تدبیر کی جاوے اور حقیقی مطلوب حاصل ہو جائے اور اکثر لوگوں میں بدعتوں کا اختیار کرنا اور بُرے اخلاق سے آلودہ ہو جانا اور شارع کے مقصود کے موافق ادائے طاعات سے بے پروائی کرنا اور اُن کے شرعی عملوں میں عبادات کی مخل چیزوں کا آجانا عبادتوں کے اُن آثار کے ظہور کا مانع ہے لہٰذا اس باب کو چار فصلوں پر بانٹنا ضروری ہوا پہلی فصل بدعتوں سے پرہیز کرنے کے بیان میں اور اس میں تین ہدائتیں ہیں۔ پہلی ہدائیت ان بدعتوں کے بیان میں جو صوفیہ کبار قدس اللہ اسرارہم کے ساتھ تشبّہ پیدا کرنے والے صوفی شعار ملحدوں اور مشرکوں کے میل جول کے سبب سے عوام اہل اسلام میں پھیل گئی ہیں اور اس ہدائیت میں دو تمہیدیں اور چھ افادے ہیں۔ پہلی تمہید جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال میں اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے۔ کافر اور مومن اور مبتدع اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اُس کی مقبولیّت کا سبب ہے اور کافر کا کفر اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اس کے رَد کرنے والی چیزیں ہیں۔ پس صرف اسی کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے۔ ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے جو کمال مطلوب کا ذریعہ اور راستہ ہے پس انسان دو چیزوں کے ساتھ کامل ہوتا ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مراد وہ مجمل معرفت نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس اس سے باخبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام اوصاف میں بزرگ تر ہے۔ تمام زندوں سے اُس کی زندگی بہت بزرگ ہے۔ اور تمام اہل علم کے علموں سے اُس کا علم بڑھ کر ہے اور اُنہی پر اور اوصاف کو بھی قیاس کر لو کیونکہ اگرچہ یہ معرفت بھی فائدے سے خالی نہیں لیکن اتنی ہی معرفت کمال کا موجب ہوتی تو ناقص آدمی تو عنقا ہی ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی حقیقت کا جاننا اس طرح بھی مراد نہیں کہ انسان کی قوت مدرکہ بالکل اس کا احاطہ کر لے کیونکہ یہ معنی ناممکن ہے مثلاً

اُس کے رازق ہونے کی صفت کسی آدمی پر جس طرح چاہیئے ظاہر ہونے لگے تو کوئی آدمی بھی اُس کے مبادی کی برداشت نہ کر سکے۔ چہ جائیکہ اُس کے انتہا کو پہنچ کر اگر انسانی کمال میں یہ معرفت مقصود ہوتی تو کامل انسان کا پایا جانا محال ہوتا۔ پس اس جگہ معرفت سے وہ معرفت مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو انسان کے پیدا کرنے سے منظور و مطلوب ہے۔ اور اس کو قرآن اور حدیث سے معلوم کر سکتے ہیں اور اسی معرفت کی وجہ سے بارگاہ الٰہی میں آدمی کے واسطے بڑی عزت اور بہت سارا اعتبار حاصل ہو جاتا ہے وہ معرفت مراد نہیں جو عزت اور اعتبار کے سوا حاصل ہو جیسے حکما فلاسفہ اور کامل انسان اس عزت یا اعتبار کے باعث اُس خدمت گار اور خواص کی مانند ہو جاتا ہے جو اپنے آقا کی نظر میں معزز اور معتبر ہو گیا ہو۔ اور اس کی عزت اور اعتبار کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ مثلاً امانتیں اس کے سپرد ہوتی ہوں اور اسے بعض رعایا یا سپاہیوں یا محتاجوں یا سائلوں کے پاس اُن کے پہنچانے کا حکم ہو۔ اور اُس کی بات محل اعتبار اور راستی کے مرتبہ پر پہنچے اور اُس کی سفارش لوگوں کے حق میں قبول ہو جب اس قسم کی عزت اور اعتبار معرفت ذات اور صفات کے ساتھ کسی آدمی میں جمع ہو جائے تو انسان کامل وہی ہی اور ان اوصاف کے باوجود کامل لوگوں کے مرتبوں میں اسقدر تفاوت ہوتا ہے کہ ان کا شمار محال ہے ولایت کا ادنیٰ مرتبے سے حضرت خاتم النبیین کے مرتبے تک تفاوت کو سمجھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں سلوک کو سلوک کے اُسی مقررہ طریقہ میں منحصر نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اس کے بھی بہت سارے رستے ہیں۔ جن میں سے یہ بھی ایک مقبول رستہ ہے اور اس رستہ کا دارومدار ظاہر کتاب اور سنت کے ساتھ اس طریقہ والے اقوال اور افعال اور احوال کے مطابق ہوتا ہے دوسری تمہید راہ حق کے بڑے خلل انداز وہ صوفی شعار ملحد ہیں جو شریعت کی مخالفت سے نہیں ڈرتے بلکہ مخالفت کے التزام کو اپنا طریق سمجھتے ہیں۔ اور بُرے بُرے مبتدع شرک آمیز اشتغال سکھتے سکھاتے ہیں اور الحاد کا کلام لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ اُن کے افعال اور اقوال کے موافق اُن کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیئے جو قتل کرنے کے قابل ہو اُس میں قتل کیا جائے اور جو تعزیر اور تنبیہ کے لائق ہو اُس کو تعزیر اور تنبیہ کی جائے اور اکثر شریعت کے احکام اُن پر جاری نہ کر سکیں تو اُن سے سخت بیزار رہیں اور ہرگز اُن کی ملاقات نہ کریں اور اُن کے سامنے جانے کو بُرا جانیں اور اگر کبھی اُن میں سے کسی کی ہدائیت کا گمان ہو تو ایک دو بار ملاقات کریں پھر اگر اس کو ہدایت ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں نہیں تو اُس کے پاس جانے سے باز رہیں کیونکہ بری صحبت سے بچنا بھی اللہ جل شانہٗ کے طالب کے حق میں نہایت ضروری چیز ہے بیت سخت موعظتِ پیرِ صحبت ایں حرف است۔ کہ از مصاحبِ ناجنس احتراز کنید۔

پہلا اِفادہ۔ اللہ عزوجل اور اُس کے شعائر کے حق میں بے ادبانہ کلمات کا نکل جانا بھی صوفی شعار ملحدوں کی اُن بدعات میں سے ہے جو عوام اہل زمانہ میں پھیل گئے ہیں بلکہ بعض مقبول آدمی بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں پس حق طلب کو چاہیے کہ ایسے کلمات کے سننے سے پرہیز کرے اگرچہ ان کے کہنے والے کے حق میں نیک گمان بھی ہو۔ خود ہرگز نہ کہے کیونکہ بے ادبی کا ثمرہ نیک نہیں اور اگر کسی سے ہو بھی جائے تو پیروی کے لائق نہیں۔ بیت حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلس شاہ ؛ ہر کرا نیست ادب لائق صحبت نبود ؛ مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے ایک کوڑی سے خدا کو خریدا ہے (یعنی کسی وقت ایک کوڑی کا پانی مقبول ہو گیا اور اُس کے معرفت کے دروازے کے کھلنے کا باعث ہوا (پس) اُس نے اس مدعا کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہرچند مراد ٹھیک ہے۔ لیکن تعبیر بیجا ہے اگر یوں کہتا کہ میں ایک کوڑی دیکر اُس کے بندوں میں داخل ہوا تو بہتر ہوتا اسی طرح مؤدبانہ صحیح تعبیریں کرے اور بے ادبی سے بہت دُور رہے اور اپنے آپ کو غلاموں میں سے ایک غلام بلکہ بے پرواہ عالی جاہ بڑی عنایتوں والے نہایت مہربانیوں والے سخت گرفت والے جلدی بدلہ لینے والے بادشاہ کے کمترین بندوں سے جانے اور ہمیشہ ہر حرکت اور سکون میں ڈرتا اور کانپتا رہے اگرچہ عجیب حالتیں وارد ہو کر بے ادبانہ کلموں کے صادر ہونے کا تقاضا کریں۔ دوسرا اِفادہ۔ توحید وجودی الحادی کی گفتگو وجودیہ ملحدوں کی اُن بدعات سے ہے جو عام اور خاص لوگوں میں مشہور ہو کر طریقت کے بڑے پیشواؤں کے اقوال سے مشابہ ہو گئی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ اپنے اتحاد کے گمان پر نفسانی لذتیں حاصل کرتے ہیں اور شیطان اور خبیث نفسوں کے مکر اور فریب سے اس گفتگو کو معارف اور حقائق گمان کرتے ہیں اور ان اقوال کے نقصانوں سے چھوٹا نقصان یہ ہے کہ اپنے عزیز وقتوں کو محض بے فائدہ کام میں خرچ کرتے ہیں ہمارے پیشوا یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا امر نہیں فرمایا اور اس کو بیان بھی نہیں کیا پس ہم کو اس سے کیا فائدہ اگر نماز اور روزے کی طرح یہ کام ہمارے کارآمد ہوتا تو آپ ہمیں اس پر آگاہ فرماتے حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ آپ کی شان ہے پس اس سے خاموش رہنا ہمارے حق میں بہتر ہے اور ہماری کوئی غرض بھی اس سے متعلق نہیں۔ اور اگرچونکہ اس گفتگو کا رواج ہو چکا ہے۔ لوگ اس کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کے بارہ میں استفسار کرتے ہیں بس اتنا جاننا چاہیے کہ یہ مخلوقات عین خدا نہیں اگرچہ ان کا قیوم اُسی کی پاک ذات ہے پس اس کی تمثیل صفات سے کرنی چاہیے کہ جس طرح صفتیں نہ خدا کا عین اور نہ اس کا غیر بلکہ اُس کے ساتھ قائم ہیں اسی طرح باقی مخلوقات بھی نہ صفات کا عین ہیں نہ غیر بلکہ ان صفات کا مظہر ہیں پس صفات اگرچہ بذات خود مظاہر سے مستغنی ہیں حکمت الٰہیہ کے تقاضا سے باوجود استغنا کے مختلف مظاہر یعنی مخلوقات میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور طریقت کے بزرگوار دل

یہی معنی اس کا مراد لیا ہے جیسے اس وقت کے ملحدوں نے اُن کے مقصود کے برخلاف حمل کرکے تحریف اور اور دھوکا دہی کا رستہ اختیار کیا ہے۔ پس اس قدر جاننے سے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اپنے اوقات کو اس گفتگو میں صرف کرنا محض بے فائدہ ہے۔ بلکہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے کمالات سے محرومی کا باعث ہے۔ تیسرا افادہ۔ تقدیر کے مسئلہ میں قیل و قال اور بحث و جدال کرنا بھی صوفی شعار ملحدوں کی اُن بدعات سے ہے جو عام اہل اسلام میں مشہور ہوگئی ہیں جاننا چاہیے کہ ایمان بالقدر اسلام کے بڑے عقیدوں اور شریعت کے مؤکد واجبوں سے ہے اور چونکہ سرسری نظر میں تقدیر کا مسئلہ تکلیف کی بحث سے تعارض رکھتا ہے اسی واسطے شارع علیہ السلام نے اس باریک مسئلہ میں تعمق کرنے اور اس گہری بحث میں خوض کرنیسے سخت تاکید کیساتھ منع فرمایا ہے پس لاچار تمام اہل اسلام پر بھی واجب ہے کہ اسکے اجمالی ایمان پر اکتفا کریں اور اس گہرے موجزن دریا یعنی اس مسئلہ کی تفصیل اور توضیح میں نہ گھسیں لیکن ان دنوں میں تقدیر کے منکر الغیوں اور تکلیف کے منکر ملحدوں کے میل جول کیوجہ سے جھوٹے تشریع کو معارض سمجھا ہے اور تقدیر کے مسئلہ سے تمسک کرکے شرعی مسائل کے باطل کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں ناچار بحکم الضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ اس مسئلہ کی تحقیق میں کچھ اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے اور باوجود اس کے فقط اُس اجمالی ایمان کا اہتمام اس کتاب میں مقصود ہے اور غافل مومنوں کو گمراہ کرنے والے شیطان رافضیوں اور ملحدوں کی پیروی سے بچانے کے واسطے اس کی تفصیل کی گئی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ تمام بندوں کے افعال اور اقوال اور اُن کی حرکتیں اور سکون اور اُن کے علم اور ارادے اور اُن کی بھلی اور بُری صفتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں ہاں بعض بندوں میں بعض فعل اور بعض بندوں میں اور فعل جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان کے پیدا کرنے اور ابوجہل کے دل میں کفر پیدا کرنے کی تخصیص میں ایک خفی حکمت ہے کہ اُس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی بھی شرح تفصیل کے ساتھ اُس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ مگر اتنا معلوم ہے۔ کہ ازلی استعدادوں کی تفاوت کا لحاظ ہی وہ حکمت ہے اور راستی استعدادات ازلیہ کے اختلاف کے سمجھنے کے لئے یہ تمثیل ہے کہ ایک بڑا عظیم الشان درخت ہے جس میں ہزار قسم کی لکڑی موجود ہے بعض اُن میں سے جلانے کے قابل ہیں اور بعض ان میں سے پیالے بنانے کے لائق ہیں اور جو جلانے کے قابل ہیں ان میں بھی بے حد تفاوت ہے مثلاً بعض تو درخت کے کاٹنے کے وقت ایسے ہلکے ہلکے بیکار ٹکڑے رہیں گے جو آگ جلانے کے ابتدا میں کام آتے ہیں بلکہ پہلے پہل ان کے سوا آگ سلگتی ہی نہیں اور کچھ اُن میں سے ایسی سخت گرہیں رہینگی جو آگ کے شعلوں کے بہت تیز ہونے کے وقت ڈالی جانی چاہیں تاکہ اُس تیز آگ میں جل سکیں اور کچھ لکڑیاں ایسی نکلیں گی جو عمارت کے کام آتی ہیں کوئی ستون بنے گا اور کوئی شہتیر اور کسی کے تختے۔ پھر اُن میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ کچھ تختے تو خاص شاہی خلوت خانے کی چھت

کے لائق ہیں۔ اور کچھ تختے قیدیوں کے پاخانے میں قدم رکھنے کی جگہ کام آتے ہیں ایک تختی تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی حق پرست کامل کے ہاتھ سے کلام الٰہی کے حرفوں کے لکھنے کے لئے بنائی گئی ہے اور ایک تختی ایسی ہوتی ہے۔ کہ ناکارہ ہونے کی وجہ سے پامال ہوتی رہتی ہے اور اس طرح استعدادوں کے اختلاف کی مثالیں جو بے شمار ہیں نوع انسانی کے افراد میں سمجھ لینی چاہیئے اور اسی تمثیل کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی قدس اللہ سرہ نے عمدہ اور مختصر عبارت میں ادا فرمایا ہے اور وہ یہ ہے (آہ آہ ازیں تفاوت راہ۔ دو آہن پارہ ازیک جائیگاہ۔ یکے سم ستوراں و دیگر آئینہ شاہ یعنی یہ تفاوت مدارج حیرت و تعجب کا مقام ہے ایک ہی کان سے نکلے ہوئے لوہے کے دو ٹکڑے ہیں ایک چارپایوں کا نعل بنا اور دوسرا بادشاہ کا آئینہ اصل پیدائش میں صلاح اور فساد میں ساری استعدادوں کا برابر کرنا یا پیدا کرنے کے بعد ہر فاسد استعداد کا سنوارنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے نہایت ہی آسان امر اور سہل کام ہے۔ لیکن اصل پیدائشی صلاح اور فساد میں استعدادوں کی.. تفاوت اور بعض فاسد استعدادوں کی اصلاح اور بعض کو ازلی فساد پر ہی رکھنا حکمت (خداوندی) کا مقتضا ہے تاکہ کارخانہائے خداوندی (جن سے مراد جمیع صفات کمال کی جامعیت ہے) اور عظیم الشان کارخانے ظاہر ہوں اول عفو کا کارخانہ ہے اس لئے کہ اگر اصل پیدائش میں ساری استعدادیں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ محض اپنی مہربانی کے ساتھ کسی فاسد استعداد کی اصلاح نہ فرماتا تو عفو اور حلم ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اور دوسرا کارخانہ حکومت کا ہے جس سے فرمانبرداروں کو انعام دینا اور بے فرمانوں کو عذاب کرنا مراد ہے۔ پس اگر ساری استعدادیں اصل پیدائش کی رو سے صلاح اور فساد میں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ ساری فاسد استعدادوں کو سنوار دیتا تو البتہ حکومت کی صفت اپنی دونوں وجہوں تعذیب اور تنعیم پر ظاہر نہ ہوتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ بادشاہی کا کارخانہ جیلخانے اور قیدیوں اور جاگیروں اور جاگیرداروں کے سوا اپنے کمال پر نہیں ہو سکتا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمال اور اُس مطلق بے پروا کی کامل صفتیں بذات خود ظہور سے مستغنی اور مظاہر سے پاک ہیں اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ لیکن جس طرح ہر صاحب کمال کا کمال اپنے ظہور کو چاہتا ہے۔ اور اُن کمالات کا ظاہر ہونا اس کمال والے کو خوشی پہنچاتا ہے اگرچہ وہ صاحب کمال اپنے کمال میں اس کے آثار کے ظاہر ہونے سے بے پروا ہوتا ہے جیسے عمدہ لکھنے والا کاتب اگرچہ بالفعل نقش بنانا اُس کے کمالات کے شمار میں نہیں بلکہ اُس کا کمال تو وہی کتابت کا ملکہ ہے کہ وہ ہمیشہ اُس کے نفس میں موجود رہتا ہے لیکن کتابت کا ملکہ عمدہ نقشوں کے صادر ہونے کی اقتضا کرتا ہے اور وہ کاتب ان نقشوں کے صادر ہونے کے باعث نہایت ہی خوش ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہٗ کی ازلی صفتیں مظاہر سے

مستغنی ہونے کے باوجود ظاہر ہونے کا تقاضا کرتی ہیں اور حق جل و علا کو رنگا رنگ مظاہر کے پائے جانے اور طرح طرح کے آثار کے ظاہر ہونے سے اپنے کمالات پر نہایت خوشی ثابت ہوتی ہے اور اس تقریر سے وہ شبہ جو اکثر عوام کے دلوں میں گذرتا تھا رفع ہوگیا اُس کا بیان اس طرح ہے کہ اکثر عوام کو سرسری نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح دارین میں تمام بندوں کو برابر کیوں پیدا نہیں کیا تاکہ تمام آدمی معاش اور معاد کے امر میں نعمت اور خوشی میں گذارتے یا سارے فاسدہ استعدادوں کی اصلاح کیوں نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ اصلاح ان کے حق میں مہربانی اور بخشش ہے اور اللہ پاک کی قدرت اور بخشش بے انتہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ساری کمال کی صفتوں کا جامع کہ بادشاہت بھی اُن میں سے ایک صفت ہے اور بادشاہت کی ایک شاخ بڑا وسیع کارخانہ ہے جو بے فرمانوں اور منکروں کو سزا اور عذاب دینے پر مشتمل ہے پس اگر یہ شاخ ظاہر نہ ہوتی تو بے شک مملکت کا امر اپنے کمال کو نہ پہنچتا بیت درکارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است۔ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اس جگہ ایک جواب طلب سوال باقی ہے جس کا بیان یوں ہے کہ جب افعال اور اقوال کا مدار ازلی استعدادوں پر ہے اور ازلی استعدادیں آدمیوں کی طاقت سے باہر ہیں پس سرکش کافروں اور ضدی بے فرمانوں پر الزام اور سزا کا طریقہ بند ہو جاتا ہے (کیونکہ حقیقت میں وہ لوگ مجبور اور بے اختیار ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے دو طرح کی مخلوقات پیدا کی ہے ایک قسم تو وہ کہ اس میں علم اور ارادہ پیدا نہیں کیا جیسے درخت اور پتھر اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس میں یہ دونوں صفتیں امانت رکھی ہیں جیسے جن اور آدمی۔ پس جن میں علم رکھا گیا ہے چونکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور اعضا اور جوارح اور اقوال اور افعال کو معلوم کرتے ہیں تو البتہ ان مذکورہ امروں کو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ اور پاؤں ہمارے ہیں اور یہ قول اور فعل ہم سے صادر ہوا ہے پس جو فعل اُن کے ارادے کے ذریعے سے صادر ہوتے ہیں گو اُن کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے البتہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل ہمارے ارادے سے صادر ہوئے ہیں اور چونکہ باقی احکام شرعیہ کی مانند مذکورہ فعلوں کی نسبت انسان کی طرف قرآن مجید سے صراحۃً ثابت ہے پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جس طرح باقی احکام قرآن کریم سے سمجھ کر انہوں نے قبول کئے ہیں۔ اس حکم کو بھی قبول کریں۔ اور اپنے بد کاموں کو اپنی طرف نسبت کریں اور اسی بات کا جان لینا کہ یہ کام ہمارے ارادے سے صادر ہوا ہے سزا اور تنبیہ کے متوجہ ہونے کے لئے کافی ہے لیکن یہ بات کہ آدمی کو علم کیوں دیا گیا یا ارادے کی صفت کیوں پیدا کی گئی یا اس کے ارادے کو ان افعال اور اقوال کی طرف کیوں متوجہ کیا گیا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام ازلی استعدادوں کے آثار

کے ظاہر ہونے کے قبیل سے ہیں اور ازلی استعدادوں کی تفاوت کا سبب آغاز کلام میں ذکر کیا گیا ہے۔
اور اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب ثابت ہوگیا کہ بیت ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ میل
اور ادروش انداختند۔ پس پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور دلیلوں کے قائم کرنے اور
دعوت کے ظاہر کرنے اور پڑھنے پڑھانے میں کوشش کرنے اور جہاد اور حدود کے مشروع ہونے میں
کیا حکمت ہے پس میں جواب دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام مخلوقات بلاواسطہ عز وجل کے پیدا کی ہوئی ہے لیکن
اُس حکیم مطلق نے اپنی غالب حکمت کے تقاضے سے بعض چیزوں کو بعض موجودات کے ساتھ گانٹھ دیا
ہے اور مسببات اور اسباب کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے جیسے آفتاب کا جسم اور اس کی روشنی اگرچہ دونوں
بلاواسطہ بلاحجاب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ہیں لیکن روشنی اور آفتاب کے جسم میں اُس خداوند کریم نے
ایک خاص ربط پیدا کر دیا ہے کہ اسی ربط اور پیوند کی وجہ سے آفتاب کو سبب اور روشنی کو مسبب کہتے
ہیں پس یہی قیاس کرنا چاہیئے کہ اگرچہ جتنے فعل اور قول جو ارادے والی چیزوں سے صادر ہوتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں لیکن اُن فعلوں اور ارادوں میں سببیت اور مسببیت کا جوڑا اُسی مطلق
حکیم نے اپنی حکمت کے مقتضا سے واقع کر دیا ہے اور اسی طرح صاحب ارادہ چیزوں کے ارادہ کے درمیان
اور پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور انہی جیسے مذکورۃ الصدر امور کے درمیان سببیت کا
علاقہ مضبوط کر دیا ہے مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فرمانبردار لوگوں کے دلوں میں اُن کاموں کا ارادہ جنکی بجاآوری
کا حکم کیا گیا ہے۔ ہدایت کرنے والوں کی ہدایت اور سکھانیوالوں کی تعلیم سے پیدا ہوا ہے یا بت پرستی یا زنا
کرنے اور شراب پینے کا ارادہ جہاد کرنے اور حد لگانے کے خوف سے نابود ہوگیا ہے اور یہ بھی جاننا چاہیئے
کہ تمام افعال اور اقوال اگرچہ ازلی استعدادوں کے آثار ہیں لیکن صرف پوشیدہ استعداد پر سزا نہیں دی
جاسکتی اسواسطے کہ استعداد الزام کے قابل نہیں۔ بدآدمی اپنی بدی سے انکار کرسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا
ہے کہ وہ نیک کو اپنے برابر جانے اور اپنی سزا اور نیک کام کے ثواب کو ظلم اور بیداد سمجھنے لگے نیز عدل
اور حکمت اور مروت کے ساتھ متصف بادشاہوں کی عادت یہی ہے کہ اپنے علم کی وجہ سے خواہ وہ یقینی
ہی ہو کبھی انعام اور سزا نہیں دیتے اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک حاکم اپنے رفیق کو جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ
بڑا بہادر ہے اور کسی میدان جنگ میں قصور نہ کریگا اور کوشش اور جوانمردی کی داد دیگا۔ لیکن میدان
جنگ میں کسی نمایاں امر کے ظاہر ہونے کے بغیر اُس کو ایسا انعام نہ دیگا جس سے اس کو دوسرے لوگوں
پر فوقیت حاصل ہو اور اس کی ضد کی مثال میں اتنا ہی کافی ہے کہ ایک شخص بھیڑیئے کے بچے کو پالتا ہے
اور یقیناً جانتا ہے کہ انسان پر حملہ کرنا اور اُسے پھاڑ ڈالنا اس کی طبعی عادت مگر اُس کے اثر کے ظاہر ہونے

کے سوا اُس شخص کا غضب جوش نہ مار یگا اور وہ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کریگا اور جونہی کسی انسان پر اُس نے حملہ کیا اسقدر غصے ہو گا۔ کہ قتل کے سوا اور کوئی سزا اُس کے واسطے تجویز نہ کریگا اور اُس کے مار ڈالنے کے بغیر اُس کی تسلی نہ ہو گی اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کے کارخانے کو ایک گونہ انہی تمثیلات میں سے سمجھنا چاہیئے اگرچہ اُس علام الغیوب کو ذرہ ذرہ ازلی استعداد بں معلوم ہیں لیکن گناہ کے بغیر اُس کا غضب انتقام کا باعث نہیں ہوتا اور ایسا ہی عبادات کے ظاہر ہونے کے سوا اُسکی رحمت کا دریا خوش زن نہیں ہوتا **بیت** تانہ گرید کودکے حلوافروش ؛ بحر بخشایش نمے آید بجوش ؛ **چوتھا افادہ** مرشد کی تعظیم میں اسقدر افراط کرنا کہ جس سے اُس کے خدا یا نبی ہونے کا اعتقاد ظاہر ہو صوفی شعار مشرکوں کی اُن بدعات میں سے ہے جو عموماً تمام اہل زمان میں اور خصوصاً ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول لوگ بھی اس میں پھنس گئے ہیں پس ضروری کہ اس امر کی حد اعتدال کو سمجھ لینا چاہیئے اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ بیشک مرشد اللہ تعالیٰ کے رستے کا وسیلہ ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (یعنی اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف (پہنچنے کے لئے) وسیلہ ڈھونڈو اور اس کے رستے میں جہاد کرو کہ شاید تم نجات پالو۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ پس حقیقی نجات کے لئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے اسی واسطے راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر اور کمیاب ہے پس مرشد اُس شخص کو بنانا چاہیئے جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو اور متابعت قرآن اور حدیث کے سیدھے راستے پر ثابت قدم ہو ایسے شخص کو اپنا ہادی اور مرشد مقرر کرے لیکن ایسا نہ چاہیئے کہ مرید ہر حال میں اس کے اتباع کو منظور رکھے بلکہ مطلق پیشوا شروع شریف کو جانے اور بالاصالہ خدا اور رسول کے حکم کا متبع ہو۔ اور جو چیز شرع شریف کے رو سے مرشد فرمائے اُسے دل اور جان کے ساتھ قبول کرے اور شریعت کے مباح امر کو اُس کے حکم کی وجہ سے لازم جانے اور جو کچھ شریعت کے برخلاف کہے اُس کی متابعت ہرگز نہ کرے بلکہ اس کو رد کرے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیئے اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیئے کہ اپنی مال اور جان کو اُس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ دے۔ اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضامندی

سے زیادہ عزیز نہ جانے اس لئے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اُس کو فائدہ تمام دنیا سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اس حد تک پیر کی محبت منع ہے کہ اللہ عزوجل اور اُس کے رسول کی نافرمانی کو اُس کی محبت کے پہلو میں گوارا کرلے۔ کیونکہ یہ بات اللہ جل شانہٗ کے دربار سے دور ہونے کا باعث ہے تمام محبتوں اور حقوق کی اصل اللہ تعالیٰ کی محبت اور حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے حق کے سامنے کسی اور محبت اور حق کو خیال میں لانا اس جل شانہ سے محجوب اور اُس کی عنایتوں سے محروم ہونا ہے۔ اور اگر پیر کے ساتھ بیعت کرلے کے بعد کسی طالب حق کو اُس پیر میں کوئی منکر کام معلوم ہوجائے۔ پس اُس کو نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس کے واسطے دعا کرے اور اگر وہ باز نہ آئے اور اُس کام کو نہ چھوڑے تو اگر وہ کام فساد عقیدہ کی قسم سے ہے تو اس سے بیعت کو توڑ دے اور اس کو اپنا پیر اور مرشد نہ جانے اور اگر وہ کام فساد عقیدہ سے نہ ہو تو بیعت نہ توڑے لیکن اُس کو بلا میں مبتلا جان کر اُس کام میں اُس کی پیروی کرنا حرام جانکر اس بلا سے اس کی نجات میں ظاہری اور باطنی کوشش بجالائے **پانچواں اِفادہ** اہل اللہ کی قبروں پرنا جائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات سے ہے جو اس ملک کے لوگوں کی نظر میں نیک کام کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ بدعتیں بے شمار ہیں لیکن دو تین قبیح امر مثال کے طور پر اس مقام میں ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ دوسرے قبیح کاموں کو بھی انہیں امور مذکورہ پر قیاس کرسکیں دور دور کے ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر اور رات دن کی تکلیفیں اور دُکھ جھیل کر اولیاء اللہ کے قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انہی بدعات میں سے ہے اور ان سفروں میں اگرچہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور یہ سفر اُن کو شرک کے ظلمات اور اللہ تعالیٰ کی غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں تاہم عوام اس سفر کو سفر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتے ہیں اور شکل احرام اور محرمین کی صورت سُن کر بعینہٖ اس طرح یا اُن کی مشابہ احرام باندھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ بدانجام مسافر اس سفر میں اور اُن کے متعلقین گھروں میں اپنی طرف سے کئی ایک واہیات قیدوں کا التزام کرتے ہیں۔ القصہ اگرچہ صاف باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے۔ مگر عام مؤمنوں کو اس سے اسقدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ بیان سے باہر ہے پس سب خواص اور عوام کو چاہیئے کہ ضرور اس امر سے اعراض کریں اسکو بھلادیں اور منجملہ ان بدعات کے اہل قبور سے مدد مانگنا اور استعانت کرنا ہے کہ اُن کو مطلق حاجت روا جان کر طلب اور آرزو میں شرک کی داد دیتے ہیں اور ان لوگوں کا توحید کے سیدھے راستے سے دور ہوجانا تو ظاہر ہے لیکن اس جگہ اہل دلوں میں سے اُن خاص لوگوں کا حال بیان کرنا منظور ہے جو باطنی فیض کے حاصل کرنے کے ارادے پر دور کی قبروں کی زیارت

کرنے جاتے ہیں پس جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اولیا اور مقبولوں کے لئے موت ایک ایسا پُل ہے کہ اُن کو اپنے دوست تک پہنچا دیتا ہے اور اُن کو ایسے انعام اور معارف عطا ہوتے ہیں کہ اس جہان میں زندوں کو بہت کم ملا کرتے ہیں اس بناء پر اُن کو زندہ کہنا چاہیئے لیکن اس جہان کے حکموں کی طرف نسبت کرنے سے بیشک وہ مردہ ہیں جو قدرت اور طاقت اس جہان کے زندوں کو حاصل ہے اُن کو ہرگز نہیں۔ اور اگر فی الواقع ایسی قدرت اور طاقت ثابت اور قبروں کی مجاورت سے مقصود حاصل ہو جاتا تو سارا جہان مدینہ منورہ کو چلا جاتا اور تربیت اور ارشاد کا سلسلہ بالکل لغو اور بے فائدہ ہو جاتا۔ پس واضح ہو گیا کہ لوگوں کی تربیت اور ارشاد میں عادت اللہ اسی طرز پر جاری ہے کہ فیوض باطنی زندوں سے حاصل کئے جائیں اور اگر کسی وقت کسی شخص کو ایسا زندہ نہ ملے جس سے مشکل کے حل ہو جانے کا گمان ہو تو اسے دور کے ملکوں سے قبروں کی زیارت کے واسطے سفر نہ کرنا چاہیئے بلکہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑے کیونکہ یہ دونوں چیزیں حل مشکلات کے لئے کلید ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وَ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ (یعنی میں تمہارے پاس قرآن اور اپنی اولاد دو بزرگ چیزیں چھوڑ چلا ہوں میرے پیچھے جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور دوسری روایت میں اس طرح پر آیا ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّتِیْ میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

پس اس زمانہ میں آپ کی پاک آل میں سے مقبول آدمی کا پہچاننا اگرچہ دشوار امر ہے، کیونکہ آپ کی پاک آل میں سے اس حدیث شریف کا مصداق وہی شخص ہو گا کہ اس کے تمام اقوال اور افعال اور احوال قرآن مجید اور حدیث شریف کے موافق ہوں اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایسے بزرگوں کا پایا جانا اکسیر اعظم اور کبریت احمر کی مانند نادر اور کمیاب ہے۔ لیکن قرآن مجید جو نجات کے لئے بہتر ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسر ہے پس اسی کا اتباع بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ ولایت سمجھے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی اس لئے کہ قرآن و حدیث کی پوری متابعت ہی ولایت ہے اور اگر اُن کو قوت اور طاقت ہو بھی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے غیر ہیں شیطان کی دھوکا دہی کا مقام ہے اور چونکہ ارواح کے آثار کا ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان اُن کی آواز یا صورت کی نقل کر کے خلاف شرع کام کا حکم کرے اور یہ بے خبر بیچارہ نہایت اعتقاد اور حد سے زیادہ نیاز کی وجہ سے دل و جان کے ساتھ قبول کر کے جو کچھ قرآن اور حدیث میں متواتر طور پر ثابت ہوا ہے اُس سے چشم پوشی کر کے ہلاکت

کے گڑھے میں گر پڑے اور صورت یا آواز کی نقل تو صورت یا آواز کے پہچاننے والے کے لئے کرنی پڑتی ہے اور جو شخص پہچانتا ہی نہ ہو تو اُسے سیدھے راستے سے پھسلانے کے واسطے مراقبات میں حالت بدلنے اور توجہ اور کیفیتوں کے وقت صرف آواز یا دل میں القا ہی کافی ہے اور بعض نادان اکثر اوقات کہا کرتے ہیں کہ نوکری یا تجارت کے طور پر معاش کی تلاش میں دور کے سفر کرنے تو جائز ہیں پس دینی مطلب کے حاصل ہونے کے گمان پر ایسے سفر کیوں بُرے ہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طریق دینی مطلب کے حاصل ہونے کا راستہ نہیں ہے بلکہ یہ راستہ ڈاکوؤں اور چوروں کی دست اندازی سے ایمان کے مایہ کے برباد ہونے اور کسب سعادت کے اصل سرمایہ کے ضائع ہو جانے کا مقام ہے۔ اور قبروں پر چراغوں کا روشن کرنا بھی جسے روشنی کہتے ہیں انہیں بدعات میں سے ہے یہ کام بیشک حرام ہے اور صحیح حدیث میں اس کام پر صریح لعنت وارد ہوئی ہے اور یہی لوگ ہیں جو معاذ اللہ اس کو لیلۃ القدر اور شب برات کے انوار کے ظہور کی وقت کی طرح قبولیت کی ساعت جان کر اس وقت میں دعا کرنے کے منتظر رہتے ہیں اور چراغوں کے روشن ہو جانے کے ساتھ ہی دعا کرنے کو ضروری مقصودوں سے جانتے ہیں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ چور اور زانی کا ایمان چوری اور زنا کرنے کے وقت جدا ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ تر دعا کرنے کی وقت ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جاتا ہے بلکہ اگر جہالت اور نادانی کا عذر نہ ہوتا تو صاف کافر ہو جاتے ہیں اور جو شخص جاہل نہیں وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے کیونکہ شرعی حرام کو اس نے عمدہ عبادات سمجھا حالانکہ صرف حرام کو حلال جاننا کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ اس کو عبادت جانے **چھٹا افادہ** اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا اس طور پر ادا کرنا کہ شرک خفی اور اسراف اور کئی طرح کی بدعتیں اس میں پیدا ہو جائیں صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو اہل اسلام کے خاص و عام میں بلکہ اکثروں میں نہایت درجہ کی مشہور ہو چکی ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ بہت عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے لیکن جب عوام نے اپنے ظنون اور وہموں کو اس میں دخل دیا اور اُن کی اولاد اپنے سلف کے تابع ہوگئی اور ان امور کی تجدید اور تحدید کی۔ اور ہر کہ آمد براں مزید کرد والے قاعدے کو دستور العمل ٹھیرا دیا تو وہ پسندیدہ اصل تو پوشیدہ ہوگیا۔ اور وہ خبیث اور ناپاک فروع جو لوگوں کے تراش خراش سے پیدا ہوئی تھیں ظاہر اور رائج ہوگئیں اور وہ فروع اپنی خباثت میں متفاوت ہیں اور ان سب سے ادنیٰ رسم اور عادت کی تقلید اور یہاں تک اس امر کا التزام کرنا ہے کہ اُس کا چھوڑنا محال ہو چکا ہے اور ان امور میں جو چیز لازم نہیں اس کو لازم جاننا شیطانی چھیڑ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے بعید ہے نماز کے بعد داہنے طرف سے پھرنے کا التزام منع ہونا اس بیان کا گواہ ہے۔ اس لئے کہ جب اس قدر سہل کام کا التزام کہ نماز سے فارغ ہو کر داہنی ہی طرف سے پھرنا چاہیے

شیطان کا حصہ ہو گیا تو دوسرے عمدہ کاموں اور اُن کے التزام کی تبیر نصیب شیطان سے بُری کرنی چاہیے اور ان سب سے اعلیٰ شرک ہے جو کہ مثلاً حضرت سید احمد کبیر قدس اللہ سرہ کی گائے کے ذبح کرنے کے وقت ان دلوں اس ملک کے عوام سے دیکھی جاتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب بینک دو سبیل سے مردوں کو پہنچتا ہے **پہلی سبیل** جو کہ عمدہ اور بہتر ہے یہ ہے کہ مردے اور زندے کے درمیان ایسا علاقہ ہو کہ اس علاقے کی وجہ سے زندے کی عبادت میں میت کا دخل ثابت ہو مثلاً باپ بیٹا ہونے کا علاقہ خواہ یہ ابوت اور نبوت ولادت کی وجہ سے ہو یا تعلیم اور ارشاد کی وجہ سے جو شخص کہ عبادت کرتا ہے اُس کے ہر قسم کے آبار کو جس قدر کہ انہوں نے اس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں کوشش کی ہے ثواب پہنچتا ہے۔ پس مسلمان آدمی نیک کام میں جسقدر کوشش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خالص نیت کرتا ہے اللہ جل شانہٗ کا حق "جو کہ سب حقوں سے بڑھکر ہے" اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق اور سارے استادوں اور مرشدوں اور گذرے ہوئے مومن باپ دادوں اور گذری ہوئی مومن ماؤں کا حق اس کے ذمے سے ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بندگی کے انہی نیک عملوں سے محض اُس کے فضل اور انعام کے باعث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور تبیعت اور باقی اہل حقوق کے ساتھ رشد اور سعادت مندی روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ایک ایسا دقیقہ ہے جو احکام شریعت کے واقفوں پر ظاہر ہے اور اُن کے ناواقفوں سے پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے اور اسی واسطے جو کہ رواجی طور پر فاتحہ اور ایصال ثواب نہ کرے بے خبر لوگ اس کو نالائق اور اہل حقوق کے حق کا منکر جانتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اگر فاتحہ اور ایصال ثواب کی ان رائج رسموں کے چھوڑنے سے آدمی ناخلف اور اہل حقوق کے حق کا منکر بن جاتا تو لازم آتا کہ اہل بیت عظام اور صحابہ کرام اور مومنوں اور صالحوں اور عالموں کے وہ طبقے جو ان رسوم کی شہرت سے پہلے گذر چکے ہیں معاذ اللہ اپنے اسلاف کی بہ نسبت ناخلف ہوں بلکہ امام الانبیاء خلیل خالق الارض والسماء حضرت ابراہیم کی بہ نسبت حضرت افضل المرسلین محبوب رب العالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان میں یہی حرف دل میں کھٹکتا ہے معاذ اللہ من ذالک ثم معاذ اللہ من ذلک پس اس بیان سے واضح ہو گیا کہ فاتحہ خوانی کی یہ رسمیں دین متین کے لوازم اور ارکان سے زائد ہیں اور ایمان کا کمال ان پر موقوف نہیں اور اگرچہ یہ معنی اجمالی طور پر سب لوگوں کے مرکوز خاطر ہے لیکن بہت دفعہ اتفاق پڑتا ہے کہ کسی کامل نیکو کار سے اس رسم کے ترک ہو جاتے سے عادت کے پردے کی کثافت کے باعث وہ اجمالی اذعان مستعد ہو کر اُس کامل صالح کے حق میں بدظنی کا سبب بن جائے۔ اس واسطے اس حقیقت کو مفصلاً دل میں جانشین کر کے ان رسموں کے تارک کو سلف صالح کے ساتھ مشابہ اعتقاد

کرنا چاہئیے۔ **دوسری سبیل** یہ ہے کہ زندہ ایسا کام کرے کہ مردے کو نفع پہنچانا اُس سے مقصود ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث میں زیادہ ظاہر اور مشہور طریقہ دعا ہی ہے اُس میں سے ایک صورت یعنی نماز جنازہ تو واجب ہے اور اس کی دوسری صورتیں یعنی پانچوں نمازوں کے اوقات اور انکے سوا اور وقتوں میں عام یا خاص طور پر دور یا نزدیک سے اس کا وقوع ہو تو بے شک یہ مسنون اور مستحب ہے اور حدیثوں میں مشہور ہے اور ان حدیثوں کا بیان کرنا تطویل کا باعث جان کر اُن کو معلوم کرنا کتب حدیث کی کتابوں کے حوالہ کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی ایک کارآمد دقیقہ سُن لینا چاہئیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اتباع کے کئی مرتبے ہیں اور اُن میں افراط[1] تفریط ہو جایا کرتی ہے اگرچہ اس افراط و تفریط میں کچھ قباحت نہیں لیکن ان دونوں سے اعتدال بہر حال افضل ہے پس اگر اموات کے حق میں قبروں کے روبرو یا اُن سے غیبت کے وقت میں جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں .... اگر اُسی طرح کیجائیں تو وہ دوسرے طریقوں سے بہتر ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم شب برات میں کسی کو اطلاع دینے اور جتلانے کے بغیر بقیع میں تشریف لے جاتے اور دعا کرتے اور صحابہ میں سے کسی کو امر نہ فرماتے کہ اس رات قبروں پر جاکر دعا کرنی چاہئیے چہ جائیکہ آپ نے تاکید کی ہو پس اگر اب کوئی شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کے واسطے شب برات کو صلحا کا مجمع کر کے کسی مقبرہ میں بہت ساری دعائیں کرے تو آنجناب کی مخالفت کے باعث اُسے ملامت نہیں کر سکتے لیکن اسقدر سمجھنا چاہئیے کہ یہ امر ہوتے ہوتے رسم بنجائیگا اور اُس وقت میں حقیقت کار باقی نہ رہے گی اور اس بیان کے لئے واضح کرنے والی مثال یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں اور اگر تداعی سے ہو تو مکروہ ہے لیکن دعا کے سوا اور صورتیں پس اُن میں سے ایک تو کنواں کھود نا مروی ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری.. والدہ اچانک فوت ہوگئی ہے اور بول نہیں سکی اگر بول سکتی تو کچھ وصیت کرتی۔ پس اب اگر میں اُس کے واسطے کچھ کروں تو اس کو نفع پہنچے گا آپ نے جواب دیا کہ کنواں کھودو اور کہو یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے دوم جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جاکر سورۂ یٰسین کا پڑھنا وارد ہوا ہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اُن کی وفات کے بعد غلام آزاد کئے اور باقی عبادتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئیے پس جو عبادت کہ مسلمان سے ادا ہو اُس کا ثواب کسی فوت شدہ کے روح کو پہنچائے اور جناب الٰہی میں دعا کرنا اس کے پہنچانے کا طریق ہی

[1] افراط زیادتی تفریط کمی

اور یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے اور وہ شخص کہ جس کے روح کو ثواب پہنچا رہا ہے اگر اُس کے حقدار دں میں سے ہے اس کے حق کے برابر ثواب پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں اور وقتوں اور طعام کی قسموں اور اُس کی وضعوں اور کھانیوالوں کی تعیین قباحت سے خالی نہیں ہاں بفحوائی ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ[1] قباحت کے مرتبوں میں تفاوت بہت ہے صرف تعیین ہی التزام مالایلزم کی قسم سے ہے جسکا حال شرح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور وقت کی تعیین کی وجہ سے بہت سے خلل کیا دینی کیا دنیوی پیش آتے ہیں اور خالص نیت باقی نہیں رہتی بلکہ اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی صرف دنیاوی نام و ناموس یا لوگوں کے طعن و تشنیع کے دفع کرنے کے لئے یا ہم چشموں کے سامنے خفت اور عار کے لاحق ہونے کے ڈر سے یہ کام کیا جاتا ہے اور اس سے وہ نام نہاد مدعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ عمل صالح سے خالی ہیں تو اپنے اسلاف کا حق ادا کرنے کے لحاظ سے اُن لوگوں کا حال اور ان رسموں کے چھوڑنے والے صالح کامل کا حال اس زمانہ میں دہلی اور بخارا کی سلطنت کے مشابہ ہے کہ دہلی سلطنت تو محض ایک رسم ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں اور سلطنت کا معنی اس میں ہرگز باقی نہیں رہا۔ اور رسموں کا وجود تو سراب سے بھی بہت کم ہے اور بخارا کی سلطنت سچ مچ کی سلطنت ہے کہ رسوم سے آلودہ نہیں ہوئی اس مثال اور ممثل لہ کے فرق کو شریعت اور عقل کے ترازو سے تول کر اور ان رسموں کے ارتکاب کے وقت میں اپنے دل میں واردات کی بحث کر کے امر حق ڈھونڈ کر رسموں کے التزام سے تائب ہونا چاہیے رَزَقَنَا اللّٰهُ التَّوْبَةَ وَجَمِيعَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ كُلِّ الْمَكْرُوهَاتِ[2] اور جو آداب کہ طعام فاتحہ کے حاضر ہونے کے وقت بجالاتے ہیں۔ یہ بھی اپنے فاسد خیالوں کا اتباع ہے کیونکہ اس طعام کی وجہ سے فاتحہ صاحب فاتحہ کے قائم مقام تو نہیں ہوا۔ پس وہ آداب کیوں کرنے چاہئیں کہ صاحب فاتحہ کی بہ نسبت بھی اُن کے جائز ہونے میں گفتگو تھی۔ اور وہ طعام اُن کے ملک بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر ان کے ملک ہوتا تو فاتحہ کرنے والے اُس میں اپنا دخل کیوں کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق کیوں کھاتے کھلاتے بلکہ وہ طعام صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز سادات کو دیتے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز اُن کی اولاد کے حوالہ کرتے وعلیٰ ہذا القیاس اور اگر وہ آداب اس گمان پر کرتے ہیں کہ صاحب فاتحہ کی روح اس طعام میں گھس گئی ہے یا اُس طعام کو اُس نے ہاتھ لگا دیا ہے یا اُس نے اس طعام سے کھا لیا ہے اور یہ اُن کا پس خوردہ بن گیا ہے۔ پس یہ

[1] بعض اندھیرے بعض اوپر ہیں یعنی کوئی زیادہ ہے کوئی کم [2] اللہ تعالیٰ ہمکو اور تمام مومنوں کو سب ناپسندیدہ کاموں سے توبہ نصیب کرے ؛

ساری باتیں اُن کے فاسد گمان ہیں۔ ان پر ہرگز اُن کا یقین نہیں۔ اور اگر بالفرض والتقدیر ان میں سے کوئی چیز معلوم بھی ہو تاہم آداب طعام میں جو حد چاہئیے اُس سے اس طعام نے تجاوز نہیں کیا۔ پس اس طعام کے آداب کا حاصل ہندو کافروں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اکثر اوقات دانوں اور غلوں اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں اور کھانے والوں کے لئے قید لگانی یعنی ایک کو کھانے سے منع کرنے اور دوسرے کو اس کی اجازت دینے سے تحلیل حرام اور تحریم حلال پیدا ہوتی ہے اور اہل جاہلیت کا اتباع لازم آتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذمت کے مقام میں اسی قسم کے قول اُن سے نقل فرمائے ہیں (اول) وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ بِزَعْمِهِمْ یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ چار پائے اور کھیتی ممنوع ہے کوئی شخص اس سے نہ کھائے مگر وہ کہ ہم چاہیں اپنے گمانوں سے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان چوپائے کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ انکو ان کے بیان کا بدلہ دیگا بیشک وہ صاحب حکمت اور صاحب علم ہے اور حجر کے معنی اچھی طرح سمجھ کر جاننا چاہئیے کہ لفظ اچھوتا ہے اس ملک اور اس وقت کے لوگوں کی یہی مراد ہے۔ ہر بھوکا اور محتاج طعام کا مصرف ہے خواہ پرہیزگار ہو غیر پرہیزگار سے بہتر ہے پس صحنک اور توشہ جو پہلے لوگوں کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ اور ردی فکروں کے ملجانے سے انہوں نے دور از حق حقیقت پیدا کر لی ہے اور زمانہ حال کے بزرگ اور اکابر تربیت اور ارشاد کے وقتوں میں ان امور کی قباحت بالاجمال تو بیان فرماتے ہیں اور ان رسموں کے عین مقابلہ کے وقت میں تخصیص کے ساتھ ظاہر اُن کے بُرا کہنے کو غیر مفید جان کر خاموش ہو جاتے ہیں اُن کے خاموش رہنے سے دھوکا نہ کھا کر اُن کے مٹانے میں کوشش کرنی چاہئیے۔ کیونکہ یہ قید میں ہوتے ہوتے بڑی خرابیوں کا باعث بن گئی ہیں اور جہلا کے خیال میں یہ قیدیں شرعی قیدوں سے ضروری ہو چکی ہیں اس لئے کہ وہ اُن کے التزام کو اسلام اور ایمان کا جزو گمان.. کرتے ہیں۔ اور ان کے تارک اور ان کی جڑ کو اکھاڑنے میں کوشش کرنیوالے کو ایمان سے خارج جانتے ہیں۔ جب رسموں کا التزام اس حد تک پہنچ جائے تو بالکل مطلوب اور مقصود کے برخلاف ہو کر واجب الترک ہو جاتی ہیں اور حدیث شریف میں جو تاکید سنتوں کو فرض کے جُدا کرنے کے بارے میں کی جاتی ہے یاد کر کے اُس کو عمل میں لانا چاہئیے نذر اور نیاز کی رسم اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ طعام وغیرہ کی نذر سے گزر کر جانوروں کی جانوں کو نیاز کرتے ہیں۔ اور ان کے ذبح کرنے میں غیر خدا جل شانہ کی خوشنودی کا ارادہ کر کے حدیث

شریف لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ[1] کے مطابق ملعون ہوتے ہیں اور بقول اکثر علمائے لعنت کفر کی وجہ سے ہے
پس کفر کے کام کو عبادت جاننا کس درجہ کی خرابی ہوگی اور اصل میں بات تو یوں ہے کہ جو لوگ نذر اور نیاز میں
نافرمانیوں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں اُن کو ثواب پہنچانا منظور نہیں بلکہ وہ تو شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام
بزرگوں کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی اُن کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے
کہ جو لوگ توشوں اور نیازوں میں بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے خدا تعالےٰ
کے لئے بھی کبھی کوئی چیز دی ہے تو کہیگا نہیں غرض کہ بعض تو خدا تعالیٰ اور بزرگوں کو تقرب اور رضاجوئی کے
مرتبہ میں مساوی جانتے ہیں اور انہی بعض لوگوں کے حال کا یہ بیان ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو
غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنا کر اللہ کی طرح اُن سے پیار کرتے ہیں اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ہی بڑھ کر محبت
رکھتے ہیں اور بعض تو ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ان کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھ کر
اللہ جل شانہٗ کے دربار میں دعا کرنے سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ پس اس وقت میں حق اور ثواب کے
طالب اور خدا اور رسول کی مرضیات کے متبع کے لئے یہی چارہ ہے کہ جس شخص کے روح کو ثواب پہنچانا
منظور ہو تو طعام اور اُس کے کھانے والوں کی وضع اور جنس کی تقلید چھوڑ کر جو چیز کہ اُس وقت کے فقیروں اور
محتاجوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور اگر دعا بھی کرے تو بہتر ہے اور
ساری قیدوں اور رسموں کو یک لخت دور کردے **دوسری ہدایت** اُن بدعتوں کے بیان میں جو رافضیوں
کے میل جول کی وجہ سے عام لوگوں میں مشہور ہوگئی ہیں اور اس میں تین افادے ہیں **پہلا افادہ** حضرت
علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر تفضیل دینا رافضیوں کی اُن بدعات میں سے ہے جو عام اہل سنت کے
دلوں میں داخل ہوگئی ہیں۔ پس سنت کے متبع اور بدعت سے متنفر حق کے طالب کو چاہیئے کہ اپنے دل سے اعتقاد
کرلے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے بعد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بڑے یار رضی اللہ
عنہم اجمعین تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق اُن کے آپس میں ایک دوسرے
پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ مسلمان آدمی کو چاہیئے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد
رکھے۔ اور وجوہ تفضیل کو نہ ڈھونڈے۔ کیونکہ وجوہ تفضیل کا ڈھونڈنا دین کے واجبوں بلکہ مستحبوں سے بھی نہیں
خاص کر عام مسلمانوں کے لئے تو اس تلاش کے پیچھے پڑنا محض بے عقلی اور نادانی ہے۔ لیکن اس زمانہ کے
خاص و عام میں اس جھگڑے کے مشہور ہو جانے اور اس عقیدہ میں اہل زمانہ کی افراط و تفریط کے باعث لکھا
جاتا ہے۔ کہ خلافت سے قطع نظر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دربار خداوندی میں بے حساب عزت اور نہایت

[1] یہ شخص غیر اللہ کے لئے کسی جانور کو ذبح کرے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

لطیف قرب ہے اور خلافت میں سبقت اس کے علاوہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب نہیں ہے کہ حضرت مرتضی علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہوں بلکہ وجاہت اور قرب کے لحاظ سے حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ پر مقدم ہیں۔ لیکن خلافت راشدہ نبویہ میں حضرت عثمان رضی اللہ کا مقدم ہونا اس وجہ سے ہوا ہے کہ صاحبان مناصب اور مراتب کی بھیڑ اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کے ظاہر ہونے کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں گو اُن کا مرتبہ اور قرب زیادہ تھا اس کی یہ مثال ہے کہ خلعتیں دینے کے وقت صاحب منصب متقدم کو صاحب منصب متاخر سے پہلے خلعت پہنائیں۔ اگرچہ صاحب منصب متاخر کا قرب وارتضا اور وجاہت زیادہ ہو اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمان برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات " آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک " آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ عطیہ اس امر کے مقابلے میں ہے کہ خلافت اور حکومت اور بادشاہت کا انتظام آپ کی آل اطہار میں کبھی نہیں ہوا باوجودیکہ اُن میں سے بعض بزرگوں نے أَعْلَى اللّٰهُ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْعِلِّيِّيْنَ اس کام میں بہت ساری کوششیں کی ہیں اور اس کام کے حاصل کرنے میں سب تکلیفیں اپنے آپ پر اٹھائی ہیں۔ اور اہل ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب مرتضی ہی کی طرف منسوب ہیں پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبوں والے ہوں گے حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دیگا کہ اس مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا اور بعض متصوفین کے لئے اس مقام کا ظاہر ہونا اور شیخین رضی اللہ عنہما کے مقام کا پوشیدہ رہنا اس امر کا باعث ہوگیا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں متردد ہو کر اہل سنت کے راسخ عقیدہ سے پھسل گئے ہیں ورنہ درحقیقت خلافت کے انتظام کی وجہ سے بلکہ اس سے قطع نظر کر کے جو شان حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے ثابت ہے اس بزرگی کے ساتھ اس کو افضلیت اور مساوات کی نسبت نہیں بلکہ ان دونوں بزرگوں کی شان خلافت سے قطع نظر اس شرح صدر اور حوصلے کی فراخی اور اخلاق اور تدبیر منزلی اور مدنی اور سیاست ملکی وغیرہ کی ہر باب میں اعتدال کے قائم رکھنے کی وجہ سے جسکو تشبیہ بالانبیا کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں " انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام فرمانبرداروں پر اُس مذکورہ بزرگی کی بہ نسبت بہت ہی بلند ہے ظاہر میں اُن دو شخصوں کے مرتبوں کی باہمی نسبت اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے۔ ایک تو وہ امیر کبیر ہے جو حقوق خدمت بجالا کر امور سیاست سے فارغ ہو کر بادشاہ کا ملازم ہوگیا ہے اور دوسرا

وہ شخص ہے جو ابھی خدمت اور کارگذاری میں مشغول ہے پس اگرچہ سرسری نظر میں تو اس امیر کبیر کی خدمات ملکیہ
سے مستعفی ہو کر بادشاہ کے حضور میں مصروفیت اور ملازمت بارگاہ سلطانی کی وجہ سے ظاہر حشمت اور شوکت
اور فرمانبرداروں کی کثرت اس مصاحب کی اُس امیر اعظم کی بہ نسبت جو اپنی خدمت میں لگا ہوا ہے کچھ بھی نہیں
یا بہت تھوڑی ہے لیکن اس مصاحب کی عزت اور وجاہت اس امیر اعظم سے بڑھ کر ہے کیونکہ دراصل وہ امیر
اپنی ساری شوکت اور دبدبے اور فرمانبرداروں کے ہمراہ گویا اس مصاحب کے فرمانبرداروں کے ہمراہ ہے۔
اس لئے کہ اُس کا مشورہ بادشاہ کے تمام فرمانبرداروں کے حق میں جاری ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کہ بارگاہ الٰہی کے مقبول تھے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت اُن کے درجہ کے بلند کرنے کی طرف متوجہ تھی اس واسطے
خلافت میں وہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر مقدم کئے گئے تاکہ اُن کو بھی اپنے جیسے لوگوں کے مرتبے کے مرتبہ
ملجائے **دوسرا افادہ** اگرچہ صحابی ہونے کے لحاظ سے باقی امت مصطفویہ (علی امامہا الصلوٰۃ والسلام)
کی نسبت صحابہ کبار میں سے ہر ایک کے لئے فضیلت ثابت ہے۔ لیکن ہدایت کے پھیلانے اور دین متین کے
رواج دینے اور عند اللہ قرب کے مرتبوں پر کامیاب ہونے میں امت کے بعض بزرگوں کو بعض صحابہ پر بیشک
افضلیت ثابت ہے لیکن جسطرح کہ اُس فرزند پر اپنے باپ کی تعظیم لازم ہے جو علم اور ہنر میں اپنے باپ سے
بڑھا ہوا ہے ان بزرگوں پر بھی صحابہ کی تعظیم واجب ہے حدیث شریف میں ہے فَاِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ اَيَّامَ
الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ فِيْهِنَّ كَانَ كَمَنْ قَبَضَ عَلَى الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِيْهِنَّ اَجْرُ خَمْسِيْنَ رَجُلًا يَعْمَلُوْنَ مِثْلَ
عَمَلِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ (یعنی تمہارے پیچھے صبر کے دن
ہیں پس اُن میں صبر کرنے والا چنگاڑے کو پکڑنے والے کی مانند ہوگا ان دنوں میں (نیک) عمل کرنیوالے کو
اس جیسے پچاس عاملوں کا اجر ملیگا لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ انہی میں سے پچاس عمل کرنیوالوں کا اجر
آپ نے فرمایا نہیں تم میں سے پچاس کا ثواب اس کو ملے گا۔ **تیسرا افادہ** ماہ محرم میں حضرت حسنین رضی اللہ
عنہما کی محبت کے گمان پر ماتم داری اور تعزیہ سازی بھی رافضیوں کی انہی بدعات میں سے ہے کہ ہندوستان
کے ملک میں مشہور ہوگئی ہیں۔ پس اُن کے احوال جاننا اس زمانہ کے ضروریات سے ہے تاکہ کامل ایماندار اس
سے پرہیز کرے اور جو شخص (پھر بھی) اس کا مرتکب رہے اس کے لئے جہالت اور غفلت کا عذر باقی نہ رہے
اور ان بدعتوں کی ظاہر چند صورتیں ہیں اول قبروں اور مقبروں اور علم اور شدہ وغیرہ کی نقل اتارنا بھی بت سازی
اور بت پرستی کے قبیل سے ہے اس لئے کہ قبروں اور مقبرے کی شکل بنانا اور اس کی تعظیم کرنا اور حضرت امامین
علی جدہما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبر کا نام رکھنے کی وجہ سے اس کو اصل قبر اور مقبرہ کے جابجا جاننا بت پرست
مشرکوں کے اطوار سے ہے بت پرستی کی اصل یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک شکل تراش کر اور ایک شخص کا نام

اُس پر رکھکر جو معاملہ کہ اصل سے کرنا چاہیئے اس نقل کے ساتھ جو گھڑی ہوئی لکڑی یا پتھر ہے عمل میں لائیں اور اس مقام میں فی الواقع قبریں (بھی) ہوں دعا اور سلام علیک کے سوا کچھ بھی ماثور نہیں۔ اور اہل زمانہ جو کچھ تعزیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ واقعی قبروں کے ساتھ بھی کرنا نہیں چاہیئے۔ چہ جائیکہ وہ قبریں بھی جعلی اور بناوٹی ہوں۔ اور یہ مبتدع سجدہ اور طواف کی عبادت کر کے اپنے آپ کو صراحۃً شرک کی سرحد تک پہنچا دیتے ہیں اور شدہ اور علم اور تعزیہ جب مسجود ہو جائیں تو بت پرستی کے معنی میں ہے پس طالب حق کو اس باطل امر کے ابطال میں پوری سعی کرنا ضروری ہے اور اس کے دور کرنے میں نہایت کوشش کر کے جبر اور زود کے ساتھ اس کے توڑنے کو ہرگز مکروہ نہ جانے بلکہ بت شکنی کی طرح اُس کو ثواب اور اجر کا موجب سمجھے اور اس لحاظ سے کہ بدعتی جاہلوں نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی قبر کا نام رکھا ہوا ہے مطلقاً اس کے توڑنے اور پامال کرنے سے نہ ڈرے کیونکہ ان افعال کے دور کرتے اور ان کے فاعلوں کی اہانت کرنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے برگزیدہ لوگوں کی رضا مندی ہے اور اگر ہاتھ سے دور نہ کر سکے تو زبان سے کہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا جانے۔ اور یہ درجہ ایمان کے درجوں میں سے بہت ادنیٰ درجہ ہے ہاں اگر مقابلہ کے سوا تعزیوں کو پائے اور اُن پر قادر ہو جائے تو بلا اہانت ان کو نابود اور بے نشان کر دے لیکن مقابلہ میں اُن کے توڑنے کا ارادہ کرے اور اگر تعزیہ والوں کے مقابلہ اور مزاحمت سے پیش آنے کے وقت کوئی اہانت آمیز حرکت صادر ہو جائے اور اس کے سوا اس بُری بدعت کا ابطال نہ ہو سکے تو اس حرکت کی پروا نہ کرے بلکہ اس کے معدوم کرنے پر قدم بڑھائے لیکن حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو دفن کر دیا اور باقی بتوں کی طرح اُس کو اہانت کے ساتھ نہ توڑا سو اس کا باعث یہ ہے کہ اُن دنوں میں عرب کے جہال کو الفت دینا امور ضروریہ میں سے تھا اور وہ جہالت کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے جہالت اور نادانی کے ورطہ میں غرق تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہانت اُن نادانوں کی بدگمانی کا موجب تھی کہ وہ اس بت کی اہانت کو حضرت خلیل کے مذہب پر مخالفت پر حمل کر کے اُس نبی وقت کی دعوت سے جو آپ کی متابعت کے مدعی تھے" متنفر ہو جاتے اور تعزیہ کا امر تو اس سے بالکل بر خلاف ہے کیونکہ وہ زمانہ تو جہالت کے زمانہ سے قریب تھا اور یہ زمانہ علوم حقہ کے تواتر اور ہدایت کی شہرت کا زمانہ ہے دوسری صورت شیون کی رسمیں ہیں اور وہ پیٹنا اور کپڑوں کا پھاڑنا اور بین کرنا اور انہی جیسی اور رسمیں مطلقاً حرام ہیں کسی کے مرجانے پر ایسے کام جائز نہیں تیسری صورت ایام مذکورہ میں سوگ کی رسمیں ہیں اس کی اصلیت تو یہی کچھ ہے کہ کسی شخص کے مرجانے کی وجہ سے غم اور اندوہ ظاہر کرنے کے لئے مباح امر کو چھوڑ دیا جائے اکثر اوقات بعض جاہل تو فرضوں اور واجبوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی قباحت بالکل ظاہر ہے

لیکن مباح کا ترک کر دینا سو وہ حلال زینت کا چھوڑ دینا ہے جیسے مرد کنگھا نہ کرے یا سفید اور عمدہ کپڑے نہ پہنے یا آنکھوں میں سرمہ نہ لگائے یا خوشبو کو استعمال نہ کرے اور مزاج پرسی نہ کرے وعلی ہذا القیاس اس کی مثالیں بہت ہیں اور اسی طرح عورتیں اپنی زینت چھوڑ دیں اور کسنب سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں اور مہندی نہ لگائیں اور اس کے سوا اور اسباب زینت میں سے کسی چیز کو استعمال نہ کریں ہر میت کے مرنے سے تین دن تک یہ سوگ مباح ہے اگر نہ ہو تو بہتر ہے اور اگر کر لی جائے تو کچھ گناہ نہیں اور اس سے زیادہ کی حرمت حدیث شریف میں صراحۃً موجود ہے ہاں عورت کو اپنے خاوند کے مر جانے پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا فرض ہے اگر نہ کرے تو گناہگار ہوگی اس کے سوا تمام سوگ حرام ہیں خواہ وہ کسی پیغمبر پر ہوں یا صدیق یا شہید پر موت یا قتل یا شہادت کے دنوں میں ہو یا ان دنوں میں اس حکم میں کسی کی تخصیص نہیں۔ پس جو شخص کہ محرم کے پہلے دس دنوں میں اظہار مصیبت کے ارادے پر کسی مباح کو ترک کرے گناہگار اور حرام کا مرتکب ہوگا اور اگر اس قصد کے سوا ترک ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں مثلاً جو شخص آنکھوں میں سرمہ لگانے کا عادی نہ ہو اگر ان دنوں میں بھی سرمہ نہ لگائے تو گناہگار نہیں۔ اور جو شخص کہ اس کا عادی ہے اور صرف انہی دنوں میں چھوڑ دے تو قصد مذکورہ کا قوی گمان ہے اور اسی قصد پر گناہ کا مدار ہے حاصل کلام مدار نیت پر ہے اور اپنی نیت کو ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ ایک مشتبہ صورت باقی رہی۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی انہی محرم کے دس دنوں میں مباحات کو ترک کر دیتا ہے لیکن سوگ کے ارادے پر ایسا نہیں کرتا بلکہ مبتدع لوگوں کی طعن و تشنیع سے بچنا اس کی غرض ہے کہ اگر ان دنوں میں مباح کو نہ چھوڑیگا تو بدعتی لوگ اور عام اہل زمان اس پر طعن کریں گے اور اس کو اہلبیت کی عداوت اور بغض سے متہم کر کے طعنہ زنی کریں گے اور حقارت کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھیں گے یا کوئی دنیوی نقصان پہنچائیں گے اگرچہ اس ارادے سے مباح کا چھوڑنا حرام نہیں۔ لیکن خلل سے خالی بھی نہیں کیونکہ یہ بھی ایک ایسے امر کا ارتکاب ہے جو ظاہر میں حرام معلوم ہوتا ہے اور اس سے بدعتیوں کی موافقت لازم آتی ہے اور اس کا یہ فعل جو ظاہراً منع ہے آیندہ نسلوں کے لئے محل اتباع رہیگا اور پچھلے لوگ اس کے کام کو حجت گردان کر اپنی پلید نیتیں اس کے ساتھ جوڑ لیں گے اور بدعتی لوگوں کی بدگوئی کا عند مقبول نہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ یعنی اور ضرور تم اپنے سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے دکھ دینے والی بہت سی باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر کیا اور پرہیزگار بنے تو بیشک یہ ہمت کے کاموں سے ہے اور دنیوی نقصان اٹھانا اہل بدعت کی موافقت سے بہت بہتر ہے اور دینداری کے کاموں میں اس کا لحاظ کرنا کمال ایمان سے دور اور ایمان کے نقصان کا باعث ہے ہاں اگر توبہ کی امید یا اسی جیسی کسی اور دینی نفع کے لئے اتنے تساہل کا مضائقہ نہیں۔ **چوتھی صورت** دوسری

صورت کی ایک باریک شاخ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مجلس منعقد کر کے نہایت شرح اور تفصیل کے ساتھ شہادت کا قصہ اس ارادے سے بیان کریں کہ لوگ اُس کو سُن کر افسوس اور حسرت اور گریہ وزاری کریں اگرچہ ظاہر نظر سے اس میں کچھ خلل ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن درحقیقت یہ بھی مکروہ ہے اور ناپسندیدہ کام ہے اس لئے کہ صدمے کے حادث ہونے یا اس کے بیان کے وقت میں استرجاع[۱] اور صبر کا حکم کیا گیا ہے افسوس اور حسرت کے اظہار اور تکلف کے ساتھ اُس کے پیدا کرنے کا حکم نہیں کیا گیا۔ پس کسی مصیبت کے آجانے یا اُس کے یاد کرنے کے وقت میں صابرین کے طریق کو اختیار کرنا گو تکلیف ہی سے ہو لازم ہے اور گریہ وزاری اور جزع وفزع کے اسباب کا جمع ہونا بیشک صابرین کے طریق کے برخلاف ہے اور جو لوگ اس صورت کا ارتکاب کرتے ہیں اپنے دلوں میں اسے حضرت امامین رضی اللہ عنہما کی نہایت محبت اور کمال بزرگی جانتے ہیں اور یہ ظاہر مغالطہ ہے کیونکہ مصائب کا تکرار اور اُس کا ذکر کرنا مصیبت والوں کی ناخوشی کا باعث ہوا کرتا ہے وہ تو ایک مصیبت تھی جو گزر گئی۔ پھر اس کے تکرار اور ذکر کا کچھ فائدہ نہیں۔ جو صحیح العقیدہ مومن اس کو سنے گا اُس کو غم اور اندوہ پیدا ہوگا۔ حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ اگر بالفرض ان باتوں کو سُنیں تو ضرور رنج حاصل کریں گے۔ اور اگر اس طرف نظر کی جائے کہ چند روز کی یہ ظاہری مصیبت اور تکلیف حضرت سید الشہداء اور باقی شہدائے کربلا اور اس مشہد مقدس کے حاضرین کے مرتبے کی کمال بلندی کا باعث ہوئی ہے پھر ہرگز غم اور اندوہ کا مقام نہیں بلکہ خوشی اور فرحت کی جگہ ہے اور جو لوگ اپنے زعم باطل سے اپنے آپ کو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا محب قرار دیکر صریح ممنوع اور حرام امور کو عمل میں لاتے ہیں بالکل اس جناب کے مردود اور مطرود ہیں اس سے کہ ان بزرگوں نے تو مشروع امور کے قائم کرنے اور نامشروع کے موقوف کرنے کے لئے بڑی جانبازی کے کام کئے ہیں پس جو شخص امور مذکورہ بجالا کر اُن کو خوش کرنا چاہتا ہے گویا وہ یزید کی طرح حضرت امام حسین رضؓ کا مقابل ہے کیونکہ یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اُس سے ناجائز امور کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اصرار کیا اور اس کام کو بہتر اور عبادت جانا تو حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ کی جانب سے دھتکارے کے لائق ہو گیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہو گیا اور اصل یہ ہے کہ اپنے فاسد گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لئے زہر قاتل ہے اُسے چاہیئے کہ شریعت کے حکم کو لازم الاتباع جان کر اُس کو نہ چھوڑے چونکہ شارع علیہ السلام نے ماتم وغیرہ امور کی اجازت نہیں دی اور مطلقاً اس سے منع فرمایا ہے تو اپنی محبت کے گمان پر اُن ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا گویا اپنی ناقص عقل کو حکم

---

[۱] انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا۔ یعنی ہم (سبھی) اللہ کا مال ہیں اور ہم اُس کی طرف رجوع ہونے والے ہیں۔

شرع پر راجح کرنا ہے ممکن ہے کہ نفس کو دھوکا دہی کے باعث اپنی چھپی ہوئی بُری وصفیں معلوم نہ ہوں اور ایک صفت دوسری صفت سے مشتبہ ہو جائے جیسے بیمار جو اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہے اور جو محبت کے مدعی یہ کام کرتے ہیں اُن کے دعویٰ کو جھٹلانے والی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اس واسطے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ گریہ زاری اور محفل آرائی کے جوش اور تعزیہ سازی سے ہرگز حضرت امام رضی اللہ عنہ راضی نہیں ہوتے۔ اور اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا پس صرف نفسانی خواہش ہی کے لئے وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور جس امر کو فریب اور مکر کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا راضی کرنا کہتے ہیں درحقیقت وہ نفس و شیطان کا راضی کرنا ہے اور اس جھوٹے دعوے کے ساتھ کہ یہ تمام خرچ اور کام آپ کی محبت کی وجہ سے ہیں جہلا کی نظروں میں اپنے بُرے کاموں کو نیک ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اگر حضرت امام کا راضی کرنا اور آپ کی محبت منظور ہے تو اس مال کے محتاج سادات پر کیوں خرچ نہیں کرتے اور اُن کی تعظیم اور اعزاز میں کوشش کیوں نہیں کرتے اور اشتباہ نسب کا بہانہ ہر جگہ پیش نہیں کیا جاتا اس لئے کہ بہت صحیح النسب سید بھوک کے مارے مرے جاتے ہیں اور یہ لاف زن مدعی جان بوجھکر اپنے غلاموں بلکہ کتوں کے برابر بھی اُن کی خبرگیری نہیں کرتے سادات کے بارہ میں اُن کی اس قسم کی بے پروائی کے ظاہر ہونے کے باوجود پھر بھی اُن کو محب اور مخلص سمجھنا محض نادانی اور حماقت ہے دینِ متین کی اشاعت اور شرع مبین کے احکام کے رواج دینے میں اپنی جان و مال کو خرچ کرنا اور امر معروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی پروانہ کرنا اور کافروں اور فاسقوں بدعتیوں پر ظاہر انکار کرنا اور ان کی چاپلوسی اور خوشامد سے پرہیز کرنا اور بالکل مداہنت نہ کرنا اور آپکی بزرگوار آل کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دینا اور قولی اور فعلی اور مالی عبادات کا ثواب آپ کی پاک روح کو پہنچانا۔ سچی محبت کے نشان ہیں۔ پس جو شخص ان امور میں قصور کر کے حضور امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر نفسانی کھیلوں میں مال خرچ کرتا ہے وہ بیجا اور بے محل جھوٹ باندھ کر اپنی عاقبت کی تباہی سے بے ڈر ہو گیا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَمِیْعُ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ شَرِّ الْمُنَافِقِیْنَ الضَّالِّیْنَ تیسری ہدایت اُن بدعتوں کے ذکر میں جو فاسد رسموں کے التزام سے عوام الناس میں پھیل گئی ہیں اور اس میں ایک تمہید دو افادے اور ایک فائدہ ہے۔

تمہید جو رسمیں کہ شادی اور ماتم کے موقع پر ہندوستان کے ملک میں رائج ہو گئی ہیں اور اُن کا التزام لوگوں کے ذہن نشین ہو گیا ہے اور اُن کا چھوڑنا رواج کی مخالفت اور طعن و تشنیع کے سبب سے نہایت شاق گزرتا ہے اور جاہل لوگ ان رسموں کے اہتمام کو شرعی واجبات پر مقدم اور اُن کے چھوڑنے کو محرمات سے زیادہ جانتے ہیں دینی اور دنیوی امور کی بربادی کا باعث ہیں کہ لوگوں کو نہایت تنگی میں ڈال کر ضروریات دین سے باز رکھتی ہیں مثلاً ختنہ کی دھوم دھام کا التزام یہاں تک پہنچتا ہے کہ نامختون بالغ بڑی عمر کا ہو جاتا ہے اور

بے حیائی اور بے پردگی کا باعث بنتا ہے اور بعض اوقات یہ شرعی شعار رہ ہی جاتا ہے اور ایسا ہی نکاح کے معاملہ میں جو تاخیر واقع ہوتی ہے۔ وہ جوان آدمی کے واسطے حرام کاری کا باعث بنتی ہے بالغ ہونے اور جوانی کے زور کے بعد بڑی مدت تک انتظار کرنا اور ارتکاب حرام سے صبر کرنا نہایت ہی دشوار ہوا کرتا ہے اسی طرح ماتموں میں اگرچہ تاخیر کو ان میں گنجائش نہیں۔ لیکن ان رسموں کا التزام ضروری امور میں حرج کا باعث ہوتا ہے اور رسوم کے پابند لوگ تجہیز و تکفین اور قبر کے کھودنے میں سستی کر کے ادائے سنت سے قصور کرتے ہیں اور طعنہ زنی کے ڈر سے سوم اور چہلم کے کھانوں میں فراخی کرتے ہیں اور ماتم اور شادی کی رسوم کی حفاظت کے لئے واجب حقوق سے غفلت کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسم کے چھوڑنے کی شرمندگی انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے اور رسم کی حفاظت کیواسطے اپنی معاش کے اسباب کو بیچ کر مفلس ہو جاتا ہے اور گداگری کو جو دونوں جہاں کی ذلت کا باعث ہے۔ اپنے آپ پر گوارا کرلیتا ہے اور یہ خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ان رسوم کے سخت پختہ ہو جانے اور ان کے چھوڑنے والے کے حال پر طعنوں کے متوجہ ہونے کے باعث ہی پیدا ہوتی ہیں مثلاً اگر کوئی شخص نماز کو عمداً چھوڑ دے تو وہ اسقدر ملامت کا سزاوار نہ ہوگا جسقدر کہ شادی کی محفل میں ناچ راگ کے ترک سے ملامت کا مستحق سمجھا جائیگا اسی واسطے ایسے آدمیوں کو کھانوں میں بہت تکلف کرنا پڑتا ہے اور وہ شادی کی محفل کی آرائش میں نہایت کوشش کرتے ہیں حالانکہ چھوٹے بچے بھوک کے مارے مرنے لگتے ہیں اور کمال جہالت اور نادانی ہے کہ اس اُلٹی بات کو کمال مروت اور جوانمردی جانتے ہیں اور ایسی ضرورتوں کے پیش آنے کے موقعوں پر حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتے اور جہاں سے جس طرح مال ہاتھ آئے اُس کے لینے کی پروا نہیں کرتے اور جب مال ہاتھ آجاتا ہے تو صریح خلاف شرع اور خلاف عقل اور محض شیطانی راستے میں اُس کو خرچ کرتے ہیں حاصل کلام رسموں کے التزام کی بنا اور اُن کا اہتمام دنیا کی غیرت اور عزت اور نام پر ہے اور جس کام کی بنا ایسی ہو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے بلکہ عالم ملکوت سے اُس کام اور اُس کے کرنے والے پر لعنت کی آوازیں آتی ہیں اور اُس کا دیکھنا کامل ایمانداروں کے صاف دلوں کی کدورت اور تاریکی کا باعث ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس کے مرتکب سے حساب ہوگا کہ اسقدر مال بیجا خرچ کر کے اخوان شیاطین کی جماعت میں کیوں داخل ہوا اور اکثر ناجائز امور کے ارتکاب اور حرام کی پروا نہ کرنے کے باوجود بھی مجبوراً اُن سے یہ رسمیں خود بخود موقوف ہو جاتی ہیں پس اگر پہلے ہی پہل اپنے اختیار سے بغیر مجبوری کے اگر ان بیہودہ رسموں کو چھوڑ دیں۔ تو ان کی معاش اور معاد کی کسقدر اصلاح کا باعث ہو اور اللہ عزوجل کی رضامندی اور خوشنودی اُن کو

نصیب ہو۔ پس راہ خدا کے طالب کو لازم ہے کہ ان رسموں سے بیزار ہو کر ان کے برہم کرنے اور اپنے گھر اور خاندان اور قبیلہ دار محلہ اور شہر اور ملک سے ان کی موقوف کرنے میں حتی المقدور کوشش کرے اگر یہ صحیح نیت سے کیا تو اُسے اس کا اجر اور ثواب ملے گا اور اس بات سے نہ ڈرے کہ میری سعی کی قدر نہ ہوگی یا میرے خویش اور اقربا میری متابعت نکرینگے ایسے فاسد گمانوں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کی پیروی کرنے میں قصور کرنا محض قبیح ہے جب کام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو اور کسی کا کیا ڈر ہاں ان رسموں کے توڑنے میں جو طریق کہ دوسروں کی پیروی کا باعث ہو اور شریعت کے ساتھ مخالفت بھی نہ رکھتا ہو اُسی طریق کو اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اسکی کوشش اس حدیث خیرُ العملِ مَا اُتبعَ[۱] کے مضمون کے موافق ہو اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ فوت شدہ لوگوں کو طعام سے فائدہ پہنچانا اور اُن کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیئے تاریخ اور دن اور طعام کی جنس اور قسم کی تعین کے بغیر جو وقت اور جسقدر کہ موجب ثواب ہو بجا لائے اور جب میت کو کچھ نفع پہنچانا منظور ہو تو اُسے کھانے کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیئے اگر ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے اور تاریخ اور دن اور طعام کی قسم اور وضع کے مقرر کرنے میں تنگی پیش آتی ہے اور اس بات کا اہتمام تضیع اوقات کا باعث ہوتا ہے اور دوسرے ضروری کام موقوف رہ جاتے ہیں اور اپنا اور بیگانہ تاریخ اور دن کا منتظر رہتا ہے اور خویش و اقربا جمع ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دشوار کام کا بھی.. آدمی کو ضرور انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پس میت کے حق میں تجہیز و تکفین اور دفن کے بعد دعا اور تعزیت کے سوا اور کسی رسم کا التزام نہ کرنا چاہیئے اور اسی طرح نکاح میں ولیمہ کے سوا جو سنت موکدہ ہے اور سب رسموں کو چھوڑ دینا چاہیئے اس مقام میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام اخلاق میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلق پیشوا اور محبوب مان کر اور دل و جان سے اس پر راضی ہو کر ہند اور سندھ اور فارس اور روم کی اُن تمام رسموں کو جو آپ کے برخلاف ہوں یا صحابہ کرام کے طریقہ پر اُن سے زیادتی لازم آئے ترک کردے اور اُن پر کراہت ظاہر کرے اور اگر بیٹیوں کے مار ڈالنے یا اسی جیسی زمانہ جاہلیت کی وہ رسمیں مروج ہو جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ نابود ہو گئی تھیں اور اُن کے ابطال میں آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت ساری تاکیدیں منقول ہیں تو ان کے ابطال میں پوری کوشش کرے پہلا افادہ بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح سے منع کرنا انہی بیہودہ رسموں سے ہے جو ہندوؤں کے اختلاط سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور یہ خراب رسم یہاں تک مروج ہو گئی ہے کہ (لوگ) اس جائز بلکہ مستحب امر کو محرمات شرعیہ سے زیادہ بُرا جانتے ہیں پس اس

[۱] بہتر عمل وہ ہے جسکی پیروی کی جائے۔

کے دور کرنے میں پوری کوشش کرے اور اگر اس کے خویشوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرا دے اور اگر اُس کے اتباع سے قصور کریں تو اللہ کے لئے اُن سے ملاقات اور برادری ترک کر دے کیونکہ غالباً بلکہ یقیناً اس کام کے عیب سمجھنے کی وجہ ہندوؤں کی رسم کا التزام ہے ورنہ اور کوئی مطلب معلوم نہیں ہوتا اگر اس رسم کے توڑنے سے اپنے بزرگوں اور بڑوں کی رسم کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو ہرگز پروانہ کرے اور اللہ جل شانہ کی جانب کو تمام اہل حقوق کی جانب سے مقدم جانے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قطع تعلق کو مدنظر رکھے دوسرا افادہ اپنے باپ دادا کی بزرگیوں پر فخر کرنا اور اُن کی شفاعت پر بھروسہ کرنا رسوم جاہلیت کا وہ بقیہ ہے راہ اُمت مرحومہ میں نہایت درجہ کی پھیلی ہوئی ہیں اور سادات اور پیرزادوں جیسے بلند خاندانوں والے اس میں گرفتار ہیں اور اسی افتخار میں اعتماد کی وجہ سے اہل اسلام کے شعار یعنی تواضع اور عاجزی اور اہل ایمان کی بڑی بزرگی یعنی پرہیزگاری اور نیکوکاری کو بالکل فراموش کر کے اُن کی بجائے تکبر اور اکڑ بازی اور بدعتوں کا اظہار اور ناجائز امور کا ارتکاب حاصل کر کے کلام اللہ اور کلام رسول کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا انہوں نے آیت کریمہ[1] لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اور آیت کریمہ[2] لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا اور آیت[3] فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ اور آیت[4] یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اور آیت[5] تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اور حدیث[6] اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ اور انہی جیسی اور آیات اور احادیث کو کبھی ہوش کے کانوں سے نہیں سُنا اور محض اپنے وہموں اور ظنوں اور اپنے جیسے لوگوں کے باطل مسلمات پر اعتماد کر کے اپنی جان کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیا ہے۔ سبحان اللہ یہ کیسی نادانی اور حماقت ہے کہ یہ لوگ نجات کے یقینی اور قطعی اسباب کو چھوڑ کر وہمی اور ظنی اسباب پر اعتماد کر بیٹھے ہیں اور ان نادانوں کی جہالت کا حال اُس کے مشابہ ہے کہ ایک شخص بہت سارے مال جو اپنے قبضہ میں رکھتا تھا اور اسے یقینی طور پر اُن سے فائدہ حاصل کرنے کی اُمید تھی پھر کیمیا کے موہومی حیلوں کے حاصل کرنے میں سارے کا سارا برباد کر دیا القصہ اگر یہ نسبی علاقہ

[1] اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کے سوا جس کے لئے اُس نے اذن دیا ہے کسی کی سفارش سے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا [2] کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا [3] جب نرسنگا پھونکا جائے گا تو لوگوں میں نسب کا کچھ لحاظ نہ ہوگا۔ [4] اے لوگو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے تم کو پیدا کیا اور تمہاری گوتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو بیشک تمہارا بڑا پرہیزگار اللہ کے ہاں زیادہ باعزت ہے [5] وہ ایک جماعت ہے جو گذر چکی ہے اُن کے اعمال کا فائدہ انہی کو پہنچیگا اور تمہارے اعمال کا تم کو [6] بیشک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا فخر اور باپ دادا کے ساتھ فخر کرنا دور کر دیا ہے آدمی مومن پرہیزگار ہے یا فاجر بدبخت ہے سارے لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی کے ہیں۔

آخرت میں نافع ہے تو نہایت ہی ظاہر ہے کہ اس سے غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے اس نفع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ نسبی علاقہ اختیاری افعال سے نہیں کہ غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے ٹوٹ جائے پس جب غافل آدمی کو قیامت کے دن نسبی علاقہ سے فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ تو اس کو اس غیر مترقبہ نعمت کے حاصل ہونے کے باعث دوگنی خوشی ہوگی اور اگر قیامت میں یہ علاقہ کار آمد نہیں ہے اور اُس شخص نے اپنی تمام عمر اسی کے نفع کی امید پر گذار دی ہے تو اپنے جہل مرکب سے نہایت پشیمانی اور ندامت اٹھائیگا۔ اور نفسانی رنجوں اور روحانی عذابوں میں گرفتار ہوگا۔ پس اس نسبی علاقہ کی پروا نہ کرنا اور ایسے ہی وہموں امور پر بھروسہ نہ کرنا ہر طرح اچھا ہے والسلام علی من اتبع الہدیٰ فائدہ بزرگوں کی اولاد میں میراث کے طور پر ایک استعداد رکھی جاتی ہے لیکن محض استعداد امور معاش یا معاد میں کار آمد نہیں ہے ہاں اگر وہی استعداد ظاہر ہو جائے اور سیکھنے سکھانے اور شریعت پر کاربند ہو جانے کے باعث جلوہ گر ہو پڑے تو البتہ اس سے بڑے بڑے کام اور فائدے نکلتے ہیں۔ اور ان استعدادوں کو بھی ان ازلی استعدادوں کے قائم مقام سمجھنا چاہیئے جو بھلی بُری استعدادوں سے ازل الآزال میں ہر شخص کے حصہ میں آئی ہیں لیکن جزا کی بنا محض استعدادوں پر نہیں اسی واسطے جب تک اس استعداد کے آثار ظاہر نہ ہوں جزا کے کارخانے میں وہ استعداد کسی شمار میں نہیں آتی ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ ہدایت اور گمراہی کے اسباب بہم پہنچنے سے نیک بختی اور بُرائی کے آثار اسی کے موافق ظاہر ہوں گے پس ثمرات بالفعل مترتب ہونا آثار پر موقوف ہے اگرچہ ان کو ایک پوشیدہ سا ربط استعدادوں کے ساتھ بھی ہے لیکن استعدادوں کے ساتھ ثمرات کا ربط بہت پوشیدہ ہے اور آثار کے ساتھ بہت ظاہر مثلاً آلات حرب کے ساتھ منافع حرب کو ایک ظاہری ربط ہے اور لوہے کے ساتھ پوشیدہ اسی واسطے فولاد کی زنگ خوردہ تلوار وہ کام نہیں کرتی جو لوہے کی مصقل تلوار کیا کرتی ہے دوسری فصل تہذیب اخلاق میں اور اس میں دو ہدائتیں ہیں پہلی ہدایت پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق کے اجمالی ذکر میں اور اس میں تین تمہیدیں اور پانچ افادے ہیں پہلی تمہید بخل اور حسد اور تکبر اور حرام اور غیبت اور کینہ اور ریا اور کذب اور طمع اور حرص جیسی بدعادتوں کے ساتھ سالکان راہ حق کے نفوس کا آلودہ ہو جانا ان پر رحمانی فیض کے اثر نے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے کا بڑا ہی قوی مانع ہے سلف صالح ان رذائل کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے تھے اور ان کو صرف خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے اپنے دل سے دور کرتے تھے یہاں تک کہ اُن کا کچھ اثر باقی نہ رہتا اور اُن کے دل صاف ہو جاتے۔ اسی لئے بے نہایت مہربانیوں کا مورد ہوا کرتے اور اسی تصفیہ کی وجہ سے "جو محض اللہ تعالیٰ کے خوشنود کرنے کے واسطے عمل میں لاتے" مقبول ہو جاتے اور جو شخص کہ سلوک کے مراتب طے کرنے کے باوجود آثار عنایت کا مورد نہ بنے تو بیشک ان تمام رذائل یا بعض کے آثار اس میں

موجود ہوں گے۔ پس ان رذائل کا وجود عنایات الٰہی کے ورود کا مانع ہی دوسری تمہید سلف صالح کے واسطے بدعاتوں سے نفس کے پاک کرنے میں اللہ کی توفیق سے یہی اسلامی نیک اعمال اور اپنے پیشواؤں کی ہم نشینی ہی کافی ہوا کرتی تھی اور اس فن کے لوگوں نے طب کے طور پر اُن کی علامتوں اور اسباب اور معالجوں کو تحقیق کر کے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لیکن وہ بیان نہایت واضح اور روشن ہونے کے باوجود کافی نہ تھا بلکہ بہت سے لوگ ان بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ سے یہی گمان کرتے ہیں کہ اُنہی لوگوں کا حال ہے جو گذر گئے ہیں اور حظیرۃ القدس میں داخل ہو گئے ہیں اور اُن کی ماہیت کچھ اور ہی تھی کہ ان کثیر عملوں اور مشکل محنتوں پر قائم رہے اور اپنے آپکو اس مقام سے بہت دور خیال کرتے ہیں اور بعض غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو اُن بدعاتوں سے بالکل پاک اور اُن کی ضد" یعنی محض نیک عادتوں" سے مزین جانتے ہیں پس اس زمانے کے لوگوں کے مناسب حال یہ ہے کہ معرفت الٰہی کی طرف پہنچنے کے واسطے جسطرح شغل اور مراقبے کرتے ہیں اسی طرح ان امور کے واسطے مراقبہ اختیار کریں اور بدون اس کے بارگاہ قبولیت میں پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں لیکن عنایت اور قبول کے رستے سے نہیں بلکہ ایک اور دروازے سے پہنچے ہیں جہاں مقبول اور نامقبول کی کوئی پرسش نہیں ہے اور نفس اور شیطان جو کہ مقبولیت حق کی بارگاہ میں کتے اور دربان کی جابجا ہیں" ان کو نہیں چھوڑتے کہ اس مقام میں پہنچ جائیں اعمال صالحہ اور رذائل مذکور سے خالی ہونے اور نیک عادتوں کے ساتھ مزین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی شرارتوں سے بچکر اُس مقام میں پہنچنا ممکن نہیں اور ان بدعاتوں کا چھوڑ دینا تو اس چوبدار اور نقیب کی مانند ہے جو خود بخود انسان کو مقام مقصود پر پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات اس بارگاہ سے ایک خاص اجتبأ حاصل ہو جاتا ہی کہ اعمال کی کثرت اور تکلیفوں اور مشقتوں کے اٹھانے کے بغیر ہی آدمی کو قبولیت سے کامیاب کر دیتا ہے اور ایسے برگزیدہ بندوں کے تربیت اور تلقین کی کچھ حاجت نہیں خود اللہ تعالیٰ ان کا مزکی ہو جاتا ہے مخلوقات میں سے کسی کا احسان مانے اور تکلیفیں جھیلنے کے سوا ہی ان کو پسندیدہ خصلتوں سے مزین اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک کر دیتا ہے پس اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید اور حدیث کے پڑھنے کا شغل کرے اور اپنے کچھ اوقات کو اُن کے حاصل کرنے میں خرچ کرے تاکہ فضائل اور رذائل کی اصلیت سے واقف ہو جائے اور اپنے ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے پریشان نہ ہووے بعد ازاں اس یادداشت کے ساتھ مشغول ہو جائے۔ جو نقشبندی طریقے میں مقرر ہے یعنی ذات حق کا ہمیشہ ملاحظہ رکھے اور اسی ملاحظہ میں دوسرا ملاحظہ ملاوے جس سے احکام شرعیہ کی تعظیم اور اُن کی بجاآوری کا عزم اور منہیات شرعیہ کا اہتمام اور اُن سے بچنے کا عزم مراد ہے پس ہر وقت اور ہر جگہ تنہائی اور مجلس اور کوچہ اور بازار اور مسجد اور خانقاہ اور کھانے اور پینے اور یار دوستوں کی

ملاقات اور معاش اور معاد کے وجوہ میں مشغول ہوئے القصہ تمام حالتوں میں باخبر رہے کہ کبھی کبھی منہیات شرعیہ کی طرف دل کا میلان نہ ہو جائے اور احکام شرعیہ کے اہتمام میں ہمیشہ دل کو چالاک اور با نشاط رکھے اور جملہ احکام شرعیہ سے نماز اور تلاوت قرآن مجید جیسی عمدہ ادامر کو خاص لحاظ کے ساتھ ملحوظ رکھے اور ہر حال میں اس کا دل نماز سے متعلق رہے اور جونہی نماز کا وقت پہنچ جائے یا اذان سُن لے تو اس طرف سے غفلت نکرے اور کسی کام کو نماز پر مقدم اور اس سے ضروری نہ جانے اور ہر کام کا فوت ہونا نماز کے ادا کرنے کی جانب میں اُسکو سہل اور آسان معلوم ہو جیسے کسی محبوب کی ملاقات کسی عاشق کو میسر ہو جائے تو ممکن نہیں کہ دوسرے کام میں مشغول ہو اگرچہ اس کے ہزاروں کام فوت ہو جائیں گے تاہم وہ اپنے معشوق کی ساتھ بات چیت کو نہایت ہی مرغوب جانیگا اسی طرح نماز کو حدیث شریف وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ[1] کے موافق اصلی خوشی اور راحت سمجھکر دینا اور دین کا اور کوئی کام اُس پر مقدم نہ رکھے اور اسی طرح دوسرے ارکان روزہ اور زکوٰۃ اور حج کی تخصیص کرے اور اسی طرح جہاد کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھے کیونکہ وہ سنام الاسلام ہے اور اس میں جان اور مال کی خرچ کرنے اور رنج اور تکلیف اُٹھانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے اور جب اسی لحاظ اور خیال پر ہمیشگی کرتے ہوئے کچھ زمانہ گذر جائے گا تو ساری عادتیں عبادت بن جائیں گی مثلاً وہ کھانا بھی ایسی ہی نیت سے کھائے گا جو اللہ جلشانہ کی خوشنودی کا باعث ہوگی اور اُسی وقت سوئے گا جب اُس کا دل گواہی دے گا کہ اسوقت کا سونا اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے باقی امور کو بھی اسی پر قیاس کرلینا چاہیئے دل سے بد عادات کے دور ہو جانے کے بعد شجاعت قناعت سخاوت پاکدامنی۔ صبر۔ شکر۔ رضا بقا۔ توکل وغیرہا جیسی صفتیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی لیکن مستقل طور پر ان کے حاصل کرنے کا بھی ارادہ کرے تاکہ ہر ایک کے ساتھ کمال طور پر موصوف ہو جائے اور جب اپنے دل کو پاک کر کے احکام شرعیہ پر چست و چالاک ہو کر سلوک کی راہ اختیار کریگا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ سلف کی طرح عنایات الٰہی کا مورد ہوگا اُس کی عنایت کا کوئی ٹھکانا نہیں جو لوگ کہ اُس کی عنایات سے ممتاز ہوئے ہیں وہ بھی اسی قسم کے آدمی تھے اور جو لوگ کہ اس کی عنایتوں سے محروم ہیں وہ بھی اپنے ہی قصور سے محروم ہیں۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[2] اس سے خبر دے رہا ہے شعر

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز و بد انداز ماست ❊ ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اور ماموروات اور منہیات کا بیان بہت لمبا ہے ان کی واقفیت کی سبیل یہی ہے کہ سالک کلام اللہ کو مضبوط پنجہ مارتے رہے اگر یاد کرے تو بہتر ہے اور اگر یاد نہ کرسکے تو قرآن مجید کی تلاوت کی پوری مہارت حاصل کرے اور اُس کے معانی کو ظاہر کرنے والے ترجمہ سے آگاہ ہو کر تدبر اور سوچ بچار کے ساتھ اُس کی تلاوت کیا کرے

[1] میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۱۲ [2] اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے ۔

اور صرف تلاوت قرآن کو بڑی غنیمت جانے کیونکہ یہ سب عبادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے قرآن مجید کی تلاوت تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونا ہے اور یہ اُس کی صفات میں سے ایک ایسی صفت ہے جو عربی معجز عبارت کے لحاظ میں ظاہر ہوئی ہیں اور جب اللہ جل شانہٗ کی صفتیں اُس کی غیر نہیں تو تلاوت قرآن کیوقت اپنے آپ کو ایک قسم کا واصل بذات حق سمجھے اور وصول اور ہمکلامی اور سماع کی لذتیں حاصل کرے اور خود غفلت حجاب اکبر ہے۔ جب غفلت کا پردہ اُٹھائیگا اُس کے ساتھ واصل ہو جائے گا ؎ مصرعہ حضوری گر ہمے خواہی ازو غائب مشو حافظ۔ تیسری تمہید اعمال میں اُن چاروں مذہبوں کی متابعت" جو تمام اہل اسلام میں مروج ہیں" بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان علموں کی جمعیت ظاہر ہو گئی ہے۔ پس جس مسئلہ میں کہ صحیح صریح غیر منسوخ حدیث ملجائے اُس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے اُن کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیونکہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے اٹھانے والے ہیں ایک طرح سے آپ کی مصاحبت کر کے آپ کے مقبول ہو گئے ہیں اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں پہلا افادہ جو شخص امرائیں اور حکام میں سے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ راہ سلوک میں قدم رکھے تو اُن امور شرعیہ کے اہتمام کے ساتھ جو سالکان طریقت کو چاہیئے عدالت اور انصاف کا اہتمام بھی اُن کے واسطے ضروری ہے کیونکہ اُن کے حق میں عدالت سب عبادتوں سے بہتر ہے عدالت میں گذشتہ بادشاہوں کے طریق کی رعایت نہ کرے بلکہ عدالت اور سیاست میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت اس کے واسطے کافی ہے اور خلفا اور بادشاہوں میں فرق یہی ہے کہ بادشاہ تو دنیا کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں اور آخرت کی کچھ پروا اور اُس کا کچھ اہتمام نہیں کرتے۔ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیاوی کمال انتظام کے باوجود دین کو جانے نہیں دیتے اور اس کی اصلاح اور ازدیاد کو مقدم اور ضروری جانتے ہیں۔ اور بادشاہ اور امیر ظاہری شان وشوکت اور مکان اور پوشاک اور سواری میں اپنی عزت گمان کرتے ہیں جسقدر کہ وہ دینداری میں پکے رہے اُسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اُن کی عزت اور شوکت اور رعب اُن کے دشمنوں میں زیادہ ہوتا ہے دوسرا افادہ۔ ہر مسلمان کو دو چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے اول تکبّر یعنی اس سے کہ اپنے آپ کو سب لوگوں سے بہتر اور بلند جانے

اور ہمیشہ اپنی بلندی اور بزرگی کا خواہاں رہے کیونکہ یہ بُری خصلت انسان کو کبر تک پہنچاتی ہے اسی واسطے اور خصلتوں اور عملوں سے بہت قبیح ہے حدیث شریف میں آیا ہے لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ فِی قَلْبِہٖ مِثْقَالُ مِنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ وَلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرٍ یعنی ایسا کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی بھر ایمان نہ ہوگا اور ایسا کوئی آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی بھر کبر ہوگا دوم مسلمانوں کی ایک جماعت میں فساد خرابی ڈالنا اور مکانوں اور وقتوں کے عموم کے لحاظ سے اس کے بہت سارے مرتبے ہیں ایک تو ایک گھر والوں کو خرابی میں ڈالنا۔ دوم ایک شہر والوں کو سوم ایک ملک یا چند ملک والوں کو اور ایک قرن یا دو قرن یا اس سے زیادہ کا فساد بھی اسی طرح ہے اور ان سب سے اعلیٰ وہ فساد ہے کہ کئی زمانوں تک اُس کا اثر باقی رہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر بلوہ کرنیوالوں کا فساد کہ اس کا اثر اس امت کے تمام زمانوں پر محیط رہا ہے اور یہ وہ پہلا فساد ہے جو امت میں واقع ہوا۔ اور فساد کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی تو قتل سے ہوتا ہے اور کبھی اہانت سے اور کبھی عیبوں کے ڈھونڈنے سے اور کبھی بُری صلاح دینے سے اور یہ امور بھی اشخاص کے لحاظ سے فساد کے معنی میں بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً محلے کے امور معاش اور معاد کے منتظم رئیس کے مار ڈالنے میں اور قسم کا فساد ہے اور کسی عادل منتظم بادشاہ کا قتل کرنا پہلی قسم سے ہزار ہا درجہ قبیح ہے کیونکہ یہ کام تمام لوگوں کی امور کی پریشانی کا باعث ہے۔ ایسا ہی کسی مسجد کے ایسے مہتمم کو "جس کے باعث چند مسلمان نماز کے واسطے مسجد میں جمع ہوتے ہیں" قتل کر دینا قبیح ہے اور کسی ایسے باکمال عالم کو "جو مشکلات کا حل کرنے والا اور خاص و عام کا مرجع ہو کر اپنے وقت کا امام اعظم اور زمانہ کا بخاری اور غزالی ہو چکا ہو" مار ڈالنا ایسا بُرا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور اہانت اور تجسس عیوب کو بھی قتل پر قیاس کر لینا چاہیے اور جسقدر خرابی زیادہ ہوگی اسی قدر ایمان کا نقصان زیادہ ہوگا۔ اور اس بدکام کی زیادہ برائی کا یہی باعث ہے کہ اس میں کئی لوگوں کے حق ضائع ہوتے ہیں۔ اور بہت سارے گناہوں کا بیج مدتوں تک باقی رہتا ہے اور فتنہ انگیز مفسد پر اس قدر وبال اکٹھا ہو جاتا ہے کہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو کر بُرے خاتمہ کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت سے ناامید ہو جاتا ہے اور ظلم سے بھی پرہیز کرنا لازم ہے کیونکہ دراصل ظلم کا منشا یا تکبر ہے یا افساد پس ظلم میں یا تو تکبر کی شاخ ہوگی یا افساد کی اور تکبر اور افساد سے احتراز کرنا اُسی وقت پورا ہوگا کہ ظلم سے پرہیز کرے حدیث شریف میں ہے اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَۃِ الصِّیَامِ وَالصَّدَقَۃِ وَالصَّلٰوۃِ قَالُوْا بَلٰی قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَاِفْسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ ہِیَ الْحَالِقَۃُ

ترجمہ کیا میں تم کو روزے اور صدقے اور نماز کے درجے سے افضل چیز نہ بتلاؤں لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہ آپ نے فرمایا وہ آپس کی بگاڑ کی اصلاح ہے اور آپس میں پھوٹ ڈالنا ہی مونڈنے والی چیز ہے ۱۲ منہ

تیسرا افادہ مسلمانوں کو اپنے دل کی تسلی اور مصیبتوں میں توکل اور اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتوں میں سے ہر نعمت خاص کر اُس نعمت کے لئے جو بمقتضائے اِنَّ لِلّٰہِ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا[1] خوشبو کے طور پر ہواؤں کے پیچوں میں چلتی ہے اور اُن عالی دماغ لوگوں کے دماغوں کے سوا جو "خاص الٰہی رحمت کے مہبط ہو گئے ہیں" نہیں پہنچتی اُس بے مثال قادر کی قدرت کی قدر جسطرح کہ چاہیئے اپنے دل میں نقش کرنی ضروری ہے کیونکہ اسی نقش کے اہمال نے ہی ایک جماعت کو جو اہل کتاب کے نام سے موسوم تھی وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ[2] کے داغ سے داغدار کر دیا اور ایک بدانجام گروہ کے حال کی بُرائی کے بیانمیں جو مشرکین کے نام سے تمام مخلوق میں بدنام ہے نشان وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ[3] جو کہ سخت انتقام کی علامت ہے" بلند کیا۔

پس جاننا چاہیئے کہ اس کی کامل قدرت کا پہچاننا ایمان کا لازمہ ہے۔ ہر ایماندار جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن یہ معرفت اُس کی سمجھنے والی طاقتوں پر محیط اور اُس کے دل میں جاگیر نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہی کہ جب وہ کوئی عجیب امر سنتا ہے اُس کو بعید جانتا ہے ہاں اسلامی عقیدہ کی طرف رجوع کر کے ایسا انکار نہیں کرتا کہ اس کو اسلامی دائرے سے نکال کر کفر کے گڑھے میں پھینک دے لیکن شدید استبعاد اُس کے دل سے نکلتا نہیں اگرچہ ایمان کے واسطے تو اسی قدر جاننا کافی ہے مگر جو معرفت یہاں مطلوب ہے وہ تو اس مرتبہ سے بہت بلند ہے یعنی وہ جاننے والی طاقتوں پر محیط اور اس کے دل میں جاگیر ہوتی ہے اور جب کسی امر کو گو وہ نہایت ہی عجیب ہو حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ آدھا آسمان ٹوٹ گر پڑا ہے اور باقی آدھا کھڑا ہے تو اس بات کو سُن کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لحاظ سے اُس کا دل اُس کو قبول کر لے ہاں ان دوسرے عقائد کی طرف رجوع کر نیکے بعد کہ قیامت سے پہلے تو آسمان نے ٹوٹنا نہیں اور قیامت کے واسطے فلاں علامتیں ہیں جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں اس قول کو خلاف واقع جان لے گا اور اسی بات کی تحقیق کے واسطے اللہ جل شانہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ٹلنے سے روکا ہوا ہے اور اگر ٹل جائیں تو اُس کے سوا ان کو کوئی روک نہیں سکتا بیشک وہ بردبار بخشنے والا ہے حاصل یہ ہے کہ آسمان اور زمین کو اپنی جگہ سے ٹال دینے کا مانع اسی کا حلم اور اُسی کی مغفرت ہے ورنہ اس کی قدرت اور اُس کا انتقام تو اس کام کا تقاضا کرتے ہیں اور اُن صفات میں

[1] بیشک تمہارے زمانہ کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشبوئیں ہیں خبردار پس اُن کا تعرض پکڑو ۱۲ [2] اور نہ قدر کی اللہ کی حق قدر اُس کی کا جو وقت کہا انھوں نے نہیں اتارا اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کچھ ۱۲ [3] اور جس طرح کہ چاہیئے تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی اور قیامت کے دن ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے جس چیز کو وہ اسے شریک بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے ؛

کسی قسم کا قصور اور فتور نہیں ہے اور اسی بات کے ذہن نشین کرنے کے لئے حدیث شریف میں شام کی دعاؤں میں وارد ہوا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ یعنے اُس اللہ کے ساتھ جس نے اپنے اذن کے سوا آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اُس چیز کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں جو اُس نے پیدا کی ہے پس معلوم ہوا کہ معرفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ کسی امر کے وقوع کو سُن کر گو نہایت ہی دشوار اور نادر ہے واقع ہی گمان کرے اور یہ دریافت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ کے ساتھ اُس کے دل میں بے تامل ظاہر ہو ہاں اس کے وقوع کی تصدیق کے واسطے خبر دینے والوں کی خبروں کے صدق کی تحقیق کرے اور اس کے سوا اُس کے وقوع کا یقین نہ کرے اور اس کے سہل الوقوع ہونے کی ہمیشہ تصدیق کرتا رہے اسی طرح اس کی باقی صفات کمال کو اسی پر قیاس کرلینا چاہیئے چوتھا افادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور پیار کا دعویٰ ہر شخص کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت کمیاب بلکہ نایاب ہے محبت اور الفت کی حقیقت تو یہ ہے کہ محب کے ایمان اور اعمال اور علم اور عقائد کے ہر باب میں کمال اور نافرمانیوں اور گناہوں سے پرہیز اعلیٰ درجہ پر ہونے کے باوجود اگر اس کو ایسی مصیبتیں اور بلائیں پہنچیں کہ اس کی جان اور مال اور اولاد اور بی بی اور قوم اور آبرو کو گھیر لیں اور وہ نہایت ہی بری امراض میں گرفتار ہو جائے اور انہی بلاؤں میں جان دیکر اُس جہان کے سخت عذاب میں گرفتار ہو جائے تو شکایت کی ذرہ سی بات بھی اس کے دل میں نہ گھُسے ہاں اُن مصیبتوں کی عدم برداشت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے نہایت اعتقاد کے باعث اُس کی بارگاہ میں جس قدر کہ التجا اور زاری اور عاجزی اور بیقراری کرے بہتر اور بجا ہوگی بلکہ یہ تو کمال ایمان کا مقتضا ہے لیکن اس ذات پاک کی بہ نسبت شکایت کے معنی کو وہم اور خیال میں جگہ نہ دے بلکہ اُس کو بالکل حال اور مآل کے قصور اور اپنے ازلی استعداد کے نقصان کی طرف نسبت کرے اور آیہ کریمہ مَآ اَصَابَکَ[1] مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ اور آیت کریمہ وَمَآ اَصَابَکُمْ[2] مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ کو اپنے حال کا مبین سمجھے اور یہی امر صبر اور رضا بالقضا کے مقام اور مرتبے کے حاصل ہونے کا باعث ہوتا ہی اور یقین کرلے کہ وہ اس سے زیادہ سخت عذاب کا مستحق تھا۔ اور جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ اس کے استحقاق کے موافق نہیں اور یہ اُس معاف کرنے والے بخشنے والے خدا کی مہربانی ہے کہ اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا جو اس کے تصور کے برابر تھا۔ اور یہی امر بلاؤں اور مصیبتوں کے عین ہجوم کے وقتوں میں شکر کے اعلیٰ مقام کے صادر ہونے کا باعث ہوتا ہے حاصل کلام انسان درحقیقت اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے متوجہ ہونے کے لائق میں اُس کی قدردانی کرے اور اس کے غضب کے متوجہ ہونے کی صورت میں اس کو ناقدردان خیال کرے

[1] اور جو بھلائی تجھکو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو بدی تجھکو پہنچے پس وہ تیری اپنی طرف سے ہے:

[2] اور جو مصیبت تم کو پہنچے پس تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور بہت تو اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے ۱۲

اس لئے کہ انسان کی ایسی کوئی قدر نہیں کہ وہ اس کے باعث اللہ تعالیٰ کو اپنی نسبت قدردان یا نا قدردان خیال کرد - پانچواں افادہ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر عام لطف اور مہربانی پسندیدہ اخلاق میں سے ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ یعنی رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے اور رحمت کا یہ معنی نہیں کہ ہر ایک کو راضی رکھے بلکہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ جو چیز فی الواقع اُن کے حق میں بہتر ہے اُن کے واسطے اُس کا حاصل کرنا دل سے چاہے اور اس میں کوشش کرے اگرچہ وہ اپنی ناقص رائے میں اسے نقصان ہی سمجھیں اور تمام لوگوں کے حق میں ظاہری کوشش تو ہو نہیں سکتی۔ لیکن عام لوگوں کے حق میں خواہ کافر ہوں خواہ مسلمان ہدایت کی دعا کرے کیونکہ رحمت کا دروازہ کھلتا ہے اور بمقتضائے اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ خلق کو اللہ تعالیٰ کا عیال جان کر اُن پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانے اور تمام مخلوقات میں سے امت محمدی کو خلق اور تعظیم اور رحم سے مخصوص کرے اور اُن کو اور اپنے آپ کو ایک آقا کا غلام سمجھے اور ربانی خلق کے ساتھ ہر ایک سے پیش آئے اور اگر مقدور ہو تو ہر طرح کی خدمت بجالائے اور جس طرح کی مالی غمخواری کر سکے کرے اور خوراک اور پوشاک میں دریغ نہ کرے اور چیزوں کے دینے کا کچھ مضائقہ نہ رکھے خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اخلاق میں تمام لوگوں کی مساوات نہ کرے بلکہ فضیلت والوں کے درجوں کو نگاہ رکھنا ضروری ہے جو شخص کہ دینی اوصاف میں سے کوئی وصف رکھتا ہو۔ اُسی کے موافق تعظیم و تکریم وغیرہ امور میں اس کو ترجیح دے اور اخلاق کی تفصیل مرتبوں کی تفاوت کتب حدیث سے معلوم کرے اور دنیاداروں میں سے جو شخص اپنے ہم جنسوں پر تکبر کرے اور اپنی جاہ و دولت سے مغرور ہو اُس کے ساتھ ظاہری اخلاق نہ چاہئیں۔ بلکہ اُس سے بے پرواہ رہے اور اُس کی طرف توجہ نہ کرے۔ لیکن جس طرح پہلے گذر چکا ہے اُس کے واسطے غائبانہ دعا کرنے سے قصور نہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا بد کار فائدہ جب انسان اچھی عادتوں کے ساتھ مزین ہو جائے اور بد عادتیں اس سے دور ہو جائیں اور روزہ اور نماز باقی عبادات سے آراستہ ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ کی محض عنایت اور توفیق جانے اور اپنی کوشش اور علمی اور عملی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے اس واسطے کہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کے ہم جنس اور اسی جیسی عقل اور سمجھ والے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ وہ فضائل اور رذائل کو جانتے بھی نہیں اور بہت سارے باخبر بھی ایسے ہیں کہ اُن کی ماہیتوں کو پوری تمیز اور آن کے اسباب اور علامتوں اور نفعوں اور نقصان کو جاننے کے باوجود بھی بد عادتوں سے خالی نہیں ہو سکتے اور عمدہ خصائل سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔

پس ہر صبح اور شام کو بلکہ ہر وقت اور ہر گھڑی مضمون اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ ۔ کا اقرار اور اعتراف کرتا رہے اور اپنے آپ کو محض عاجز اور ناچیز سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے کبھی بے خوف نہ رہے اور رجا کی جانب کو غالب رکھے دوسری ہدایت ۔ بدعادتوں کے مفصل معالجہ کے بیان میں اور اس میں ایک تمہید اور گیارہ افادے ہیں تمہید بدعادتوں میں سے یہ دس عادتیں نہایت ہی خبیث ہیں۔ پس طالب حق کو چاہیئے کہ تمام بدعادتوں سے اُن کے دُور کرنے کی اس حد تک تخصیص کرے کہ یہ کبھی بھی اس کے دل میں کھٹکنے نہ پائیں اور اُن کی طرف اس کا دل مائل نہ ہو۔ اور اُن میں سے ہر ایک خصلت کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر اور بغض کا موجب اور اُس کے قبول اور رضا کی بارگاہ سے نہایت دوری کا باعث جان کر نہ دل سے اُس کا دشمن بن جائے اور اُس کو اپنے محبوب کے وصال سے بھاری مانع سمجھے اور اوامر اور نواہی کے اہتمام میں اس قدر تعمیم کرے کہ مسلمانوں کی راستے سے کانٹا دور کرنے جیسا ادنیٰ حکم اور مسجد میں تھوک ڈالنے جیسا ادنیٰ ممنوع اس کے اہتمام کے لحاظ اور اعتبار کی نظر سے رہ نہ جائے اور ایسے امور کے صادر ہوتے سے بے پروائی نہ کرے اس لئے کہ کمال محبت تو یہی ہے جو کہ قبولیت کا سبب بنتی ہے اور اس درگاہ میں مشکل کام کے بہ نسبت سہل کام زیادہ مقبول ہوتا ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مسلمانوں کی راہ سے خار دار شاخ دور کرنے کی وجہ سے ایک شخص بہشتی ہو گیا۔ اور اگر کسی وقت اوامر یا نواہی کے اہتمام میں کچھ سستی یا غفلت ہو جائے تو نفس کو اس سستی کے بدلے مناسب سزا دے اس واسطے کہ ہر نفس اپنا آرام چاہتا ہے اور جب کہ احکام اور نواہی کی مخالفت میں تکلیف اور ذلت پائے گا اور عبادات پر ہمیشگی کرنے اور اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز کرنے کے بغیر یقیناً خلاصی کو محال جانے گا تو خود بخود امور شرعیہ کا انحراف اس میں پیدا نہ ہو گا۔ اس لئے کہ ہر نفس کو تکلیف اور ذلت سے بچنا منظور ہے اور جب حکم الٰہی کی بجا آوری میں وہ اپنا بچاؤ سمجھیگا۔ تو مخالف راہ اختیار نہ کریگا۔ اور سزا کا نمونہ یہ ہے کہ نماز سے سستی کرنے کے مقابلہ میں جو کہ بہت کھانے اور پینے سے پیدا ہوتی ہے" روزہ رکھے اور اگر دوست یاروں کی ہم نشینی اور دلپذیر باتوں سے رکاوٹ پیدا ہوئی ہے تو گوشہ نشینی اختیار کرے اُن کی صحبت چھوڑ دے اور اس قسم کی باتوں سے خاموشی لازم جانے اور وہ دس بدعادتیں اس رباعی میں بیان کی گئی ہیں رباعی خواہی کہ شود دل چوں آئینہ ؛ دہ چیز بروں کن از درونِ سینہ ؛ حرص و طمع و بخل و حرام و غیبت ؛ کذب و حسد و کبر و ریا و کینہ ؛ حرص اور طمع میں یہ فرق ہے کہ حرص تو موجود چیزوں میں ہوتی ہے اور غائب خیالی چیزوں کی خواہش طمع ہے خواہ وہ چیزیں بعید الوقوع ہی ہوں پہلا افادہ کافی قدر کے حاصل ہوتے زیادتی کی طلب اور خواہش حرص ہے پس اگر اس

زیادتی کی مقدار جو نفس کو مطلوب ہے موجود چیز کی مقدار سے کم ہو تو مطلوب نفس کے انداز سے پر موجود سے خیرات کر دینا اور باقی پر قناعت کرنا اس کا علاج ہے مثلاً ایک سیر موجود ہے اور نفس حرص کی وجہ سے آدھ سیر کی زیادتی چاہتا ہے تو آدمی کو چاہیئے کہ اس ایک سیر سے آدھ سیر خیرات کر دے اور باقی آدھ سیر پر قناعت کرے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور نفس کو کہہ دے کہ اگر تو موجود چیز پر قناعت نہ کریگا تو اسی طرح میں تیری مخالفت کروں گا اور لباس اور مکان اور ان کے سوا اور جن چیزوں میں نفس کی حرص معلوم کرے ایسا ہی عمل درآمد کرے اور اگر نفس کی خواہش موجود چیز کے برابر یا اس سے کئی گنا ہو تو بھی موجود کا نصف خیرات کر دے اور مذکور کلام سے نفس کو تنبیہ کرے اور اگر پھر حرص باقی رہے اور نفس موجودہ مقدار پر قناعت نہ کرے تو پھر اس کا نصف صدقہ کر دے اور اسی کلام سے نفس کو خطاب کرے پھر بھی اگر وہ بد عادات اس کے نفس سے بالکل زائل نہ ہوئی تو پھر قدر موجود میں سے نصف دیدے اور نفس کو وہی بات کہے۔ القصہ یا تو نفس قدر موجود پر قناعت کرے گا اور وہ بد عادات اُس سے جاتی رہیگی یا وہ مرغوب چیز بالکل اُس کے ہاتھوں سے جاتی رہیگی اس طرح کرنے سے حرص کی جڑھ اُس کے دل سے اکھڑ جائیگی۔ دوسرا افادہ طمع کا یہ علاج ہے کہ جب کسی چیز کی طمع اُس کے دل میں آئے تو اُس قسم کی جو چیز فائدہ میں اُس جیسی چیز کے پاس موجود ہو۔ اُسی کو للہ خرچ کر دے مثلاً اگر عمدہ پوشاکوں کی طمع اُس کے دل میں آجائے تو زینت کے موجود لباس کو خیرات کر دے۔ اور اگر عام چیزوں کی طمع اُس کے دل میں کھٹکے تو آہستہ آہستہ تمام موجودہ اشیاء کو خرچ کر دے اس بد عادات کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ اُس کا نفس اس سے پاک ہو جائے یا ساری مرغوب چیزیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ لیکن مال کو اس طرح نہ خرچ کرے کہ اس سے کسی ناجائز کام کا ارتکاب لازم آئے مثلاً جس لباس سے ستر عورت کرتا ہے یا اُس کے ساتھ گرمی یا سردی سے بچتا ہے نہ دے یا اپنی گزران کا سارا سرمایہ برباد کر کے اسقدر محتاج ہو جائے کہ بھیک مانگنے لگے۔ اس طرح کا خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ اس طرح سے طمع کا علاج کرنے میں صریح ناجائز کام لازم آتا ہے اور ناجائز سے بچنا لازم ہے پس اس طرح ہرگز خرچ نہ کرے مگر اس قوی ہمت کو اپنا تمام سرمایہ صرف کرنا جائز ہے جو اپنی معاش کا تمام سامان خرچ کر دینے کے باوجود بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہوگا اور شریعت کے حکم پر مضبوط رہے گا۔ تیسرا افادہ صفت ذمیمہ بخل جو دل کے ساتھ چسپاں ہو اگرچہ بظاہر اُس کے آثار میں سے کوئی اثر آشکارا نہ ہو اُس کا یہ علاج ہے کہ ہر حال میں اپنے آپ پر بخشش کے اعلیٰ مراتب کا التزام کر رکھے اور ہمیشہ سخی لوگوں کے طریقہ پر چلنا اختیار کرے تاکہ کبھی بھی اس کا وسوسہ اُس کے دل میں نہ آئے فائدہ طمع اور بخل کے علاج میں یہ فرق ہے کہ طمع کے دفع کرنے کے واسطے تو اپنی ضروری حاجات کے سوا جو کچھ اُس کے

پاس موجود ہو دیدے اور بخل کے دور کرنے کے لئے جس چیز پر خیال گزرے دیدینی چاہیئے اگر کوئی بخیل اپنا تمام اسباب خرچ کرکے بے سامان فقیر بن جائے۔ تو بھی بخل کی بدعادت اُس سے دور نہ ہوگی بلکہ اس بدعادت کے دور کرنے کا یہ طریق ہے کہ جب کپڑے کا دینا اس پر گراں گذرے تو کپڑا دیدے اور اگر طعام کا دینا دشوار معلوم ہو اور نفس اُس کے دینے سے سرکشی کرے تو وہی کھانا فقیر کے حوالے کردے اور اپنی تمام مملوکہ چیزوں میں اسی طرح کا تصرف کرے یہاں تک کہ اُس کی مملوکہ چیزیں ختم ہونے کو پہنچیں۔ اس وقت مال کے خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لے اور حلال طریق سے اور مال حاصل کرے پھر اس مال میں اس طرح کا تصرف کرے اور اس بدعادت کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ نفس اُس سے پاک ہو جائے اور جب رات دن نفس کے ساتھ اس طرح کا مقابلہ کرتا رہا اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہ بدخصلت اُس سے دور ہو جائے گی چوتھا افادہ حرام کا یہ علاج ہے کہ جب نفس حرام کی خواہش کرے تو اس حرام کی جنس کا جو حلال ہو اس کو بھی ترک کردے خواہش نفسانی سے اس کا تناول نہ کرے بلکہ جان بچانے یا شرعی عبادات اور احکام کے بجالانے یا حقداروں کے حق ادا کرنے کے واسطے استعمال کرے مثلاً نفس کہے کہ غیر کا مال چھین کر یا چرا کر کھانا چاہیئے تب حلال طعام بھی خواہش کے وقت اُسے نہ دے اور جب نفس چاہے کہ اس وقت کھانا کھا کر آرام کرنا چاہیئے اُس وقت کھانا نہ کھائے بلکہ جب وقت کے بدل جانے سے کھانے کی خواہش اور بھوک جاتی رہے تو اس نیت سے کہ ضعف بدنی جہاد جیسی عبادات شاقہ یا نماز جیسی عبادات غیر شاقہ ماندگی کا باعث ہوگا بقدر حاجت کھالے اور طعام کی جنس میں بھی اسی طرح کرے۔ مثلاً نفس چاہے کہ فلاں کھانا کھانا چاہیئے تو ضرورت ٹالنے کے لئے دوسری قسم کا کھانا کھائے اور دوسری قسم کی حرام خواہشوں کو بھی اسی پر قیاس کرے مثلاً اگر نفس زنا کی خواہش کرے تو حلال مجامعت سے بھی نفس کے ارادے کے مطابق پرہیز کرے اور وقت اور حالت کو ٹال کر بی بی کا حق ادا کرنے کے واسطے دوسرے وقت میں جماع کرے فائدہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیگانی عورت کے دیکھنے اور اس کی طرف اپنے دل کے میلان کے وقت اپنی حلال عورت کے ساتھ حاجت کو دور کرے جیسے مشکوٰۃ شریف میں ہے اِنَّ الْمَرْاَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدَکُمْ اَعْجَبَتْہُ الْمَرْاَۃُ وَقَعَتْ فِیْ قَلْبِہٖ فَلْیَعْمَدْ عَلٰی اِمْرَاَتِہٖ فَلْیُوَاقِعْھَا فَاِنَّ ذَالِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ یعنے بیشک عورت شیطان کی شکل میں سامنے ہوتی ہے اور اسی کی شکل میں پیٹھ پھیرتی ہے جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آجائے اور (اُس کی محبت) اُس کے دل میں بیٹھ جائے تو اُسے چاہیئے کہ اپنی عورت کا ارادہ کرے اور اُس سے صحبت کرے بیشک یہ کام اس

کے دل کی بات کو دور کردیگا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا پس آنجناب کو وہ عورت اچھی معلوم ہوئی پس آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لیگئے وہ خوشبو تیار کر رہی تھیں اور اُن کے پاس اور بھی چند عورتیں بیٹھی تھیں۔ پس وہ مکان کو خالی کرنے کے واسطے وہاں سے چلی گئیں تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حاجت پوری کی۔ اور فرمایا ایّما رجل رای امراۃ فاعجبتہ فلیقم الی اھلہ فان معھا مثل الذی معھا یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور وہ اُسے خوش لگے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے اہل کی طرف اُٹھ کر چلا جائے کیونکہ اُس کی بی بی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اُس کے پاس ہے یعنی حاجت روائی میں دونوں برابر ہیں یہ سنت قولی اور فعلی بیان مذکور کے مخالف نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث شریف میں پاک پرہیزگار کے حال کا بیان ہے اور بیان مذکور اُس بدکار حرام کے گرفتار کا معالجہ ہے کہ اس کا نفس ارتکاب حرام سے ہرگز باز نہیں آتا۔ پس اس کا علاج خواہش نفس کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں اللہ عزوجل نے فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى یعنی ولیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اور نفس کو خواہش سے روکا اور اس مقام کی پوری ماہیت یہ ہے کہ جماع کی خواہش دو طرح پر ہے ایک تو یہی کہ نفس اس کی لذت میں مستغرق ہو جائے اور دل کا حرام کی طرف مائل ہو جانا اور حرام سے باز نہ آنا اور خاص کر اس وقت کہ نفسانی اور شیطانی لذت حلال میں کم ہو اور حرام میں زیادہ ہو حلال سے انحراف کرنا اس کے آثار میں سے ہے مثلاً ایک شخص کی منکوحہ نہایت خوبصورت خوش وضع اور خوش لباس ہو اور ایک دوسری عورت ایسی تو نہیں لیکن عین جماع کی حالت میں شہوت انگیز ادائیں اور صدائیں پوری بے حیائی سے کرتی ہے وہ نفس وشیطان کے دام کا گرفتار اس دوسری عورت کی طرف زیادہ مائل ہو گا۔ اور اس کی وجہ لذت جماع میں گرفتار ہو جانے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ناتوانی اور مادہ منی کی قلت کے باوجود شہوت انگیزی میں تکلف اسی کے آثار میں سے ہے اس کے حال کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بیان فرماتے۔ بیت۔ بہ بے رغبتی شہوت انگیختن ؛ برغبت بود خون خود ریختن ؛ جماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ منی سے مکان منی کے سخت بھر جانے کی وجہ سے انسان کی طبیعت اُس کی طرف مائل ہو جائے اس سیلان میں کسی عورت یا طریق جماع کی کسی خصوصیت کو کچھ دخل نہیں اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح بول کے ساتھ مثانہ بھر جانے کے وقت انسان کی طبیعت میں قلق اور بے آرامی پیدا ہوتی ہے اور اسے بے آرامی کی وجہ سے چار و ناچار دفع حاجت کے لئے کوئی مکان تلاش کرتا ہے اور جب کوئی مناسب مکان مل جائے اور اس میں بول کرنے سے کوئی شرعی یا عقلی مانع ہو تو اس شخص کی طبیعت اس مکان کی طرف متوجہ ہوتی ہے

اور جب تک اُس کو حاجت سے فراغت حاصل نہ ہو اُس کا خیال اسی مکان کی طرف لگا رہتا ہے اور اگر کوئی مانع ہو مثلاً ایسا مکان ہو کہ اُس کا مالک اُس جگہ بول کرنے سے ناخوش ہو۔ یا اسی جیسا کوئی اور مانع ہو تو اُس کا دل اُس مکان کی طرف متعلق نہ ہوگا۔ لیکن وہ بے آرامی کہ کثرت بول کے سبب لگی ہوئی ہے سخت ہو جائیگی پس اس مکان کی خصوصیت یا غصب یا بیع یا ہبہ جیسے وجوہ تحصیل کی طرف اس کی طبیعت کو مطلق توجہ نہ ہوگی۔ اسی طرح جب کہ منی کا ظرف بھر جائے طبیعت میں سخت شہوت ظاہر ہو جاتی ہے پس جس وقت اپنی قضائے حاجت کے مناسب کسی عورت کو دیکھتا ہے اُس کی شہوت کا جوش بڑھ جاتا ہے اور جب تک اس کی حاجت پوری نہ ہو اُس کا خیال اپنی حاجت سے لگا رہتا ہے پس اس میلان میں اُس عورت کی خصوصیت کو کچھ دخل نہیں ہوتا بلکہ اس عورت اور حرام کاری سے برکنار رہتا ہے لیکن جماع کا وہ اشتیاق جو اس عورت کے دیکھنے سے اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کے دل میں رہتا ہے یہاں تک کہ حلال سے اپنی حاجت کو پورا کرلے پس حدیث شریف کا مورد یہی دوسری قسم ہے چنانچہ فَاِنَّ ذٰلِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ فَاِنَّ مَعَھَا مِثْلَ الَّذِیْ مَعَھَا کا فقط اس سے خبر دے رہا ہے اس لئے کہ اس جگہ محض حاجت روائی میں مماثلت مقصود ہے صورت اور سیرت میں مماثلت مراد نہیں اس جگہ سے معلوم ہوا کہ جناب امام المعصومین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دل میں اجنبی عورت کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ محض حاجت کے پورا کرنے کا وہ تقاضا جو دل میں چھپا ہوا تھا ظاہر ہو گیا اور پہلی قسم سے نفس کی مخالفت جو کہ نفس کو اس کی خواہش سے روکنے میں داخل ہے ایک ایسا امر ہے جو اہل شرع اور اہل عقل دونوں کے ہاں مسلم ہے شعر وَالنَّفْسُ کَالطِّفْلِ اِنْ تُھْمِلْہُ شَبَّ عَلٰی - حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْہُ یَنْفَطِمٖ یعنی نفس بچے کی مانند ہے اگر تو اس کو چھوڑ دے تو دودھ پینے کی محبت پر وہ جوان ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا دودھ چھڑا دے تو دودھ چھوڑ بھی دیتا ہے خلاصہ کلام اس فن کی اصطلاح کے بموجب یہ حدیث شریف حقوق نفس کے ادا کرنے کے بیان میں ہے اور مذکورہ معالجہ اُس کو اپنی لذتوں کی پیروی کرنے سے پاک کرنے کے بیان میں ہے

پانچواں افادہ۔ غیبت کا علاج یہ ہے کہ اگر صرف اُس کا خیال ہی دل میں گذرے تو چاہیئے کہ ماسوی اللہ سے منقطع ہو کر نہایت زاری کے ساتھ اُس شخص کی بہتری کی دعا کرے جسکی غیبت کا خیال دل میں گذرا ہے اور بہتری بھی وہ ہونی چاہیئے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہو اور دعا بھی ایسی کیفیت سے ہونی چاہیئے کہ اپنی اشد ضرورت کے موقع پر کیا کرتا ہے اور اگر اس کام میں نفس سستی کرے تو نفس کے درپے ہو کر خواہ یہ دعا کرے اور نفس کو اس دعا میں ہرگز سستی نہ کرنے دے بلکہ دو یا تین روز تک اُس کے درپے رہے۔ اور غیبت ہو جائے تو دعا کے علاوہ اُس شخص سے اپنا قصور معاف کرائے اور تنہائی میں اُس کو کہے کہ میں نے تیری غیبت کی ہے ظاہر کرنے کا تو یہ فائدہ ہے کہ نفس اپنے عیبوں کے ظاہر کرنے سے بھاگتا ہے اور اپنے عیب

کا ہرگز اقرار نہیں کرتا اور عیب کے ظاہر کرنے میں نفس کو سخت شکستگی پہنچتی ہے اور تنہائی کا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کا شائع کرنا منع ہے اور ناجائز کام کا کرنا بُرا اور اُس کا افشا اور بھی بُرا ہے اور شخص کو بھی اس کے اظہار سے منع کرے چھٹا افادہ جھوٹ اگر محض زبانی لذت کے واسطے ہو اور اُس میں کسی کا نفع نقصان نہ ہو تو اس کا علاج خاموشی ہے اور مجلسوں میں بھی گفتگو سے پرہیز کرے تاکہ کلام کی لذت اُس کے دل سے جاتی رہے اور مجلسوں میں بیٹھنے سے پرہیز نہ کرے بلکہ مجلسوں میں بیٹھ کر خاموش رہے کیونکہ یہ بات نفس پر نہایت شاق گذرتی اور اگر دو شخصوں کے درمیان بگاڑ اور فتنہ انگیزی کے لئے جھوٹ بولا ہے تو اس کا علاج غیبت کے علاج کی مانند ہے دونوں کو اکٹھا کر کے تنہائی میں ان کو مطلع کرے کہ میرے نفس نے مجکو تمہارے درمیان فساد ڈالنے پر اغوا کیا تھا میں تم سے اس قصور کی معافی چاہتا ہوں اور اُن کو اپنے آپ سے راضی اور خوش کرے اور ہمیشہ اُن کی بہتری میں کوشش کرے اور جو امر کہ اُن کے زیادہ اتحاد کا باعث ہو اُس میں نہایت سعی بجالائے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو اُن سب کو اکٹھا کرے۔ اور لطور سابق اغیار سے پرہیز کرے اور غیبت اور کذب میں اہل حق سے معافی طلب کرنے سے پہلے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ نصوح کرے۔ کیونکہ اس کا حق تمام اہل حقوق کے حقوں سے اعلیٰ اور اصل ہے ساتواں افادہ حسد اگر صرف دل میں ہو تو اس کا علاج تو محسود کے کمالات اور عزت اور مرتبے کی زیادتی کے لئے جس میں حسد کیا ہے دعا کرنا ہے اور جیسا غیبت کے بیان میں مذکور ہوا ہے۔ نہایت زاری کے ساتھ دعا کرے اور ظاہر میں بھی حتی المقدور اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ محسود کی ترقی میں کوشش کرے تاکہ حسد کا وسوسہ نفس کے مقابلہ اور مخالفت کے باعث اُس کے دل سے جاتا رہے اور پھر کبھی نہ آئے اور اس محسود مسلمان کو فائدہ حاصل ہو اور اگر حسد کے آثار میں سے کوئی اثر ظاہر ہو گیا مثلاً جو کمال حسد کا باعث ہوا ہے اس میں محسود کی نالائقی کی نسبت کوئی کلمہ اُس کی زبان سے نکل گیا ہو تو محسود کو اس پر مطلع کر دے اور جس کے سامنے اُس کی نالائقی کی بابت کہا ہو اُس کو بھی اپنی غلطی کی خبر دے کر اپنے قصور کا اقرار کرے اور جسقدر اُس کی لیاقت معلوم ہو نہایت خوبی اور عمدہ تقریر کے ساتھ بیان کر دے مثلاً آقا کے حضور میں کسی شخص کی نسبت حسد سے کہا ہو کہ وہ لیاقت اور اعتبار کے لائق نہیں تو اُس شخص کو بھی اطلاع دیکر اپنے قصور کا اقرار کرے اور اس سے معافی مانگے اور آقا کو بھی اپنی غلطی پر آگاہ کر کے نالائقی کے بجائے اس کی لیاقت اُس کے ذہن نشین کر دے۔ جتلانے کا یہ فائدہ ہو گا کہ وہ شخص بھی اپنے کام کے خلل سے آگاہ ہو کر اُس کا تدارک کریگا اور اگر واقعی لیاقت والا ہے تو اپنی لیاقت کو ظاہر کریگا۔ ورنہ اظہار لیاقت کے بغیر ہی کوشش کریگا آٹھواں افادہ اگر کسی شخص کی نسبت تکبر ظاہر ہو گیا تو حد سے زیادہ اس کے سامنے ذلت اختیار کرے اگرچہ اسقدر تذلل اور تعظیم کیوجہ سے لوگوں کی مجلسوں میں اُس کی حرکات کی نقلیں ہوں۔ اور اپنے ہم جنسوں میں اس پر ہنسی اُڑے اگر اللہ تعالےٰ

کی رضا کا طالب ہے اور اپنے آپ کو اُس کے طالبوں کی سلک میں داخل کرنا چاہتا ہے تو کسی بات کی پروانہ کریگا۔ تم دیکھتے نہیں یہی باعزت لوگ ہوتے ہیں جب اپنے آپ کو آزادوں کے زمرے میں داخل کرتے ہیں اُن کا لباس اور اُن کی روش کے قبول کرلے ہیں جو بالکل عقل کے برخلاف ہے ہرگز کسی چیز کی پروانہیں کرتے بلکہ اُس کو اپنی عزت اور فخر جانتے ہیں۔ معزز امیرزادہ ہوتا ہے وہ ہیجڑوں کی محبت کا شکار ہو کر وہ سب باتیں جنکو کوئی سلیم الطبع آدمی گوارا نہیں کرتا جان و دل سے قبول کر کے انہیں اوضاع و اطوار کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں میں لوگوں کے سامنے پھرا کرتا ہے اگر سچا خدا کا طالب ہے تو ان امور سے ہرگز انکار نہیں کریگا جو کہ عقل اور شریعت کے بالکل موافق ہیں گو مرضیات الٰہی سے بیخبر لوگوں کی ناقص عقلوں کے مخالف ہیں اور تذلل سے بھی یہ بناوٹی تذلل یعنی سر جھکا لینا اور زمین چوم لینا مطلوب نہیں بلکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں اُس کی حقیقت جدا اور علیحدہ ہے مثلاً جو شخص کہ مشائخ کے لباس میں ہو اور مشائخ میں سے کسی شخص کی بہ نسبت تکبر کیا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اُس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ اس شخص نے اُس شخص سے طریقت کا فائدہ حاصل کیا ہے اور اپنے نقصان کو اس کی صحبت میں پورا کیا ہے۔ نواں افادہ مثال کے طور پر ریا کا علاج یہ ہے کہ جو ریا نمازیں عارض ہو جائے اُس کے خیال کو اپنے مقدور کے موافق دور کرے اور اگر کوشش کے باوجود بھی دفع نہ ہوئی تو ریا کے لمحوں کو گن کر یاد رکھے اور تنہائی کے وقت میں مثلاً رات کے وقت جبکہ بالکل اکیلا ہو اور کسی آدمی کے آگاہ ہونے کا امکان نہ ہو پس اگر یہ معاملہ دو رکوت والی نماز میں ہوا ہو تو دو رکعتیں اور اگر چار رکعت والی نماز میں ہوا ہو تو چار رکعتیں لمحات ریا کی گنتی کے موافق نہایت ہی حضور اور خلوص کے ساتھ ادا کرے اور اگر اس وقت بھی خلل ہو تو جس نماز میں خلل واقع ہوا ہو اس کو گنتی سے ساقط کر دے اور دوسری دفعہ پڑھے یہاں تک کہ لمحات مذکورہ کے برابر ریا سے پاک اور خالص نماز پوری ہو جائے اور اُس کے پورا کر لینے تک نفس کو ہرگز نہ چھوڑے اور اسی طرح اگر للہ دینے میں ریا پیش آئے تو اپنے نفس کو جھڑکے کہ محبوب مال کا دس گنا اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں گا اور باز نہ آئے تو ایسا ہی کرے بلکہ نفس کی کمال سرکشی کی صورت میں اس کو کہے کہ جسقدر تو چاہتا ہے سیر ہو کر اپنا کام کر انشاء اللہ تعالیٰ تو اس کی پوری سزا پائیگا پھر اسی سرکشی کے موافق اُس کو سزا دے اور فرضوں کے ادا کرنے میں ریا نہیں سنتیں اور نفل ریا کا مقام ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ ریا پیش آگئی ہے یا آجائیگی سنتوں یا نفلوں کے چھوڑ نہ دے۔ بلکہ پڑھے۔ اور جس طرح ریا کا علاج مذکور ہوا ہے اس کی تعمیل کرے دسواں فائدہ اگر کینہ دل سے تجاوز نہ کر چکا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ اس طرح سے اخلاص کا طریقہ اختیار کرے کہ اُس کے دل میں بھی اخلاص پیدا ہو جائے اور دلی موافقت کے سوا ظاہری اخلاص کا کچھ

اعتبار نہیں۔ اور اگر کینے کی وجہ سے کوئی بات یا حرکت ظاہر ہو جائے تو جیسے مفصل بیان ہو چکا ہے معافی مانگنا اور اپنے قصور کا اقرار کرنا اور اخلاص اور دوستی میں کوشش کرنا ہی اُس کا علاج ہے گیارھواں افادہ۔ جب آدمی یاد داشت کے طور پر ہمیشہ ان امور مذکورہ کا ملاحظہ کرتا رہے گا تو بکلی امید ہے کہ اُس کو صفائی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن دل میں صرف تصفیہ اور تخلیہ کے گمان پیدا ہو جانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ اس کا امتحان کرے اور امتحان کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ کر اُس سے اپنا امتحان کرے مثلاً خانقاہ پر بیٹھنے والے کسی فقیر نے کسی بادشاہ یا امیر کو نہایت دبدبے اور دھوم دھام میں دیکھکر اپنے دل میں کچھ رشک اور حسد معلوم نہ کیا تو یہ نہ سمجھ لے کہ میں حسد سے پاک ہوں بلکہ اس بدعادت سے اس کی پاکیزگی اُس وقت ظاہر ہوگی کہ اُس کا کوئی پیر بھائی اور ہم خانقاہ اور ہم نسبت اور ہم پیشہ اُن ہی اشغال اور اعمال میں مشغول ہو کر تھوڑی مدت میں بہت سارے فائدے حاصل کر لے اور اس کا وہ پیر اسی کام میں کہ اُس نے اُس کے واسطے مدت دراز تک بہت ساری محنتیں اٹھائی تھیں بہت جلدی محنت کے سوا ہی منتہی الیہ اور ممتاز ہو گیا۔ اور اُس کے سامنے اُس کا مقدم ہونا اور آگے بڑھ جانا واضح ہو گیا۔ اور اس کام کے داناؤں اور خانقاہ نشینوں اور اُس کے مرشد کی زبان سے جو اس خانقاہ کا رئیس ہے اس کام میں اس کی چالاکی مشہور و معروف ہو گئی اور وہ اس کی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کے سامنے معظم و محترم ہو گیا۔ پس مذکورہ اتحادات کے لحاظ سے اُس شخص کو بہت خوشی حاصل ہو اور کسی وجہ کی کوئی... سوزش اور قلق اُس کے دل میں نہ آئے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ البتہ اس کا اندرون حسد کی بدعادات سے پاک ہو گیا ہے اسی طرح عالم اور سپاہی اور شریف اور پیشہ ور کا حال علیحدہ علیحدہ ہے تیسری فصل عبادات میں خلل انداز چیزوں کے بیان میں اور اس میں دو ہدایتیں ہیں پہلی ہدایت عبادت میں خلل انداز چیزوں کے اجمالی بیان میں اور اس میں دو افادے ہیں پہلا افادہ نام خدا کی محبت اور اس کی تعظیم کا نہ ہونا عبادت کے بڑے مخلوں میں سے ہے اگرچہ ہر شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام محبت اور اس کی تعظیم ہوا کرتی ہے مگر جسقدر کہ کامیابی کا موجب ہو اور جس طرح بزرگان دین کو ہوا کرتی تھی نہیں ہوتی اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کے لئے کچھ غائتیں اور غرضیں ہوتی ہیں کہ انہی اغراض اور غایات کے موافق محبت اور تعظیم بدلتی رہتی ہے مثلاً ایک شخص بہت ساری قیدوں اور شرطوں اور پورے اہتمام کے ساتھ اس غرض سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے کہ اُس کے نام پاک کی برکت سے چند روپیہ کی نوکری ہاتھ آ جائے یا کسی سردار یا امیر کے سامنے معزز ہو جاؤں جسقدر وہ غرض زیادہ ہوتی ہے تعظیم اور محبت زیادہ ہوتی ہے دنیا کی اغراض میں سب سے اعلیٰ سلطنت اور بادشاہی ہے اگرچہ اس عمدہ

غرض کے واسطے جو شخص اللہ عزوجل کا نام یاد کریگا اس نام پاک کی تعظیم اور محبت اس کے دل میں احاطہ بیان سے باہر ہوگی لیکن رب العباد کے اس فرمان لازم الانقیاد قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ[1] اور حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فرمان ہدایت نشان لَوْ کَانَتْ تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی مِنْھَا کَافِرًا شَرْبَۃَ مَآءٍ[2] کے بموجب یہ دنیا فانی اور تھوڑی اور ذلیل چیز ہے جس شخص نے اللہ تبارک و تعالےٰ کے نام کو اس کے حاصل ہونے کا واسطہ بنایا اس نے اس بلند نام کا مرتبہ اور اس کی قدر نہ جانی اور اکثر اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دنیا کی یہی حقیقت دینداری کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور اپنے آپ کو اسی لباس سے آراستہ کر کے جلوہ دیتی ہے مثلاً کوئی شخص اس نیت سے اذکار الٰہی پر ہمیشگی کرے کہ میں ایسا کمال حاصل کروں کہ اُس کے وسیلے سے بادشاہ اور امیر اور عزت والے لوگ میرے سامنے سر جھکائیں اور میرے پاس التجا کرے اور میرا نام و نشان اور میرے کمالات کا آوازہ زمانہ دراز تک باقی رہے اور دور دراز کے ملکوں میں میری ولایت کا آواز مشہور ہو جائے دراصل اِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ[3] اور اس کا حال ظاہر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ قاری اور سخی اور شہید کو قیامت کے دن لائیں گے اُن اشخاص مذکورین میں سے ہر ایک محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی کوشش بیان کریگا اور ظاہر اور باطن کا جاننے والا جو کہ دل کے بھید سے واقف ہے ہر ایک کو اُن کی اُس نیت پر کہ اپنی مشہوری اور آوازہ ہی چاہتے تھے مطلع فرما کر دوزخ میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔ اس بیان سے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ رزق کی طلب یا امور دنیاوی کے لئے اذکار الٰہی حرام اور منع ہیں یہ بات تو صریح تو نصوص قاطعہ کے برخلاف ہے بلکہ اس موقع پر تو اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم کے درجوں کا فرق بیان کرنا مقصود ہے کہ ذکر کرنیوالے ان میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور اُن تینوں فرقوں کا جہنم میں داخل ہونا جو حدیث شریف میں مذکور ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن فعلوں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی طلب کر سکتے ہیں اور دنیا بھی حاصل کر سکتے ہیں انکو دو وجہ سے ادا کیا جاتا ہے ہے کہ وہ فعل بجالا کر یہ ظاہر کیا جائے کہ محض اللہ عزوجل کے لئے کئے گئے ہیں حالانکہ اپنے دل میں غیر خدا کی رضا کے حاصل کرنے کی نیت ہوتی ہے پس بیشک اس کا فاعل تو بارگاہ الٰہی سے دھتکارا ہوا اور دوزخ میں داخل ہونے کے قابل ہے اور ایسے ہی اشخاص کا حال کا بیان حدیث مذکور میں واقع ہوا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ افعال مذکورہ بجالا کر اپنی دلی نیت کے موافق غیر خدا کی رضامندی کا طلب کرنا

[1] یعنی اے پیغمبر کہدو کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے [2] اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ عزوجل اُس سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا [3] یعنی یہ سب کچھ دنیاوی زندگی ہی کا سامان ہے اور تیرے پروردگار کے ہاں آخرت (کی بہتری) پرہیزگاروں کے لئے خاص ہے ؛

ظاہر کرے پس یہ شخص اگرچہ بارگاہ الٰہی میں حقیر ہوگا۔ مگر اسقدر نہیں کہ اُس کے دوزخ میں داخل کرنے کا حکم صادر ہو۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ یہی دنیاوی کام دھندے ہیں جو صحیح نیتوں کی وجہ سے اچھی خاصی عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً نیند کہ سراسر غفلت اور حجاب ہی معلوم ہوتی ہے صحیح ارادے اور درست نیت کی باعث ریاکاروں کی عبادت سے بہتر ہو جاتی ہے عبادت میں اخلاص کرنے والے کے لئے جب پنجوابی حواس کے تھک جانے کا باعث ہو جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور عبادات کی کیفیتوں میں خلل انداز ہو جاتی ہی تو وہ بے ریا مخلص اُس لذت اور اُن کیفیتوں کا مشتاق ہو کر ان کے دوبارہ حاصل ہونے کو خواب میں ہی منحصر جان کر اسی ارادہ اور نیت سے سو جاتا ہے (اور اُس کا یہ سو رہنا) صد ہا ریاکاروں اور غافلوں کے نماز پڑھنے سے بہتر ہوگا۔ بلکہ اُس کی نیند کو ریاکار کی نماز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ تاکہ اس کو بہتر کہا جائے کیونکہ اُس کی نماز تو خداوند تعالیٰ کی درگاہ سے دوری اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے۔ اور عالم علوی سے اُس پر پھٹکار پہنچتی ہے اور اس سونے والے پر صدہا رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا اس پر فیضان ہوتا ہے وَشَتَّانَ بَيْنَ الْمَرْتَبَتَيْنِ یعنی ان دونوں مرتبوں کے درمیان بڑا فرق ہے اور جب دنیاوی غرضوں کا تقاضا معلوم ہو گیا۔ تو اُخروی اغراض کی طرف انتقال کرنا چاہیئے اگرچہ آخرت کی تمام غرضیں بہتر ہیں لیکن ان سب میں مرتبوں اور درجوں کا بہت بڑا فرق ہے۔ اہل جنت کے مرتبوں اور درجوں کے تفاوت سے آخرت کی اغراض کا فرق معلوم کرنا چاہیئے ان ہی خصال فطرت یعنی مسواک اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے اور مانگ نکالنے اور استنجا کرنے اور استرہ لینے اور ختنہ کرنے اور بغلوں کے بال اکھیڑنے کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ معتبر مفسرین کے قول کے موجب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا انہی امور سے امتحان کیا گیا۔ اور اسی معتبر کسوٹی کے ساتھ ان کی استعداد کے نقد کو پرکھ کر امامت کبریٰ کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اور یہی نماز اور روزہ اور قرآن شریف کا پڑھنا اور اذکار اور جہاد اور زکوٰۃ اور حج ہے کہ انہی کے ادا کرنے سے ارادوں اور نیتوں کے فرق کے باعث حضرت صدیق اور فاروق اور انہی جیسے دوسرے لوگوں کے مرتبے بدل گئے پس اللہ کے نام پاک کی محبت اور تعظیم میں اسی کی رضامندی کا طلب کرنا سب غرضوں اور تمام نیتوں سے بہتر ہے اس کے نام سے اس کے سوا کچھ نہ مانگے اور اُس کے سوا کسی دنیاوی یا اُخروی مطلب کو اُس کی اُجرت نہ سمجھے بلکہ وہ جلیل القدر انعام کہ دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہی ہے کہ اُس کے پاک نام کے ذکر کی توفیق اور قوت ملی ہے اسی انعام کو جو محض اس کی قوت اور توفیق سے ہے مفصل طور پر سمجھ کر اپنے دل میں جگہ دے کر تہ دل سے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ممنون ہو اور اس کی شرح اور تفصیل

یہ ہے کہ ذکر کے مبادی اور اسباب کا ملاحظہ کرے کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں اور یہ سارے اعضا اور وہ ظاہر اور باطنی حواس کہ ہر ایک کو ذکر میں دخل ہے سب اُسی کے عام انعام میں سے ہیں اس کے بعد وہ توفیق بھی جو کہ خاص لوگوں کے واسطے ایک خاص انعام ہے اُسی کی طرف سے ہے اسلئے کہ بہت ایسے شخص ہیں کہ ان کے سارے اعضا اور قویٰ اور دل اور زبان اور فہم اور عقل سب کچھ درست ہوتا ہے اور ہزار دنیوی تقریریں اور معاشی فکر اُس کی زبان اور دل پر گذرتے ہیں اور جونہی زبانی ذکر اور قلبی فکر کا ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے اُس کی زبان پر ایسا بوجھ اور اُس کے دل میں ایسی وہم ظاہر ہوتے ہیں کہ اُس کی زبان اور عقل ہرگز ذکر اور فکر نہیں کر سکتی حاصل کلام انسان کی زبان پر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا جاری ہو جانا ایک بڑی نعمت ہے اسی انعام کو سب انعاموں سے بہتر جان کر جزا اور ثواب کی طلب سے اغماض کرے اس وضع سے اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم تمام کمالات کے لئے اصل اور بنیاد کے جابجا ہے دوسرا افادہ شرعی احکام اور عبادات میں اہتمام نہ کرنا بھی عبادات کے لئے عمدہ خلل انداز ہے اور اس کی اصل بنیاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی راہ دو طرح کے ساتھ اُن کے ہاتھ سے گم ہو جاتی ہے اول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا خیال ہی دل میں نہیں آتا بلکہ محض اپنا کمال جو دراصل نقصان ہے مدنظر ہوتا ہے دوسرے یہ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضاجوئی مقصود ہوتی ہے لیکن اس کے طریق میں خطا واقع ہو جاتی ہے اور جو کچھ اُن کی ناقص رائے میں آتا ہے کہ یہ اُس کی رضامندی کا موجب ہے اُسی کو اس کا وسیلہ بناتے ہیں اور اصلیت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اُس کی رضاجوئی کی راہ سے بالکل بھولا ہوا سمجھ کر اندھے کی مانند یَا بَصِیْرُ خُذْ بِیَدِیْ ہمیشہ اپنے حال کی زبان کا ورد بنائے رکھے اور اللہ عزوجل کی اس ازلی کلام وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کو جس میں اکمل انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث قدسی كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ کو جو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے صادق البیان سرور عالم کی زبان سے فرمائی ہے اچھی طرح سوچ کر اُس کی رضا کے طریق کو اُسی کے جتلانے میں منحصر جانے اور شرع شریف کو جو کہ مضبوط رسا ہے اپنا رہبر سمجھ کر اُس کے خلاف کو کبھی بہتری کا موجب نہ جانے اگرچہ اس کی مخالفت میں کشف و کرامات اور انوار تجلیات کے ظہور اور اہل سموات اور ارواح کے ساتھ مصاحبت کا اُسے گمان ہو فائدہ نا مقبول سالکوں میں اس مانع کے ڈھونڈنے کی یہ علامت ہے کہ وہ مشائخ کے تبلائے ہوئے اوراد میں جو اہتمام کرتے ہیں فرض نماز کے ادا کرنے میں اس اہتمام کا عشر عشیر بھی نہیں کرتے بلکہ جب ملعون شیطان اس

لہ اے آنکھوں والے میرے ہاتھ کو پکڑ لیو ٹہ اور اس نے تجھے بھولا ہوا پا کر ہدایت کی ٹہ تم سب لوگ گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کردوں

جماعت پر قابو پالیتا ہے اور وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ اُن کو راہِ حق سے بہت ہی دور لے جاتا ہے نماز کو سرکاری بیگار کی مانند جانتے ہیں اور جو وقت کہ نماز اور وضو میں گذرتا ہے۔ ضائع جانتے ہیں اور اُسے اپنے لئے کار آمد نہیں سمجھتے معاذ اللہ من ذلک اور یہ تو اس جماعت کا حال ہے جو اسلام کے نام سے موسوم ہے اور جو لوگ اسلام سے خارج ہیں اس مقام میں اُن کے حال کی گفتگو نہیں ہے دوسری ہدایت عبادت میں خلل انداز چیزوں کے تفصیلی ذکر اور اُن کے علاجوں کے بیان میں اور اس میں تین افادے ہیں پہلا افادہ۔ نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں. نفس تو اسی طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکان نماز کے ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ جلدی فراغت حاصل کرکے سو رہے یا آرام کرے اور اپنی محبوب چیز میں مشغول ہو جائے اور نماز کے پڑھنے میں قیام اور رکوع اور سجدہ اور قعدہ مسنون طور پر نہیں کرتا بلکہ لاغر اور فالج زدہ لوگوں کی طرح اس کے اعضا میں سستی اور استرخا پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے اعضا کو ارکان نماز کے ساتھ بے پروائی کی وجہ سے کیف ما اتفق یا جس طرح اُس کی بدنی راحت کے مناسب ہو رکھتا ہے اور اسی طرح تپ زدہ لوگوں کی مانند حواس باطنہ کی پراگندگی اور وہم اور خیال کی پریشانی اس کے معترض حال ہو کر نماز کی طرف قوی باطنہ اور اعضائے ظاہرہ کی توجہ میں بڑا خلل ڈالتی ہے۔ ولیکن شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور نماز کی شان میں سبکی اور اُس سے بے پروائی اور اس کو چنداں کار آمد نہ جاننا اس کے بدترین وساوس سے ہے اور یہ وسوسہ فرض کے استخفاف اور انکار کی وجہ سے بہت جلدی کفر تک پہنچا دیتا ہے اور آدمی کو کافر کر دیتا ہے اور اُس کا ادنیٰ وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کی ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی کو اچھی طرح جاننا چاہئیے ایسا نہ ہو کہ کوئی غلطی یا سہو واقع ہو جائے اور قرآن کے حافظ کو غلطی سے بچنے کے واسطے متشابہات قرآنی کے خیال میں ڈال دیتا ہے باوجود آنکہ وہی نماز خواں ایک دفعہ یا دو دفعہ یا سو دفعہ آزما چکا ہوتا ہے کہ لقائے حضور میں نہ تو رکعتوں اور تسبیحوں کی تعداد میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ قرآن میں تشابہ واقع ہوتا ہے یہ شیطان کا مکر ہے اور رکعتوں اور تسبیحوں اور متشابہات کا یاد دلانا تو اُس کا مقصود نہیں بلکہ نمازی کو اُس کے اعلیٰ مرتبے سے ادنیٰ کی طرف آتارنا مقصود ہوتا ہے یہاں تک کہ کشاں کشاں اپنے اصلی مقصود تک جا پہنچاتا ہے اور اس مردود کا اصلی مقصود یہی انکار اور کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کا وہ مقصود پورا نہ ہو تو لاچار ہو کر بمقتضائے ......

سلے اور ان کے بھائی گمراہی میں ان کو مدد دیتے ہیں پھر وہ قصور نہیں کرتے ؛

اِذَا فَاتَكَ اللَّحْمُ فَاشْرَبِ الْمَرَقَةَ[۱] آہستہ آہستہ گاؤخر کے خیال کی طرف لے جاتا ہے حتی کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے ع برزباں تسبیح ودردل گاؤخر؛ گاؤخر تو ایک مثال ہے حضور خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا ہاتھی ہو یا اونٹ سب کا یہی حکم ہے طالب علم یہ نہ سمجھیں کہ صیغوں اور ترکیبوں میں ہماری سوچ بچار اس قبیل سے نہیں افسوس افسوس بلکہ یہ تو گاؤخر کے خیال سے بھی نماز کا زیادہ مخل ہے اور دانشمند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن میں سے غریب مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرتا ہے اور اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرتا ہے جو مومنوں کے لئے معراج ہے نہیں ہرگز نہیں نماز میں یہ توجہ بھی شرک کی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا۔ اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں بُرا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسی کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اسی مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا۔ اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق یا اخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں۔ پس یہ اُن کے حق میں ایک ایسا کمال ہے کہ مثال کے موقع پر مجسم ہو گیا ہے اور اُن کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آگیا ہے ہاں حاجتوں کی وہ دعائیں جو با کمال نمازی سے مطلق بے نیاز کی ذات میں حاجت روائی کے منحصر ہونے کے اعتقاد کے باعث عین نماز میں صادر ہوتی ہیں اسی قبیل سے ہیں یعنی نماز کے لئے کمال ہے گو وہ قلیل حاجتیں معاش ہی کے متعلق ہوں اور اپنی حاجتوں کے بارہ میں نفس کے ساتھ مشورے کرنا قبیح وسوسوں اور نماز کے نقصان میں سے ہے اور جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیئے

ع کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضرت خضر علیہ السلام کے لئے تو کشتی کے توڑنے اور بے گناہ بچے کے مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا۔ اور دوسروں کے لئے نہایت درجہ کا گناہ ہے جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے والوں میں سے ہو جاتی تھی اس لئے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہٗ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود

---

[۱] یعنی جب گوشت ہاتھ سے جاتا رہا تو شوربا ہی سہی وہی پی لو؛

کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اُس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کُھل جاتا ہے وہ جانتا ہے ہاں بمقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ زنا کے وسوسے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں۔ اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے۔ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے حاصل کلام اس جگہ وسوسوں کے مرتبوں کے تفاوت کا بیان کرنا مقصود ہے انسان کو چاہیے کہ آگاہی حاصل کر کے کسی مانع کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور سے دور کے اور پیچھے نہ ہٹے اور اس موقع پر اس خلل کا علاج اس طرح سے بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو سمجھ سکے۔ پس اگر وسوسہ بدترین وساوس سے ہو تو نہایت ہی التجا کے ساتھ دعا کرے اگرچہ ساری چیزوں کے حاصل ہونے کا مدار اللہ تعالٰے کے فضل پر ہے لیکن بعض چیزوں میں ظاہری اسباب کو کسی قدر مداخلت ہوتی ہے اور ان وسوسوں کا دفع کرنا تو بالکل اُسی کے فضل پر منحصر ہے ظاہری اسباب کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اپنے پیر کی خدمت میں بھی عرض کرے کیونکہ پیر اس کام میں اس سے زیادہ باخبر ہے شاید کوئی عمدہ تدبیر بتلا دے اور دعا کرے اور اگر شیطان یا نفس کی طرف سے اس وسوسے کے علاوہ کوئی اور وسوسہ ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ مثلاً اگر وہ وسوسہ ظہر کی نماز میں پیش آیا ہے تو فرض اور سنتوں سے فارغ ہو کر تنہائی اور خلوت میں وسوسے کو دل سے بالکل نکال کر سولہ رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جب ہے کہ ساری رکعتوں میں خیالات کا سلسلہ لگا رہا تھا اور اگر ساری رکعتوں میں وسوسے نہیں رہے تھے بلکہ بعض تو حضور کے ساتھ خیالات سے خالی پڑھی تھیں اور بعض خیالات سے آلودہ ہو گئی تھیں۔ تو وسوسے والی رکعتوں میں سے ہر ایک رکعت کے بدلے چار رکعتیں ادا کرے اور مغرب کی نماز کے بعد نماز عصر کا تدارک کرے اور اس کے بعد نماز مغرب کا اور اسی طرح عشا کا تدارک اُس کے بعد کرے اور فجر کا تدارک طلوع آفتاب کے بعد چاہیے تاکہ نفل ناجائز نہ ہو جائیں اور چونکہ یہ کام نفس کے واسطے نہایت شاق ہے البتہ باز آجائے گا اور اپنے آپ کو وساوس سے روک رکھے گا اور جس وقت نفس قابو میں آجائے اللہ تعالٰی کا بہت سارا شکر بجا لائے اور شرع کے بموجب اُس کی خواہش کو پورا کرے اور اس کے کام کے بدلے اُسکی دار و مدار کرے اور اس کو آرام دے اور اگر نفسانی یا شیطانی حرکت سے تہجد قضا ہو جائے۔

(۷)

لہ یعنی اندھیرے ہیں جو درجے میں بعض سے بعض اوپر ہیں۔

تو اس دن روزہ رکھے اور اگر روزے میں بھی کوئی شیطانی یا نفسانی مخل واقع ہو جائے تو اس روزی کے ساتھ ساری رات کا جاگنا ملا کر تنبیہ کرے جب شیطان اپنے اثر سے نا امید ہو جاتا ہے تو نفس کو اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے تاکہ اس کا مدعا حاصل ہو جائے اور نفس کی تادیب اور تنبیہ سے نفس اور شیطان دونوں اپنی شرارت سے باز آجاتے ہیں بلکہ نفس حکم خداوندی کا مطیع ہو جاتا ہے اور شیطان کو انسان پر حکومت کرنے کی طاقت نہیں رہتی **دوسرا افادہ** اگر زکوٰۃ کے ادا کرنے سے نفس بہانہ کرے اور اپنے پر اس کو گراں جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی اور شاکر نہ ہو تو زکوٰۃ سے چار گنا اپنے مال سے محض اللہ کے واسطے خرچ کرے تاکہ نفس پھر بہانہ نہ کرے اور اس کو سمجھا دے کہ جسقدر بہانے کریگا میں اسی قدر مال خرچ کروں گا تیسرا افادہ جسوقت حج اور جہاد فرض ہوں۔ اور نفس کو اس کے ادا کرنے سے سست معلوم کرے پس غور کرے کہ کونسی چیز اس امر کا باعث ہے کہ اس کی وجہ سے جہاد اور حج کے ادا کرنے میں نفس سستی کرتا ہے اسی چیز کو چھوڑ دے مثلاً اگر ریاست اور حکومت مانع ہے اور وہ فرماں روائی جو صد ہا لوگوں پر اس کو حاصل ہے اسے نہیں چھوڑتی کہ چست اور چالاک ہو کر حج اور جہاد کا ارادہ کرے تو اپنے لباس اور خوراک اور نشست و برخاست غریبوں اور ذلیلوں کی طرح اختیار کرلے اگرچہ حج اور جہاد بلکہ ساری عبادتیں نفس کے جھگڑے اور کشاکش کے باوجود ادا ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو برکت اور رونق فرصت اور اطمینان میں حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس صورت میں ہرگز ظاہر نہیں ہوتی اور جسوقت نفس مطیع ہو گیا اور عبادت میں نشاط کے ساتھ قدم رکھا یہ کام کئی برکتوں کا باعث اور عبادات میں رونق کا موجب ہو گیا اور اگر امور جہاد میں آجانے کے باوجود بھی نفس اس کے حق کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا اور اپنی محافظت کرتا ہے تو جو کام پوشیدہ طور پر کسی کافر رئیس کے قتل کرنے کی مانند زیادہ مشکل ہو اسی کام کو اپنے ذمے لازم سمجھ کر پورا کرے اور نفس کو سمجھائے کہ اگر تو سستی کریگا تو اسی طرح تجھکو ہلاکت کے مقاموں میں ڈالوں گا۔ یہاں تک کہ وہ باز آجائے اسیطرح کرتا رہے۔

چوتھی فصل ادائے طاعات کے طریقوں کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید ہے اور پانچ افادے ہیں **تمہید** تہذیب اخلاق اور ادائے طاعات سی اصلی مقصود تو نفس کا سنوارنا اور اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ مطمئن ہو جائے اور بد عادات سے پاک ہو جائے اور بد عادتوں سے نفس کا پاک ہونا ہی نیک عادتوں کے ساتھ اس کا موصوف ہونا ہے اور عام اہل سلوک جو اس کو نفس کشی سے تعبیر کرتے ہیں محض خطا ہے کیونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کے

مار ڈالنے کا حکم ہے اور نہ زندگی کے باوجود اس کا کرنا ممکن ہے اور جو ممکن ہے اُسی کی بجاآوری کا حکم بھی ہے یعنی نفس کی اصلاح کر کے اُسے احکام شرعیہ کا مطیع کیا جائے جیسے جاہل انسان کو عالم بنا دیا جائے پس اُس کو مار ڈالنے سے تعبیر کرنا غلط ہے اور نفس کشی میں جو مشکل ریاضتیں اور کھانے پینے کی کمی معمول ہے یہ سب غلط ہے ان ریاضتوں کے ساتھ نفس مرتا نہیں بلکہ انسانی وجود کمزور ہو جاتا ہے اور مشکل عبادتوں کے لائق نہیں رہتا اور ممکن ہے کہ ان ریاضتوں سے نفس میں ایک وجہ کی شکستگی آجائے اور کئی وجہ سے تازگی پیدا ہو جائے پہلا افادہ ارکان اسلام کی اصلاح کے لئے سب سے بہتر یہ طریقہ ہے کہ اُن ارکان کی عظمت اچھی طرح سمجھ لے اور جب اُن کا بہت سا فائدہ اور عزت جان لے گا تو اُن کا اہتمام اور اُن کے اصلاح کی بہت تدبیریں کریگا پس ارکان اسلام خاص کر ان سے افضل رکن یعنی نماز کی عظمت کی حقیقت سمجھ لینا نہایت ہی دشوار ہے لیکن بحکم مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ کسی قدر نماز کی عظمت لکھی جاتی ہے اور اس کے بعد دوسرے ارکان کی بابت نمونے کے طور پر کچھ بیان کیا جائیگا۔ پس پہلے ایک مثال سُن لینی چاہیے۔ ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت بڑی وسیع ہے اور اُس کی رعیت بیشمار اور ان گنت لشکر ہیں اور مختلف مقاموں اور جگہوں میں بحساب متباین کارخانے موجود ہیں اور ہر کارخانہ پر کئی قسم کے آدمی مقرر ہیں اور ہر ایک کارخانے میں طرح طرح کی چیزوں کو مداخلت ہے مثلاً مزارع اپنے مختلف مرتبوں کے باوجود اپنے کام میں مشغول ہیں۔ اور بیل بیشمار مختلف حاجتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح سپاہی اور کام میں ہیں اور منشی اور کام میں اور ہر ایک کے لئے اُس کے کام کے موافق ایک معین اُجرت اور عہدہ مقرر ہے اور اسی کام کے باعث ہر ایک کو جناب بادشاہ کے ساتھ ایک خاص علاقہ اور ربط ہے اور اس علاقے کو معلوم کر کے اپنے آپ میں پھولا نہیں سماتا اور اپنی کوشش اور کام پر فخر کرتا ہے اور جب جانتا ہے کہ بادشاہ بے پرواہ ہے کسی کا محتاج نہیں اور میرا جو علاقہ اُس کے ساتھ ہے یہ اُسی کی عنایت ہے اور میرے فخر کا دارومدار ہے۔ لیکن ان تمام کارخانوں کے ملازموں کے لئے ایک دوسرے پر درجوں اور مرتبوں میں تفاوت اور بعض کے اعلیٰ درجوں پر بلند ہونے کے باوجود ایک معین کام ہے۔ کہ اُس سے تجاوز کرنا اور بدلنا ممکن نہیں اور اسی واسطے کمی بیشی کے لحاظ سے اُن کی اُجرت میں تفاوت نہیں ہوتی اور بعد ازاں بادشاہ نے ایک خاص چیلے کو نائب اور خلیفہ بنا کر تمام کارخانوں کے قیام کے لئے واسطہ بنایا ہے اور اس کے حاضر ہونے کے واسطے چند وقت مقرر کئے ہیں تاکہ اُن وقتوں میں حاضر ہو کر اپنی حاجتیں بیان کرے اور سلطانی احکام سُن کر ان کارخانوں میں

سلہ جو چیز سارے کی ساری سمجھ میں نہ آئے سارے کی ساری چھوڑنی ہی نہ چاہیئے :

اُن کو جاری کرے اور چونکہ اس کے لئے دربار کے وقت معین ہیں اور مقررہ اوقات پر حاضر ہونے کے بارے میں اُس پر سخت تاکید ہے۔ تمام کارخانوں والے اُس کے حال کے نگراں اور اُس کے مقام کے مشتاق رہتے ہیں اور ہر دربار میں اُس کے واسطے ایک عجیب چیز اور ایک بلند مرتبہ کے ظاہر ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ان مقرر وقتوں میں بادشاہ کی طرف سے اُس پر ایک خاص عنایت تمام کارخانے والوں کی عقلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی واسطے وہ خاص چیلہ تمام رعایا اور لشکر اور اہل سیف و قلم میں ممتاز و معزز ہوتا ہے اسی طرح زمین سے لے کر آسمان تک کی مخلوقات کا یہی حال سمجھنا چاہیئے جو احکام الٰہی میں سرگرم اور مسخر ہیں اور اگرچہ مقرب فرشتوں کے لئے عمدہ عہدے اور بڑے بڑے کام مقرر ہیں مگر وہ اپنے کام اور مرتبہ سے تجاوز نہیں کر سکتے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے کارخانہ میں کچھ دخل نہیں اور اسی طرح حضرت اسرافیل علیہ السّلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کے امور میں کچھ دخل نہیں وعلی ہذا القیاس جو مرتبہ جبریل علیہ السّلام کے واسطے مقرر ہو چکا ہے نہ اُن کو اُس سے تنزل ہے اور نہ ترقی اور تنزل تو معصوم ہونے کی وجہ سے نہیں اور ترقی نہ ہونے کے لئے معراج کا قصہ گواہ بیت اگر یک سرموئے برتر پرم ؛ فروغ تجلّی بسوزد پرم۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم صفی اللہ کو خلافت کے واسطے پیدا کیا اور بے نہایت کمالوں کی استعداد آپ میں رکھی اور انہیں بہت سارے کارخانوں کا مظہر بنایا اور ترقی اور تنزل حقیقت انسانی کے لئے مقرر فرمائی اور اول اول حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو افراد انسانی کا اصل میں اس کا پورا مظہر بنایا تاکہ اس حقیقت کے تمام افراد میں وہ سرّ اثر کر جائے اور اسی واسطے جسطرح خاص شاہی چیلہ اُن امور مملکت میں سے ہر ایک امر کا مصدر ہو سکتا ہے۔ جو شاہت کے تمام نوکر چاکروں پر بانٹتے ہوئے ہیں مثلاً مگس رانی اور جوڑا برداری جیسے کام جو غلاموں کے متعلق ہیں تنہائی میں حاجت کے وقت اُس چیلہ سے لئے جا سکتے ہیں اور اسی طرح کسی کو پیغام پہنچانا اور عند الطلب کسی کا حاضر کرنا جو نقیبوں اور چوبداروں کے متعلق ہے۔ ضرورت کے موقعہ پر اُس خاص چیلہ یا خلیفہ سے بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی فرمان نویسی اور جمع خرچ کا حساب کتاب جو منشی متصدی لوگوں کے سپرد ہوتا ہے ضرورت کے وقت اُس خاص خلیفہ سے بھی کرالیا جاتا ہے اور ایلچی گری اور انتظام سلطنت اور لشکر کی سرداری اور امور متعلقہ وزارت جیسے عمدہ کاموں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اسی طرح انسانی افراد میں سے کامل لوگ تدبیر کرنیوالے فرشتوں کی ساری خدمتوں کا مصدر ہو سکتے مثلاً جہاد یا دعا کے ساتھ کفار کے ہلاک کرنے کی خدمت جو فرشتگان غضب سے متعلق ہے جہاد اور دعا کے ذریعہ اُس کامل انسان

سے ظاہر ہو جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے منافع پہنچانے کی خدمت جو فرشتگان رحمت کے متعلق ہے اس سے حاصل ہوتی ہے اور تسبیح واذکار اور بجا آوری عبادت کی جو خدمت فرشتگان مسبحین کی متعلق ہے اُس سے صادر ہوتی ہے اور پڑھنے پڑھانے اور ارشاد و تلقین کی جو خدمت فرشتگان خدام وحی سے متعلق ہے اس سے درست ہوتی ہے اور سلطنت عادلہ اور خلافت کبریٰ کے قائم کرنے اور امامت باطنہ اور نبوت اور رسالت اور اولوالعزم اور خاتمیت کے عہدوں اور مرتبوں کے مرتب کرنیکی جو خدمتیں ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے متعلق ہیں اُس سے ہوا کرتی ہیں اور باقی خدمتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے القصہ اللہ عزوجل نے اپنے خلیفہ کی درباداری کے لئے چند وقت فرمائے ہیں اور وراثت کے طور پر سارے بنی آدم میں وہ استعداد پوشیدہ کر رکھی ہے اور اس کا اظہار اُسی کے اختیار میں دیدیا ہے اور نہایت ہی مہربانی اور عنایت کی راہ سے رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے اُتارنے اور اُن ہی جیسے اور بواعث ظہور استعداد کے ساتھ ہر طرح اس کی امداد فرمائی ہے پس پانچ نمازوں کے وقت جو اس اشرف مخلوقات کے لئے نہایت قرب اور حضور کے وقت ہیں اور اسی واسطے بہترین اُمت پر فرض ہوئے ہیں وہی دربار کے وقت ہیں اور معنی خلافت کی ایک شاخ سب لوگوں میں موجود ہے جو چاہے اُس کو ظاہر کرے اور جو چاہے اُس کو برباد کرے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا[1] پانچ وقتی نمازوں کا بندوں پر فرض ہونا تمام مخلوقات کی ماہیتوں پر انسانی ماہیت کے بلند ہونے پر معتبر گواہ ہے گو اُس کے افراد آپس میں متناقض اور متفاوت ہوں بلکہ تنزل کرتے کرتے اسفل السافلین تک پہنچ جائیں اور دراصل اُن کے اسفل السافلین میں پہنچ جانے کے باعث بھی اُن کی وہی بلندی ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ بڑی بلاؤں اور بڑی سزاؤں میں گرفتار ہونا بادشاہ کے خاص حضوری ملازموں کا حصہ ہوتا ہے ع ہم بیشتر عنایت وہم بیشتر عنا: پس ایمانی کمال کی طلب کرنے والے مومن کو چاہیئے کہ نماز کی حقیقت اس طرح جانے کہ پروردگار عالم جل جلالہٗ نے جس کی بادشاہت کی بزرگی اور اُسکی اوصاف کمال کی کوئی انتہا نہیں اُسے تمام مخلوقات سے چن کر سخت تاکید کے ساتھ پانچ وقت دربار میں حاضر ہونے کا مطلق اذن دیکر دستوری لینے کا محتاج نہیں کیا اور دربانوں اور نقیبوں کی منت اُٹھانے سے سبکدوش کر دیا ہے اور غیر حاضری کی سخت سزا مقرر فرمائی ہے پس اپنے آپ کو اس بڑی نعمت سے جو تمام جہانوں کے رشک کا مقام ہے محروم کر کے سخت سزا کا مستحق بنانا کس درجہ کی جہالت اور نادانی ہے نماز کی عظمت کو اس طرح سمجھ کر نہایت

[1] جس نے اُس کو سنوارا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کو آلودہ کیا وہ ناکام رہا:

ہی ادب اور اس خشوع کے ساتھ اُس کو بجالائے جو اس حقیقی بادشاہ کے دربار کی قبولیت کے لائق ہو اور اپنے آپ کو ہمیشہ خدائی کام میں رکھ کر نماز کے وقتوں کو بے شبہ دربار اور حاضری کا وقت جانے اور تلاوت اور تسبیحوں اور دعاؤں کو اپنے حق میں مناجات اور مکالمہ اور عرض حاجات سمجھے نماز کی اجمالی حقیقت تو یہ ہے لیکن مفصل طور پر اس کے ارکان کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ مثال سمجھ لینی چاہیئے کہ جس طرح وہ بادشاہ کا خاص خلیفہ یا نائب جو وقت مناجات اور عرض حاجات کا ارادہ اپنے دل میں پکا کر کے اپنے آقا کے دربار میں نہایت ہی خضوع اور تعظیم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سے اعراض کر کے اُس کی بادشاہت کی ہیبت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر امید اور مناجات کی آنکھ اس کی طرف لگا لیتا ہے پس خواہ مخواہ جونہی وہ عالی جاہ بادشاہ اُس کی سرگوشی کے ارادے سے مطلع ہوتا ہی اور اس کی عرض حاجات کی امید کو دیکھتا ہے اُس کے حق میں ایک خاص مہربانی کرتا ہے اور قبولیت اور پیار کی نگاہ سے اُس کی طرف دیکھتا ہے اور تعظیم کے جتنے قول اور فعل اس خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں اُن کی وجہ سے بادشاہت کی عنایت اور بھی اس پر زیادہ ہوتی ہے۔ پس جس وقت وہ فرمانبردار بندہ اپنے آقا کی عنائتوں کو اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ معلوم کرتا ہے تو تخت بوسی یا اسی جیسی اور تعظیمیں جو کہ سرگوشی کی اجازت طلبی کا مقدمہ اور عرض حاجات کا توطیہ ہوتی ہیں، بجالاتے کے لئے ٹیڑھا ہوتا ہے اور اس تعظیم کے صادر ہونے کے باعث بادشاہ کی بے نہایت مہربانیاں اُس کی طرف متوجہ ہو کر اُسے مناجات اور عرض حاجات کی دستوری دیتی ہیں پس وہ مطیع بندہ مناجات کا اذن حاصل ہو جانے کے شکریہ میں اپنی زبان سے وہ تعریف اور مدح کرنے لگ جاتا ہے جو اُس کے مولا کے شان کی لائق ہوتی ہے اور اپنے آقا کی تعظیم کو ظاہر کرنے والا فعل بجالاکر مناجات اور عرض حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ وقت اس فرمانبردار بندہ کے لئے نہایت ہی کمال اور عالی جاہ بادشاہ کے نہایت قرب اور سلطنت کی ہیبت اور بادشاہت کے غلبہ کے نہایت ظاہر اور واضح ہونے کا وقت ہے اور ایسی وقت میں مناجات کے بعض مضامین اور حاجات کے بعض مقامات میں بھول چوک کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اُس کا حکم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر مقام مناجات سے جدا ہو کر اپنے خیال اور عقل کو درست کر کے پھر محل قرب میں داخل ہوتا کہ اچھی طرح فوت شدہ چیز کا تدارک ہو سکے اور جب کہ اس قسم کے قرب اور اتصال کی حالتیں اس مطیع بندہ پر وارد ہوتی ہیں۔ نہایت قدردانی اور قبولیت کا قانون یہ تقاضا کرتا ہے کہ بیٹھنے کی اجازت دیکر اس بندے کی عزت افزائی کی جائے لیکن چونکہ بادشاہی دربار میں بیٹھ جانا سخت بے ادبی ہے اس لئے بادشاہت کی حکمت عملی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس بندی کو

ایسی خدمت کی بجاآوری کا حکم دیا جائے جو بیٹھنے کے مناسب ہو مثلاً وہ بادشاہ عالی جاہ اُس کی طرف اپنا پاؤں دراز کردیتا ہے تاکہ چاپی کی خدمت ادا کرنے کیلئے بیٹھ جائے اسی طرح جس وقت شرک سے پاک دُرست عقیدے والا خالص نیت والا بدعت سے بچنے والا بدعادتوں سے خالی اور عمدہ خصائل سے مزین ایماندار اپنی جان کو بہیمی آلودگیوں اور اندر کی گندگیوں سے صاف اور اپنے بدن کو حقیقی اور حکمی نجاستوں سے پاک اور اپنے دل کی تختی کو نقوش ماسوی اللہ سے صاف اور دل کو علائق غیر اللہ سے خالی کرکے اپنے دل وجان سے اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوکر نہایت محبت اور رغبت سے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے مضمون کو اپنے تہ دل میں مضبوط کرکے تکبیر تحریمہ کہتا ہے عرف اسی عقد کے ساتھ رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور ایک خاص قسم کی عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ حدیث[۲] اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلَا یَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاِنَّ[۳] الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے اور تلاوت قرآن اور دعاؤں سے جبقدر تعظیمی اقوال اُس سے ظاہر ہوتے ہیں اُسی قدر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فیض اُس کے حق میں مبذول ہوتا ہے تاکہ غایت تعظیم کا توطیہ یعنی نہایت قرب کی تمہید یعنی سجدہ بجالاتا ہے اور جب اپنے خالص عقل کی طرف ملاحظہ کرتا ہے کہ اللہ عزوجل شانہ نے مجھ کو ایسے رفیع مقام یعنی سجود پر مطلق ماذون کرکے کوئی مانع نہیں چھوڑا تو اس بڑی نعمت اور عطیہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہوکر جو حمد وثنا اس کی شان کے شایاں ہے بجالاکر اپنے ماتھے کو عاجزی کی مٹی پر گھس کر مناجات اور عرض حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ سجود نہایت ہی قرب اور تجلیات جمالی اور جلالی کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ لہذا حاجات کے بعض مضامین میں بھول جانے کے گمان پر اُس کو حکم کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اس رفیع مقام سے تھوڑی دیر اُتار کر پھر فوت شدہ حاجت کے تدارک کیلئے آجانا اور جب وہ پاک مومن ان پسندیدہ حالات کو جن کے ادنیٰ درجہ کا تکرار دو رکعتوں میں پایا جاتا ہے بار بار بجالاکر بیٹھنے کی قابلیت پیدا کرلیتا ہے تو بزرگی کے قانون کی محافظت کے لئے نماز کے قعود کو عبادت سے خالی نہ چھوڑ کر اُسے اُس تشہد کے پڑھنے کا حکم ملا جو نہایت ہی تعظیمی اقوال پر مشتمل ہے۔ اور ارکان نماز میں تکرار اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ افعال تعظیمی کا بار بار بجالانا نہایت ہی اطاعت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ایک بار تعظیمی فعل بجالانے میں اس کے اتفاقی صادر ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے اور قومہ میں بھی ایک بھید ہے جس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ نماز کے ہر رکن میں ایک نئی شیرینی اور تازہ لذت ہی پس ضرور ہے

---

[۱] بیشک میں نے اپنے منہ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا [۲] تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہو تو اپنے سامنے تھوک نہ ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس کے اور قبلہ کے درمیان ہے [۳] کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

کر رکوع کو سجود سے ایک اجنبی فعل کے ساتھ جدا کرنا چاہیئے تاکہ ہر ایک رکن کی مستقل لذت نمازی کو حاصل ہو جائے اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں بھی ایک گہرا بھید ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی بے حیثیت آدمی دفعتہً کسی بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے مثلاً اس کا ہاتھ پایہ تخت شاہی تک پہنچ جاتا ہے یا مستقل دستار سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ توخواہ مخواہ ہم جنس اور ہم جولی اس امر کا اتفاقی ہونا خیال کرتے ہیں اور جب یہ امر بار بار متحقق ہو جائے تو وہ بیہودہ خیال باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب اس مٹی بھر مٹی کو قرب کے اُن اعلیٰ مرتبوں کے ساتھ سجود میں حاصل ہوتے ہیں معزز کرتے ہیں توخواہ مخواہ سب جہان والوں کے دلوں میں بلکہ اُس نمازی کے نفس میں اس امر کے اتفاقی ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے پس اس گمان کے دور کرنے کے واسطے ہر رکعت میں اس پاک مومن کو اس فاخرہ خلعت کے ساتھ دو بار معزز فرمایا جاتا ہے ارکان نماز کے اسرار کی طرف اجمالی اشارہ ہے لیکن ان کی تفصیل پس مقام کی تنگی کی وجہ سے عقلمندوں کی عقل کے حوالہ کی گئی ہے۔ اگر اتنی بات پر اچھی طرح مطلع ہو کر مداومت کریگا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اپنی استعداد کے موافق الہامات صادقہ کا مورد بن جائیگا۔ حضرت فاروق رضؓ کے قول أُجَهِّزُ جَيْشِىْ وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ[۱] کا بھید اس جگہ سے معلوم کر سکتے ہیں اپنے دربار کے وقت میں مسلمانوں کی لشکروں کی وہ تدبیر جو کہ دین متین کی زیادہ قوت اور شوکت کا باعث تھی کیا کرتے تھے اسی واسطے جتنے فتوحات اور اسلام کی ترقیاں آپ کے زمانہ میں ہوئیں اور کسی زمانہ میں معلوم نہیں ہوئیں القصہ انسان کے دل میں ایمان اُس بیج کے جا بجا ہے جو زمین میں چھپا ہوا ہے جونہی اُس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اُس کی عبودیت خدائی عالموں میں معلوم ہو گئی ہے تو فرشتوں کی اعلیٰ جماعت سے زبان حال کے ساتھ اُس کی عبودیت اور قبولیت کی مبارکباد کی آواز نے جہان والوں کے کانوں کو زینت بخشی اور محض کلمہ شہادت کے صادر ہونے ہی دربار میں پانچ وقت حاضر ہونے اور پاک ہونے کے بہت سے اُن حکموں کے ساتھ جو دربار میں حاضر ہونے کے لئے ایک مقدمہ ہیں، معزز کیا گیا۔ اور بہت سے قولی اور فعلی آداب اور بلند اور آہستہ عرض داشت کے سکھانے سے ممتاز ہو گیا۔ دوسرا افادہ چونکہ بموجب منطوق آیہ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا[۲] دنیاوی مال اس جہان کی زندگی کا ستون ہیں۔ بالکل ان اموال سے قطع تعلق کرلینے کا امر نہیں کیا گیا اور ممکن ہے انسان مسلمان ہوتے ہی مالدار بن جائے یا پہلے سے ہی مالدار ہو اسی واسطے زکوٰۃ کو نماز کا ضمیمہ بنا دیا گیا تاکہ جو مال کہ اکثر غفلت کا موجب ہوا کرتا ہے۔ اور اُس کی محبت سیاہ دلی کا باعث بنتی ہے۔ مسلمان آدمی کے حق میں ایک قسم کی ہمیشہ کی حاضری بن جائے اس کی

---

[۱] میں نماز پڑھتے ہوئے لشکر کی تیاری کرتا ہوں۔ [۲] جو بنائی اللہ نے تمہاری گزران ؛

شرح یہ ہے جب آدمی مسلمان ہوا اور اُس نے جان لیا کہ میں ارکان اسلام کے ساتھ مامور ہوں اور عمدہ ارکان جن میں سے زکوٰۃ بھی ایک عمدہ رکن ہے اُس کے دل میں جاگزین ہوگئے اُسی وقت اجناس اموال کی تفتیش میں لگ گیا کہ کونسا مال زکوٰۃ کے قبیل سے ہے اور کونسا نہیں اور جو پہلی قسم سے ہے اُس کی کیا مقدار ہے اور مقدار کی زکوٰۃ کتنی ہے اور سال کا گذرنا جو زکوٰۃ کی ایک شرط ہے. کس وقت سے شروع ہوتا ہے پس جب تک یہ اہتمام اُس کے دل کو دامن گیر رہیگا۔ خواہ عین ترقی اموال کی تدبیر میں ہو تو ایک قسم کی حاضری اُس کو نصیب رہے گی اور جب فرضیت کا معنی اچھی طرح سمجھ لیگا یعنی جان لے گا۔ کہ اتنا مال جو ہر سال میں نذرانہ اور تحفے کے طور پر اُس کے دربار میں حاضر کرنے کیلئے میرے ذمے مقرر کیا گیا ہے. وہ محض اپنا جلیل القدر انعام مجھپر بڑھانے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اسیواسطے مستقل طور پر زکوٰۃ کا لینا جس طرح کہ قرآن شریف اور حدیث سے سمجھا جاتا ہے امام اور خلیفہ کا حق ہے گویا اس طرح ادا کرنا خود اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں دینا ہے پس ہر سال زکوٰۃ کے ادا کرنے میں مسلمان آدمی اُس شخص کی مانند ہے جس کو بے پروا عالی جاہ بادشاہ کی جانب سے ایک تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملکیت اور استعمال کی چیزوں میں سے ہر سال اسقدر نیاز عید یا جشن کے طور پر ہمارے حضور میں لایا کرو تاکہ ہم اُس کو اپنی عنایت کے ہاتھ سے قبول کرکے تم کو اپنی مہربانیوں کا مورد بنادیں پس دوسرے کارخانوں والے جن سے عید اور جشن کے موقعہ پر اس طرح کی نذر مطلوب نہیں بلکہ وہ اُدا بھی نہیں کر سکتے۔ اُس کے مرتبہ کی اُس بلندی اور اُس کی اُس محبت اور عزت کے مقر ہو جائیں جو بادشاہ کی درگاہ میں اس کو حاصل ہے۔ وہ شخص ہمیشہ زیادہ اور ترقی میں رہتا ہے۔ اور عین شغل اموال میں غفلت اُس کے سامنے نہیں آتی۔ فائدہ جسطرح طاقتور اور سخاوت شعار بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ نذر و نیاز کے مالوں کو اپنی خاص حاجتوں میں خرچ نہیں کرتے بلکہ عالی مقدار شاہزادوں اور بڑے بڑے امیروں جیسے اہل عزت کے مخارج میں بھی ان کے خرچ کرنے کی تجویز نہیں کرتے اُن کے نزدیک ایسے مالوں کے مصرف فقط حاجتمند لوگ ہیں اسی طرح حضرت شاہنشاہ نے زکوٰۃ کے مالوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرام کر دیا کہ دراصل آنجناب کے خرچ خاص حضرت رب الارباب کے مخارج میں سے ہیں اور تمام بنی ہاشم پر جن کو آپ کے ساتھ قرابت کا رشتہ ہے صدقے حرام کر دئیے اور ان مالوں کا مصرف صرف حاجتمند لوگ مقرر فرمائے پس جن لوگوں پر صدقات حرام کئے گئے ہیں اُن کو وہ عزت اور فخر حاصل ہوا ہے کہ وہ اُس کی شکر کو کسی زبان کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے اگر فقط اسی نعمت کے مقابلہ میں صدہا قسم کی عبادتیں بجالائیں

اُن کو لائق ہے اور اس جیسی بڑی نعمت کے مقابلہ میں کفران اور نافرمانی کس درجہ کی نالائقی ہے۔ **تیسرا افادہ** روزے کی فرضیت میں بھی مومن آدمی کی توجہ سارے سال میں حکم الٰہی کی تعظیم کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور خود انتظار میں رہتا ہے اور تیاری کرتا رہتا ہے کہ جب رمضان شریف آئیگا تو اس طرح روزہ اور نماز تراویح ادا کروں گا اور قرآن کریم کی تلاوت کروں گا اور اس انتظار اور تیاری اور نیت کی اخلاص میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہوا کرتی ہیں اور اسی اختلاف کی وجہ سے اُن کی قبولیت کے درجے مختلف ہوجاتے ہیں۔ پورے سال کی اس انتظار کی وجہ سے رمضان کو زکوٰۃ کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہے۔ جس طرح زکوٰۃ کے بیان میں مذکور ہوا۔ اگرچہ سب اُمتوں پر روزہ فرض تھا لیکن اللہ جل شانہٗ کی بے غایات عنائتوں سے اس امت مرحومہ کے بدنی ضعف اور عمر کی کمی اور بے ہمتی وغیرہ امور کے لحاظ سے اس مبارک مہینے کی تخصیص اور لیلۃ القدر کا تقرر ہوا۔ تاکہ یہ لوگ بھی مشکل اعمال کی مزاولت کے سواہی ماہ موصوف اور شب قدر کی برکات کے ذریعہ سے پہلے لوگوں کی مانند یا اُن سے زیادہ عالی درجوں پر کامیاب ہوں اور روزے سے ہر سال میں نفس پر ایک قوی لتاڑ ہوتی ہے جس کا اثر پورے سال تک رہتا ہے۔ اور آدمی کی شہوت اور اُس کے غضب اور حرص کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ گو ہر انسان کو اس کی اطلاع نہ ہو **چوتھا افادہ** لیکن حج اس کے جا بجا ہے کہ بادشاہ نے ایک مقام کو مقرر کر کے اسے اپنی بے نہایت مہربانیوں کا مورد بنا دیا ہے اور جس شخص کو اس مکان میں طلب کرتا ہے اس کو بہت سا فیض پہنچاتا ہے اور اس کو اپنے ہم جنسوں میں معظم اور معزز بنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بلانے کے سوا اس مکان میں داخل ہو۔ اُس پر بھی وہ مہربانیاں کرتا ہے جن کی اُس کو لیاقت ہے اور اُس کو بھی اپنے ہم جولیوں میں ایک طرح کی عظمت حاصل ہو جاتی ہے۔ القصہ اس مکان کو خوان یغما بنا دیا ہوتا ہے پس جو شخص بلانے پر وہاں حاضر ہو۔ اُس کے حال کے موافق اُس پر اعزاز اور انعام فرماتا ہے اور جو شخص بلا طلب وہاں پہنچ جائے اُس کو بھی خالی نہیں چھوڑتا اور کسی نہ کسی وجہ سے اُس کو عزت اور انعام دے ہی دیتا ہے اسی طرح بادشاہ مطلق جلشانہ نے خانہ کعبہ اور اس کے اردگرد کو جسے حرم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ساری دنیا سے ممتاز کر کے اپنے فیوض کا مورد بنا کر ہر کس و ناکس کے واسطے خوانِ یغما کر دیا ہے پس وہاں بلائے ہوئے جو اشخاص یعنی بنی آدم حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رنگارنگ نعمتوں سے مالامال ہو جاتے ہیں تمام گناہوں سے مغفرت عامہ بھی انہی نعمتوں سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو بخش کر اس طرح بنا دیتا ہے گویا ابھی پیدا ہوا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور آئندہ کیلئے بھی اللہ جل شانہٗ کی عنائتیں

اس کے شامل حال رہیگی۔ اور حیوانات اور نباتات جیسی چیزوں سے جو بلا طلب وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ وہ حرم کی حرمت سے معزز ہو کر اپنے امثال میں سے ایک درجہ کا امتیاز حاصل کرلیتی ہیں پس ہر ایک کو چاہئیے کہ اس امر عظیم یعنی محض اعزاز اور اکرام کے واسطے ایسے عاجز کو ایسے مقام میں اپنے پروردگار کے بلانے کا دھیان کرکے عظمت حج کو اپنے دل میں پختہ کرلے پانچواں افادہ جاننا چاہئیے کہ جہاد بھی بے نہایت فوائد اور منافع والا امر ہے اور اس کی منفعت بارش کی مانند عام لوگوں کو کئی وجہ سے پہنچتی ہے اور اس امر عظیم کے فوائد کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ عام فائدہ ہے کہ فرمانبردار مومن اور سرکش کافر اور فاسق اور منافق بلکہ جن اور انس اور حیوانات اور نباتات اس میں شریک ہیں اور دوسری قسم فوائد مخصوصہ ہیں جو مخصوص لوگوں کو پہنچا کرتے ہیں۔ یعنی بعض لوگوں کو ایک طرح کا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسرے لوگوں کو دوسری طرح کا لیکن منفعت عامہ کا یہ بیان ہے کہ جسطرح صحیح تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ حکام کی عدالت اور اہل معاملات کی دیانت اور مالداروں کی سخاوت اور بخشش اور عام لوگوں کی نیک نیتی کے باعث وقت پر بارشیں ہونے اور فصلوں کی کثرت اور کاروبار کی برکت اور بلاؤں اور آفتوں کے دفع ہونے اور مالوں کی ترقی اور زیادہ سے زیادہ اہل ہنر اور کمال کے پیدا ہونے کے مانند آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح دین حق کی شوکت دیندار بادشاہوں کے عروج اور اُن کی حکومت کے ظاہر ہونے اور مذہب حق کے لشکروں کی قوت اور شہروں اور دیہات میں احکام شرع کے پھیلنے کے سبب سے زمین کے قطروں میں اسی طرح کی آسمانی برکتیں بلکہ ان سے سو گنہ زیادہ ظاہر ہوتی ہیں چنانچہ برکات سماویہ کے نزول میں روم اور ترکستان کے حال کے ساتھ ہندوستان کے حال کا موازنہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے اسوقت یعنی ۱۲۳۳ھ ہجری کے حال کو کہ اُس کا اکثر حصہ حرب بن چکا ہے آسمانی برکات کے نازل ہونے اور اولیاء عظام اور علماء کرام کے ظاہر ہونے میں اسی ملک کے اس وقت دو سو یا تین سو سال کے پہلے حال کیسا تھ قیاس کرنا چاہئیے ولیکن اس کے مخصوص فائدے سو شہید مومنوں اور غازی مسلمانوں اور طاقتور بادشاہوں اور لڑائی کرنے والے جوان مردوں کی نسبت ان کا حاصل ہونا بیان کا محتاج نہیں اور صاف باطن لوگوں کی نسبت اس جہاد کا یہ فائدہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بہت سی بڑی بڑی ترقیاں پاتے اور تھوڑی ریاضت سے ولایت کے مرتبوں پر کامیاب ہو جاتے ہیں اور علما کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ علوم حقہ پھیلتے ہیں اور پڑھنے پڑھانے والے زیادہ ہوتے ہیں علما قاضی مفتی مجتہد کے مرتبوں پر فائز عام لوگوں کو مقبول مذہب کی طرف عام دعوت

کر کے امامت باطنہ کے منصب پر کامیاب ہوتے ہیں اور عقائد حقہ اور احکام پسندیدہ کو پھیلانے کے باعث نیابت انبیا کو حاصل کرتے ہیں اور بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہوتا ہے اور عام صلحا کی طرف نسبت کرنے سے ان کے یہ فائدے ہیں کہ نیکو کار لوگوں کی عزت اور بدکار لوگوں کی بے عزتی اور پسندیدہ جائز امور کی مشہوری اور ناپسندیدہ ناجائز امور کی گمنامی کی وجہ سے صلاح اور پرہیزگاری کی طرف ان کی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور نیز اہل اسلام کے بادشاہوں کی اطاعت اور باعزت علما اور بزرگ اور اولیا کی تعظیم اور بڑی بڑی جماعتوں میں داخل اسلام ہونے کے باعث اُن کی عبادات کے اجر کئی گنا بڑھ جاتے ہیں اور عام مومنوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے منافع یہ ہیں کہ معاملات میں ان کی نیتیں صحیح ہو جاتی ہیں اور اللہ عز و جل کی مہربانیوں اور دین حق کے انوار کے پھیل جانے کے باعث ان کے دلوں میں عبادات کی طرف محبت اور رسوم شرعیہ کے مشہور ہونے کے سبب سے اُن کی متابعت اگرچہ تقلیداً ہو پیدا ہوتی ہے اور نیز برکات سماوی کے نازل ہونے اور ذو الاقتدار بادشاہوں کی عدالت اور سخی لوگوں کی سخاوت کی وجہ سے اُن کو معاش میں فراخی حاصل ہوتی ہے اور قوانین شرعیہ کی متابعت کے باعث اُن امور معاشیہ اور معادیہ انتظام پاتے ہیں اور بدکاروں اور فاسقوں کی طرف نسبت کرنے سے اُس کے یہ فوائد ہیں کہ بنی آدم کے دلوں میں حق مذہب کے انوار کی سرایت اور عام لوگوں کی عقلوں میں بُرے افعال کی بُرائی مضبوط ہو جانے اور حق مذہب کے مشہور ہونے کے باعث اُن کے دل میں فسق و فجور کے کراہت پیدا ہو جاتی ہے یا حدوں اور تعزیروں کے ڈر اور اپنے خویش و اقران کی طعن و تشنیع کے خوف کی مارے اظہار بدعات و منکرات سے دست کش ہو جاتے ہیں اور توبہ کی توفیق پاتے ہیں اور منافقوں کی بہ نسبت اس کے یہ فائدے ہیں کہ قتل کے خوف یا ایمانداروں کی عزت اور سرکشوں کی ذلت دیکھ کر بظاہر میں حق پر مستقیم رہتے ہیں اور ظاہر ہو کر کفار کی جماعت میں داخل نہیں ہوتے اور ان کے حق میں یہ امید بھی ہو سکتی ہے کہ حق مذہب کے انوار کے پھیل جانے اور آسمانی برکتوں کے نازل ہونے اور اہل اسلام کے شوکت کے دیکھنے اور اولیاء عظام اور علماء کرام کے ساتھ میل جول کرنے اور اُن کے انوار کے عکس اور اُن بزرگوں کی نصیحت کے تاثیر کرنے کی وجہ سے مذہب حق کا نور اُن کے دل کی تہ میں اتر کر جائے اور ذمی کافروں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ آسمانی برکتوں کے نازل ہونے سے ان کی معاش فراخ ہو جاتی ہے اور بادشاہوں کی عدالت کے باعث چوروں اور رہزنوں سے وہ مطمئن ہو جاتے ہیں اور امید ہے کہ اہل حق کے

ساتھ خلط ملط رکھنے اور اُن کی رسموں کے مشہور ہونے اور اُن کے امور معاش اور معاد کے انتظام کو دیکھنے کے باعث اسلام کی طرف راغب ہو جائیں اور اہل حرب کی طرف نسبت کرنے سے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جائیں گے اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی کیونکہ اگر وہ مارے نہ جاتے تو مدت تک اپنے کفر پر قائم رہتے پس خواہ مخواہ اُن کا کفر بڑھتا رہتا اور جسقدر کفر بڑھتا عذاب بھی زیادہ ہوتا اور اُن کی بی بی بچوں کے حق میں یہ فائدہ ہے کہ غلام ہو جانے کی وجہ سے ان کو اہل حق کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے جس سے یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اُن کے رنگ سے رنگے جائیں مختصر طور پر منافع جہاد بیان کئے گئے ہیں اور اس مقام میں اُس کے فوائد کا مفصل طور پر احاطہ نہیں ہو سکتا القصہ شریعت کے کارخانہ میں اہل ایمان پر جہاد کا واجب ہونا دنیا کے کارخانہ میں بارش اتارنے اور نہروں کے جاری کرنے کے قائم مقام ہے اور بعض بد طینت لوگوں کا ہلاک ہونا مثلاً وہ اہل اسلام جو کہ جہاد سے مانع ہوتے ہیں اور اپنے باطن کی خباثت اور کافروں کی محبت کے باعث غازیوں اور مجاہدوں کی مخالفت اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیتے ہیں۔ اور خبیث منافقوں کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں اس قسم کے چند فاسد الاستعداد اشخاص کا ضائع ہو جانا جہاد کے عام فائدوں میں خلل انداز نہیں ہو سکتا بارش ہی کو دیکھو کہ اس کے عام فائدے تمام مخلوقات کے حق میں ظاہر ہیں باآنکہ نہروں اور سیلابوں کی طغیانی کے باعث چند لوگوں کی عمارتیں گر بھی جاتی ہیں۔

خاتمہ متفرق فائدوں کے بیان میں

اور یہ پانچ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ جاننا چاہیے کہ سرود کا سننا بغیر مزامیر کے اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ میل جول کرنا بدون شہوت کے اگرچہ ممنوعات شرعیہ سے نہیں لیکن اس قسم کے امور کو راہ حق کے سالکوں کے لئے خصوصاً راہ نبوت کے طالبوں کے حق میں خالی خلل سے نہ سمجھنا چاہیے اس کا بیان اس طرح ہے کہ اس قسم کے امور مبتدیوں کے حق میں بھی مضر ہیں اور منتہیوں کے حق میں بھی مضر ہیں مبتدیوں کے حق میں اُن کے مضر ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ تمام روحانی طبیبوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ راہ حق کے سالکوں کے لئے حقوق نفس کا پورا لینا ضرور ہے اور حظوظ نفس یعنی نفس کے مزوں کے پیچھے پڑنا مضر ہے خاصکر ایسے مزے جن کی لذت صلب نفس میں داخل ہو جائے اور ان کی شیرینی سویدا[1] ئے دل میں محکم بیٹھ جائے

[1] دل کے اندر ایک سیاہ نقطہ ہے جو نفسانی خواہشوں کا محرک باعث ہوتا ہے۔

اور اُن کی طلب میں نفس سرگشتہ و حیران ہو جائے زیادہ تر مضر ہیں اور یہ حالات بالکل ظاہر ہے کہ اس قسم کے امور حقوق نفس کے قبیل سے نہیں کیونکہ ان کے ترک کر دینے کی وجہ سے کبھی جسم میں ضعف اور ناتوانی نہیں ہوتی جیسے کھانے پینے کے چھوڑ دینے سے (ضعف پیدا ہو جاتا ہے) اور نیز اُن کے ترک کر دینے سے کبھی انتشار حواس اور طبیعت کی بے چینی اور عقل کی پراگندگی نہیں ہوتی جیسے نیند اور استراحت کے ترک کر دینے سے (یہ امور پیدا ہوتے ہیں) اور علیٰ ہذا القیاس کبھی ان کے ترک کر دینے سے اس امر کا خطرہ نہیں ہوتا کہ کسی شرعی حرام میں واقع ہو جائے جیسے جماع کے چھوڑنے سے (اس امر کا خطرہ ہوتا ہے) الغرض اس قسم کے امور کو کوئی عاقل حقوق نفس کے قبیل سے نہیں شمار کر سکتا۔ پس معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے امور حظوظ نفس کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ اس قسم کے حظوظ سے ہیں جن سے طالب کو پرہیز کرنا نہایت مؤکد و ضروری ہے کیونکہ رسیلی آواز اور صورت دلرُبا ایسی چیزوں سے ہیں جن کی لذت دل کی تہ میں گھس جاتی ہے اور اُن کا اثر دور دراز زمانہ تک نفس کے دامن میں لگا رہتا ہے اور اُن کی طلب میں نفس کو بڑا جوش اور اضطراب رہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے امور اُن مباحات کی جنس سے ہیں جن کا من وجہٍ امور محرمہ سے پیوند لگا ہوا ہے اور بعض وقتوں میں بعض شخصوں کو کھینچ کھچا کر گناہوں تک لے جاتے ہیں مثلاً راگ کے سننے کے ساتھ دل کا کمال تعلق مزامیر اور باجوں کے سننے کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ کثرت سے اختلاط اور تنہائی میں اُن کے ساتھ بیٹھنا شہوت کے پیدا ہونے کا سبب ہو جاتا ہے چنانچہ اہل فطانت اور تجربہ کاروں پر پوشیدہ نہیں۔ اور اس قسم کے مباح امور سے پرہیز کرنا اہل تقوے اور نیکوکاروں کا شعار ہے چنانچہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون بصراحت مذکور ہے اور کسی شخص کو اپنے تقویٰ اور صلاح کے بھروسے پر ایسے امور میں قدم نہ ڈالنا چاہیئے کہ کلام ہدایت التیام اِنَّ الشَّیطَانَ یَجرِی مِنَ الاِنسَانِ مَجرَی الدَّمِ اس قسم کے شبہات کے دور کرنے میں شافی اور کافی ہے ولیکن منتہیوں کے حق میں راگ کے سماع کا عادی ہونا ایک اور قسم کا نقصان پہنچاتا ہے اور امردوں کے ساتھ دل کا تعلق ایک اور قسم کا ضرر پہنچاتا ہے ولیکن سماع غنا کے عادی ہونے کا نقصان پس اُس کی تفصیل ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے بیان اس کا اس طرح ہے کہ ہر انسان سلیم الوجدان اپنے باطن میں دریافت کر سکتا ہے کہ کیفیت غضبیہ اور ملکہ شجاعت دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں اگرچہ ہر دو کے آثار اور احکام آپس میں ہم جنس اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں مثلاً ضرب و قتل کہ غضب کے عارض ہونے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور ملکہ شجاعت سے بھی لیکن اول یعنی غضب جلدی زائل ہونے والے عوارض سے ہے اور اُس سے افعال کا صادر ہونا۔

۱؎ یعنی شیطان کا دخل انسان کے باطن میں ایسا ہے جیسے خون جو انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے

بے انتظام ہوتا ہے اور ثانی ملکات راسخہ سے ہے اور افعال کا صدور اُس سے انتظام اور استحکام کے
ساتھ ہوتا ہے اور اول کیفیات مذمومہ سے ہے اور ثانی ملکاتِ[1] محمودہ سے پس کیفیت غضب کا طاری ہونا
اور اس کے آثار کا صادر ہونا اگرچہ آثار شجاعت کے ظہور کا محل نہیں بلکہ اُس کا مویّد تھی لیکن اس کیفیت کا
غلبہ اور نفس پر اس کا مسلط ہو جانا اور اُس کے مقتضی کی (اس طرح) پیروی کرنا کہ جس کام کا غضب حکم
کرے اُس کو کر ہی ڈالے خواہ عقل اور عرف کے مطابق ہو خواہ اور مخالف ملکہ شجاعت کو بے رونق کر دیتا ہے
اور جس طرح صاحب شجاعت متین با تمکین ہوتا ہے اسی طرح صاحب غضب سبک مزاج اور بے وقار
ہوتا ہے جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو چکا تو اب اصل مقصود میں غور کرنا چاہیے اور کمال تعمق سے نظر کرنی
چاہیے کہ وہ جوش اور ہیجان کہ آواز خوش کے سننے سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتا ہے اگرچہ نفی نفس
امور قدسیہ الٰہیہ سے نہیں کیونکہ اس قسم کے حالات فاسقوں فاجروں بلکہ بدعتیوں اور کافروں کے نفس
پر بلکہ سب حیوانات کے نفس پرواردہوتے ہیں لیکن انوار عبادات اور طاعات کے اختلاط اور خالق
الارض والسمٰوٰت کی محبت کی آمیزش کے سبب سے سالک راہ حق کے لئے بظاہر ایک قسم کی تائید
سی معلوم ہوتی ہے اور عارضی طور پر حالات محمودہ سے شمار ہو جاتا ہے لیکن حب ایمانی کے آثار و مقامات
کے سامنے اس کی وہی مثال ہے جیسے کیفیت غضبیہ کو شجاعت کے سامنے اور جسطرح سونے یا چاندی کے
ٹکڑے کے نیچے آگ لگاتے ہیں تو آگ کی تیزی کی وجہ سے اس ٹکڑے میں ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے تاکہ
پانی کی طرح ہو کر جھاگ اس پر ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کا خلاصہ نیچے بیٹھ جاتا ہے پس فی الحقیقت امر
مرغوب وہی ہے جو نیچے بیٹھ جاتا ہے اور یہ جھاگ جو اوپر چڑھ آتی ہے کسی کام کی نہیں فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ
جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ[2] اسی طرح راگ کے سننے سے جو جوش ظاہر ہو کر
سننے والے کے تمام باطن کو گھیر لیتا ہے یہ منجملہ اُن امور کے ہے جن کی طرف نفس کو رغبت ہوتی ہے اور
احکام بہیمیہ جو کہ انوار قدسیہ سے ملے ہوئے ہیں اسقدر اُبھرتے ہیں کہ گویا آسمان پر سر بلند کرتے ہیں اور
حب ایمانی کے احکام و آثار تہ میں بیٹھ کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور یہ ہیجان اور جوش امور معتد بہا میں کسی
طرح کار آمد نہیں۔ ہاں ایک قسم کا طلسم ہے جو عالم ملکوت کے تماشائیوں کے نظارہ کے لئے ظاہر ہو گیا ہے
پس اس قسم کے امور کے پیچھے پڑ جانا اور ان کے حاصل کرنے کے سببوں کا عادی ہو جانا حب ایمانی
کے مقامات کو بے رونق کر دیتا ہے کیونکہ حب ایمانی کے صاحب کا کام سراسر اطمینان و تسکین اور وقار و
تمکین ہے اور اہل وجد کا کام سراسر اضطراب اور پیچ و تاب ہے و لیکن امردوں کے ساتھ دل لگانے کا

[1] بلکہ اس خلق کو کہتے ہیں جو بلا تکلف انسان سے صادر ہو[2] وہ جو جھاگ ہو جاتا ہے سوکھ کر اور جو کام آتا ہے لوگوں کے سو رہتا ہے زمین میں۔

نقصان پس اس کا بیان اس طرح ہے کہ ان کے حق میں اگرچہ حظوظ نفسانیہ سے محظوظ ہونا (چنداں) مضر نہیں لیکن نہ دل میں کسی پیر کا راسخ ہو جانا ان کے حق میں زہر قاتل ہے اور دل کا تعلق امردوں کے ساتھ اسی قبیل سے ہوتا ہے بااس کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے چنانچہ صاحب وجدان سلیم پر پوشیدہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکابر سالکان راہ حق سے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم" اس قسم کے امور سے کچھ منقول نہیں بلکہ جو کچھ اُن کے کلام ہدایت التیام سے اہل فطانت کے ذہن میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان امور سے پرہیز واجتناب کا اشارہ اور ان کی کراہت کا شعار ہے چنانچہ ماہرین اہل حدیث پر یہ امر پوشیدہ نہیں ولیکن جناب سرور کائنات علیہ التسلیمات والتحیات کا ان امور کی تحریم پر تصریح نہ فرمانا پس ایک حکمت غامضہ پر مبنی ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ امورہ بالفعل المفاسد شرعیہ میں سے کسی مفسدہ پر مشتمل نہیں باوجودیکہ ان امور کی طرف نفس کی کمال رغبت کی وجہ سے اور مخلوقات کے تمام ان اصناف میں ان کے کمال رواج کے سبب سے ان سے پرہیز کرنا عام لوگوں کے حق میں نہایت دشوار دکھائی دیتا تھا پس اگر اس قسم کے امور سے شریعت میں صریح نہی وارد ہوتی تو قطع نظر اس سے کہ ان امور کے سبب سے کوئی مفسدہ ظاہر ہو یا کوئی مضرت ان پر مترتب ہو محض ان امور کے کرنے سے ایک معصیت شرعیہ کا ارتکاب لازم آجاتا اور اکثر امت مرحومہ شقاوت عصیاں میں گرفتار ہو جاتی بناءً علیہ صرف ان امور کی کراہت کے شعار پر اکتفا کی گئی۔ پس طالب راہ حق کو مناسب ہی کہ اس قسم کے امور کا عادی نہ ہو جائے اور اپنے دل کے سویدا میں ان کو جگہ نہ دے اور ان کی طلب میں سرگشتہ و بیقرار نہ ہووے صمیم قلب سے ان کی طرف التفات نہ کرے ہاں اگر بطور اتفاق کبھی اس قسم کے امور پیش آجائیں تو ان کے انکار پر زور دینا چنداں ضروری نہیں اور اس کام کے کرنے والوں کے حال سے تعرض نہ کرنا چاہیئے تاتشدد فی الدین اور تحریم حلال لازم نہ آئے اور اگر اپنے عقیدت مندوں بلکہ تمام طالبان راہ حق پر جنہوں نے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضاجوئی میں کمر ہمت چست کی ہوئی ہے اس امر کی کراہت ظاہر کرے اور اس سے ممانعت کا ارشاد کرے تو احسن واولیٰ ہوگا بہر حال جن لوگوں نے ان امور کو قرب الٰہی کا وسیلہ جان کر عبادات شرعیہ کی مد میں داخل کر رکھا ہے پس یہ لوگ بلاشک اہل بدعت ہیں دوسرا افادہ جو کچھ اس کتاب میں تخلیہ (از اخلاق رزیلہ) اور تحلیہ (با اخلاق جمیلہ) کا ذکر مرقوم ہوا ہے وہ دو وجہ پر متحقق ہوتا ہے وجہ اول طریقہ اصحاب یمین کا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مرد مسلمان اپنے افعال اور اقوال کو میزان شرع سے تول کر ضروری مقدار تخلیہ اور تحلیہ کا حاصل کرکے اپنی سعی جمیل پر اجر جزیل کا امیدوار ہوتا ہے اور ان حظوظ نفسانیہ اور لذات جسمانیہ سے جو جائز ومباح

ہیں۔ پرہیز نہیں کرتا مثلاً مال و منال کے جمع کرنے اور امتعہ و اقمشہ[۱] کے فراہم کرنے میں نہایت کوشش کرتا ہے اگرچہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر وغیرہ نفقات واجبہ کے ادا کرنے اور اقربا اور خویشاوندوں پر خرچ کرنے پر سستی اور تساہل نہیں کرتا علیٰ ہذا القیاس بس اس شخص کی سعی مشکور[۲] ہوگی اور اس کا صاحب بقدر اعمال کے ماجور ہوگا اور اپنی طاعات و عبادات کے حساب پر جنت کے درجات سے کامیاب ہوگا۔

دوسری وجہ طریقہ سابقین ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ یہ لوگ صرف قدر ضرورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی عالی ہمت کی بدولت کار عزیمت کو اختیار کرتے ہیں اور ماسوی اللہ سے اپنا تعلق قطع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال اور اپنے مساعی و اعمال اور جوارح و اعضا سے منقطع العلاقہ ہوتے ہیں اور ان سب چیزوں کو اپنے منعم حقیقی اور مولائے تحقیقی کا مال سمجھتے ہیں مثلاً اپنے ہاتھ کو اپنا ہاتھ نہیں جانتے اور اپنے سر کو اپنا سر خیال نہیں کرتے اور تمام حشمت و شوکت اور مال و منال اور تمام اسباب دنیا کو حضرت حق جل شانہ کا ملک سمجھ کر اُن پر کسی قسم کا بھروسہ ہرگز نہیں کرتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں اُن کے صرف کرنے میں کسی طرح کا دریغ اور قصور نہیں کرتے اور یہ وسوسہ اُن کے خیال میں کبھی نہیں گزرتا کہ ہماری زندگانی اور معاش کس طرح گزرے گی مثلاً اگر ان کو طعام کی طرف سخت حاجت ہو اور اس حال میں اس کے خیرات کر دینے میں اپنے مولائے حقیقی کی رضا سمجھیں تو اس کے خرچ کر دینے میں کچھ صرفہ نہ کریں گے حتیٰ کہ جو مشقتیں اور کوششیں انہوں نے اپنے مولیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کی ہیں اُن کو بھی ہرگز اپنا ملک نہیں سمجھتے مثلاً اگر اُن کے تمام اعمال حق جل و علا کسی سرکش کافر کو بخش دے یا بلا سبب نیست و نابود کر دے تو ہرگز گلہ کا حرف اور شکایت کی حکایت اُن کے وہم و خیال میں بھی ہرگز نہ گزرے گی ہمارے اعمال مفت جاتے رہے یا کوئی چیز تھی جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی بلکہ جانتے ہیں کہ مالک حقیقی نے اپنے خاص ملک میں تصرف کیا ہے ہمارا ان کاموں کے ساتھ کسی طرح کا کچھ علاقہ نہیں بلکہ ان اعمال کا ہمارے ہاتھ سے صادر ہونا اُس چیز کی مثل ہے جیسے اُس کا مالک ایک صندوق میں جو محض اُس کا مملوک ہے رکھ دے پس اُس صندوق کو اس چیز سے ہرگز کسی طرح کا تعلق نہیں مثلاً اگر مالک اُس چیز کو بالکل برباد کر دے تو صندوق ہرگز اعتراض کی مجال نہیں بلکہ بعضے اُن بزرگواروں کو ایسا مقام عطا فرماتے ہیں کہ اس مقام میں قیام کرنے کے لوازمات سے یہ بات ہے کہ اس مقام کے صاحب کے دل سے فوارہ کی طرح رحمت ربانی اور عام لوگوں کی خیر خواہی جوش زن ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر اُن کو اطلاع ہو کہ ان کے بڑے بڑے اعمال بعضے گنہگاروں کو عطا فرما دیئے گئے ہیں اور انہیں اعمال کے سبب سے اُن کا کاروبار درست ہوگیا ہے (۸)

[۱] امتعہ جمع متاع یعنی اسباب خانہ و اقمشہ جمع قماش یعنی فراش و جامہائے منقش [۲] یعنی اس کی کوشش کی قدر دانی کی جائیگی ۱۲

اوران کا حال بدمآل روباصلاح ہوگیا ہے توالبتہ اُن بزرگوں کو اُن کے اعمال کے ذریعہ اُن گنہگاروں کی ہلاکت سے نجات پانے کے سبب سے بڑی خوشی اور فرحت پہنچیگی اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے نے ان کے اعمال کے سبب سے نجات پائی ہے چنانچہ شیخ سعدی شیرازی نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کے احوال سے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگوار ایک رات مناجات میں اس بیت کے مضمون کوادا فرماتے تھے بیت چہ بودے کہ دوزخ زمن پُرشدی ؛ مگر دیگراں را رہائی بدے ؛ الفقصہ جب یہ یعنی امور دنیا وعقبیٰ سے تبری اور بے تعلقی اُس کے دل کے اندر جائے گیر ہوجاتی ہے اوراس کی طبیعت کی تہ میں مستحکم ہوکر بیٹھ جاتی ہے اور مقام فنائے ارادہ پورا پورا اسے حاصل ہوجاتا ہے تو عنایت غیبی اُس کو برگزیدہ کرکے بمنزلہ چیلہ خاص کے کردیتی ہے جسطرح کہ بادشاہان ذوالاقتدار اپنی بعض مطیعین کوتمام رعایا سے ممتاز کرکے چیلہ خاص کاخطاب اسے دیدیتے ہیں۔ پس جسطرح چیلہ خاص کو اپنے مولیٰ کی امتعہ واقمشہ میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت ہوتی ہے اور اپنے مولیٰ کی تمام سلطنت کو اپنی طرف نسبت دے سکتا ہے مثلاً بادشاہ ہندوستان کے چیلہ خاص کو پہنچتا ہے کہ کہے ہماری سلطنت شہر کابل سے لے کر سمندر کے کنارہ تک ہے اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون ومجاز ہوتے ہیں اوران بزرگواروں کو پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کواپنی طرف نسبت کریں مثلاً اُن کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے۔ اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت متساوی ہے یا اس طرح کہیں کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ خصوصیت نہیں کہ وہ چیز ہماری طرف منسوب ہو اور اُس کے سوادوسری چیزیں ہماری طرف منسوب نہ ہوں واللہ اعلم بالصواب تیسرا افادہ۔ جوحالات ومقامات اور فضائل اس رسالہ میں مندرج ہیں جوشخص اُن سے متصف ہوجائے یا صرف انکی دریافت علمی سے بہرہ مند ہوجائے اُس کو لازم ہے کہ اُن مومنوں کی تعظیم وتکریم اور حق شناسی میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے جوان امور سے عاطلؔ اور غافل ہیں بلکہ ہر ایک کے حال کے مطابق اس کی تعظیم کا حق بجالادے کیونکہ ہر مسلمان اللہ جل شانہٗ کا نام پاک کہنے سے کوتاہی نہیں کرتا پس اولاً توعظمت اس نام کی خاطر اس کی تعظیم کرنی چاہیئے یہ نام پاک نہایت جلیل القدر نام ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز وزن نہیں رکھتی اور اس کی کنہ کمال میں ادراک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اجر وثواب کی نہایت نہیں ثانیاً اپنے ابتدا اور انجام کے حال کا ملاحظہ کرکے تکبر کی بُری صفت سے بری ہوکر اپنا بازو لپست

لہ عاطل یعنی خالی جوان صفات سے موصوف نہیں ہوئے۔ غافل بیخبر؛

کرے کیونکہ ابتدائے آفرینش میں ہر کوئی محض بے عقل اور بالکل تازہ ہوتا ہے۔ اور انجام کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا پھر اپنے حق میں خود بینی کس بھروسہ پر کرے ثالثاً حضرت حق جل شانہ کی عموم رحمت کی لحاظ سے (ہر ایک کی تعظیم میں کوشش کرنی چاہیے) کیونکہ اس کی رحمت و قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایک لمحہ میں انسان کو خواہ مومن ہو خواہ کافر قطب الاقطاب بنائے پس کافر کو ایک لمحہ میں نعمت ایمان سے فائز کر کے اسی وقت اس کو نعمت قطبیت سے مشرف کرے اور اس کی رحمت اور انعام محنت اور استعداد پر موقوف نہیں بلکہ محنت اور استعداد بھی اُس کے انعام عام میں سے ہے اگر کسی کو بڑے عرصہ میں نہایت سخت سخت محنتیں کرنے کے بعد کوئی نعمت عطا ہو تو یہ خیال نہ کرے کہ بخشش الٰہی ایسی محنت کے سوا کسی کو حاصل ہونی ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ اُس سے ہزار درجہ بڑھ کر بلا محنت ایک لحظہ میں عطا فرمائے کسی نے خوب کہا ہے بیت دادِ حق را قابلیت شرط نیست ۔ بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست ؛ چوتھا افادہ۔ جاننا چاہیے کہ جو کچھ تہذیب اخلاق یعنی خصال رذیلہ سے اپنے نفس کو خالی کرنا اور اخلاق فاضلہ سے اپنے آپ کو موصوف کرنا اور اصلاح اعمال و عبادات کے متعلق پہلے تفصیل وار بیان ہو چکا ہے یہ سب کچھ اُس شخص کے حق میں ہے جو خدائے تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اور باوجود رضائے مولیٰ کے حضرت ذوالجلال کی بارگاہ میں مقبولیت اور عزت اور اعتبار حاصل کرنا چاہیے اور مطلق نجات کا دار و مدار ان امور پر منحصر نہیں بلکہ نجات کا مدار صرف کلمہ (توحید) پر ہے کہ صدق دل اور اعتقادِ درست سے پڑھے اور بُرے عقیدہ اور کلمۂ کفر سے بچتا رہے اگرچہ بڑے بڑے کبیرے گناہ جیسے زنا وغیرہ اُس سے صادر ہو جائیں لیکن جس شخص نے تصدیق کامل اور اذعان دل سے کلمہ (اسلام) کہہ لیا وہ ضرور نجات پائیگا اور بہشت میں پہنچے گا اور جو شخص کلمہ کے مضمون پر اعتقاد کامل اور تصدیق صحیح رکھتا ہوگا وہ ضرور ہے کہ ناشائستہ کاموں کو قبیح ہی جانے گا اور دل میں ان سے بیزار اور پشیمان ہی ہوگا گو بالکل اُن کو ترک نہ کر سکے بلکہ ہر روز چند بار بلکہ سو سو بار اُن کا مرتکب ہو اور گناہوں کا ارتکاب بھی مختلف صورتیں رکھتا ہے پس گناہ کا ارتکاب اس صورت سے کہ گناہ کرتا جائے اور عین مشغولی گناہ کی حالت میں خدا تعالیٰ کو غفور رحیم جانے اور یہی جاننا گناہ کرنے پر اُس کی دلیری اور جرأت کا موجب ہو جائے یہ صورت ارتکاب معاصی کی صورتوں میں سے بدترین صورت ہے کیونکہ اس صورت سے گناہ کرنا گویا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے استہزا کرنا ہے معاذ اللہ من ذٰلک یہ صورت مرتکب گناہ پر غضب الٰہی کے متوجہ ہونے کی باعث ہو جاتی ہے اور جو شخص گناہ کرنے کے وقت میں اپنے آپ کو ہلاک شدہ اور گیا گذرا ہوا اور مستحق عذاب کا جانے گو بعد میں توبہ بھی نہ کرے اس شخص کا انجام انشاء اللہ تعالے

نیک ہوگا۔ اور اس کی نیک انجامی کا تعین مشیت خداوندی کے حوالہ ہے اگر چاہے تو اُسے ایسے نیک عمل کی توفیق دیدے جو تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور سب خطاؤں کو محو کر دے یا کسی شفیع کو اُس کی شفاعت کی توفیق اور قوت دے کر اُس کی شفاعت اُس کے حق میں قبول فرمائے یا بدوں اُن دونوں امر کے کسی طور پر اُس کی آمرزش کر دے یا اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں یا قبر میں یا حشر میں یا جہنم میں بھگتا کر بہشت میں پہنچا دے **پانچواں افادہ** چونکہ مردِ مسلمان کی زندگی اور موت سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے مطابق ہونا کمال ایمان کی علامت ہے اور زندگانی میں تو اُس کے کام کا اختیار اُس کے ہاتھ میں ہے اور موت کے بعد مردہ بدست زندہ ہوتا ہے جو کچھ اغیار چاہتے ہیں کرتے ہیں لہذا مردِ مسلمان محبِ سنت اور مبغضِ بدعت کو چاہئیے کہ جس وقت قریب الموت ہونے کے آثار نمودار ہونے لگیں توبہ استغفار کر کے اپنے ایمان کو ارحم الراحمین کے سپرد کر دے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا ہر وقت میں معین و مددگار ہے اور ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنا ایمان ہر وقت و زمان میں اس کے حوالہ اور سپرد کر رکھے لیکن اس کو اس وقت کام میں زیادہ کوشش کرنی چاہئیے کہ غفلت اور بے ہوشی کے طاری ہونے کا وقت ہے اور اپنی تجہیز یعنی گور و جنازہ دفن و کفن کے واسطے وصیت تجویز کر کے لکھکر نگاہ رکھے اور دفن کرنے والوں کو اس بات پر آگاہ کر دے کہ جو شخص کوئی عمل خلاف طریقہ محمدیہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میری تجہیز و تکفین اور دفن میں کرے گا قیامت کے دن اُس سے مواخذہ کروں گا اور خداوند تعالےٰ کے روبرو اُس کا دامن پکڑوں گا اور معاملہ دفن و کفن میں جس بدعت کا رواج ہو نہایت اہتمام سے اُس کی ممانعت کرے جیسے قبروں پر قبہ بنانا اور چونہ گچ لگا کر قبروں کو پختہ کرنا اور مقبروں کی سجاوٹ میں تکلف کرنا اور چراغ جلا کر روشنی کرنا کیونکہ یہ اعمال لعنت کے موجب ہیں خصوصاً جس جگہ ان کو اعمال صالح سے شمار کرتے ہوں اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْبِدْعَاتِ وَرَزَقَنَا اِتِّبَاعَ الْمُصْطَفٰی فِیْ جَمِیْعِ الْحَالَاتِ۔

تیسرا باب راہِ ولایت کے سلوک کے طریقہ کے بیان میں

اور یہ باب چار فصل اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے

پہلی فصل

طریقہ قادریہ کے اشتغال کے بیان میں۔ اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے تمہید اشتغال طریقہ قادریہ کا خلاصہ مع کسی قدر تغیر کے "جو سہولت سلوک اور جلد کامیاب ہونے کا موجب ہو۔ اور نہایت کے ہدایت میں درج ہو جانے کا اثر اُس میں ظاہر ہو" اس فصل میں تحریر کیا گیا اور چونکہ تمام

اشتغال ذکر اور فکر میں مندرج ہیں اس لئے اس فصل کو دو ہدایت پر تقسیم کیا گیا۔

پہلی ہدایت ذکر کے طریقوں کے بیان میں

اور یہ ہدایت چار افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ پہلے پہل ذکر یک ضربی کرنا چاہیئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھکر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور بلند آوازی سے نکال کر اپنے مُنہ کے سامنے ضرب لگائے اور اس لفظ مبارک کا تلفظ کرتے وقت ایسا خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ ایک نور اُس کے مُنہ سے نکلا ہے اور جس وقت ضرب تمام ہو جائے گی اس وقت ایک لمبی سی آواز گھڑیال کی آواز کی طرح خیال میں رہے گی بیان اُس کا یہ ہے کہ جب انسان زور سے بلند آوازی کے ساتھ کوئی آواز نکالنا چاہتا ہے پہلے اس سے کہ کوئی سُنائی دینے والی آواز پیدا ہو ایک جنبش ظاہر ہوتی ہے اور اس جنبش کو صوت خیالی کہہ سکتے ہیں اور جس وقت زور کی جہری آواز تمام ہو جاتی ہے اس کے تمام ہونے کے بعد اور پہلے اس سے کہ دم اپنی جگہ پر آجائے اور منہ اور لب اور زبان کی ہیئت و شکل اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرے ایک ایسا امتدادِ صوتی خیال میں رہتا ہے۔ کہ کان کو اُس کے سننے سے کچھ حصہ نہیں لیکن آواز کرنے والا جانتا ہے پس اُس پچھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس آواز کے ساتھ نور متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادر نورانی کی طرح بنا کر اپنے منہ کے سامنے سے سر پر ڈالے اور تمام بدن کو سر سے پاؤں تک اُس کے ساتھ احاطہ کرلے پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اور خاموشی اختیار کر کے اس طرح خیال کرے کہ چادر نورانی ہر طرف سے اُس کے بدن میں اندر چلی گئی ہے اور سینہ کے وسط میں جا کر جمع ہو گئی ہے اور پھر چند بار بہ سبب تکرار اس نور کے تہ برتہ ہو کر تمام جسم کی جگہ وہی نور قرار پکڑلے گا اور اس سکوت میں اپنے لحاظ کو ذات بحث کی طرف متوجہ کرے اور پھر اُس لحاظ کے ٹھیرنے اور نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح ذکر کرے اور اس ذکر کو کثرت سے لگاتار کرتا رہے تاکہ قابو میں آجائے دوسرا افادہ ذکر یک ضربی کے راسخ ہونے کے بعد طریق مسطور ذکر دو ضربی شروع کرے اُس کا طریق اس طرح ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے زور سے بلند آواز کے ساتھ نکال کر داہنے زانو میں ضرب کرے پھر متخیل آواز کے امتداد کو آہستگی سے داہنے کندھے تک کھینچکر وسط سینہ میں پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور برآمد ہوا ہے اور زانو اور پہلو اور کاندھے اور داہنے ہاتھ کی جا بجا تمام وہ نور ہو گیا ہے یعنی یہ سب اعضا باطل و نابود ہو گئے ہیں

اور اس نور نے اُن کی جگہ لے لی ہے پھر ذرا سی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں نور کا اعضا مذکورہ کے جابجا ہونا لحاظ میں رکھے تا اس کے ذہن میں اس نور کی صورت جابجا اُن اعضا کے خوب بیٹھ جائے بعد ازاں اسی لفظ کو اُس نور کے ہمراہ سینہ کے وسط سے داہنے شانہ تک کھینچکر دل پر شدت اور زور سے ضرب لگائے اور ایسا خیال کرے کہ وہی نور جو اُس کے داہنی جانب پر محیط ہو گیا تھا دل میں اُتر گیا ہے پھر تھوڑی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں اس طرح خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے دل میں اتر گیا تھا اس شخص کے تمام بدن کے اندر سرایت کر گیا ہے تیسرا افادہ طریقہ ذکر سہ ضربی کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب داہنی طرف میں اسی طریق سے لگائے جو مذکور ہوا اور دوسری ضرب بائیں جانب میں اسی طریق پر لگائے اور تیسری ضرب دل میں لگا دے چوتھا افادہ ذکر چار ضربی کا طریق یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب بطریق مذکورہ پر داہنی جانب میں لگا دے اور دوسری بائیں جانب میں اور تیسری دل میں اور چوتھے اپنے روبرو لگا دے اس وضع پر کہ اس چوتھی ضرب کے ساتھ یہ خیال کرے کہ گویا جو نور اُس کے ساتھ برآمد ہوا ہے نیچے سے احاطہ کرتا ہے تاکہ اس شخص کو سارا گھیر لیا ہے اور وہ شخص بالکل اُس میں محو و مستغرق ہو گیا ہے بلکہ اس شخص کے بدن کی جگہ وہ نور قرار پکڑ رہا ہے فائدہ اس طریق مذکور پر اس ذکر کی غایت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا اثر ذاکر تمام بدن پر اجمالاً و تفصیلاً احاطہ کر لے اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے عموماً اور اعضائے مذکورہ سے خصوصاً نکل جائے اور فنائے جسمانی کی تمہید ہو جائے اور فکر ذکر کے ساتھ مختلط ہو جائے اور ذکر سے مراقبہ کی طرف انتقال کرنے میں قریب تر ہو خلاصہ یہ کہ جب افکار چہارگانہ کے آثار یک ضربی سے لے کر چہار ضربی تک ظاہر ہو جائیں اس وقت فکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے۔

دوسری ہدایت اقسام فکر کے بیان میں۔ اور یہ سات افادے پر مشتمل ہے پہلا افادہ۔

پہلا مراقبہ وحدانیت کا مراقبہ ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کو کہ لاشریک لہ اُس کا مبین ہے ہر جگہ لحاظ کرے کہ ہر زمان و مکان میں وہی ذات پاک یگانہ و یکتا موجود ہے اور اس ملاحظہ کی تین صورتیں خیال میں گزرتی ہیں اوّل یہ کہ ہر چیز کی نفی کر کے اسکی جگہ حق تعالیٰ کے وجود کو سمجھے دوسرے یہ کہ وجود حق تعالیٰ کو ان چیزوں کا عین خیال کرے یہ دونوں طریق مراد نہیں بلکہ ان دونوں طریق سے پرہیز اور اجتناب کو لازم سمجھے اور تیسری صورت جو اس جگہ مراد ہے وہ یہ ہے کہ اس کے وجود کو یگانہ اور تمام اشیا کا غیر ہر جگہ میں تصور کرے نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ اُن کو عین خداوند تعالیٰ کا جانے مثال اس کی اس طرح ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس معنی سے فارسی

میں لفظ "ہست" کے ساتھ اور ہندی میں لفظ "ہے" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ معنی ہر جگہ موجود ہے اور کسی چیز کا عین نہیں بلکہ ہر چیز کا غیر ہے باوجود آنکہ کوئی چیز اُس سے خالی نہیں۔ دوسرا افادہ۔ مراقبہ وحدانیت کے استحکام اور استقرار کے بعد مراقبہ صمدیت کرے اور اُس کے دو مرتبے ہیں ایک ابتدا اور ایک انتہا اُس کی ابتدا سے تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام چیزوں کیلئے محتاج ہونے اور اس کے تمام اشیا سے مستغنی اور بے نیاز ہونے کا اجمالاً ملاحظہ کرے پس جب یہ مرتبہ محکم ہو جائے تو اس کے انتہا کے حاصل کرنے کی طلب کرے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے محتاج ہونے کا اس کی طرف تمام امور معاش و معاد میں تفصیل وار ملاحظہ کرے بایں طور کہ یہ ملاحظہ نہایت محبت اور الفت اور نہایت عجز اور زاری کے ساتھ ممتزج اور ملا ہوا ہو یعنی اس طرح ملاحظہ کرے کہ مجھے ہر چیز میں اس کی طرف حاجت ہے اور اُس کی امداد اور اعانت کے بغیر کسی کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا خواہ بڑا کام ہو یا سہل اور ہلکا سا کام ہو امور معاش سے ہو یا معاد سے اور اس مراقبہ سے اس کو بڑی الفت اور محبت اور ایک راہ جناب کبریائی میں حاصل ہو جائے گی کہ اپنی جان اور مال اور عزت و آبرو کو اُس کی مرضی میں بلکہ صرف اُس کے نام پر فدا کرنا سہل اور آسان معلوم ہوگا بلکہ اُس کو اپنے فخر و اعتبار اور عزت اور مرتبے کی ترقی کا سبب شمار کرے گا۔ اور یہ امر اُس کے اعتقاد میں بخوبی مستقر و مستحکم ہو جائے گا مثال اُس کی اس طرح ہے کہ جس شخص کو ہمیشہ کے لئے کسی بادشاہ کی طرف سے انعام و جاگیریں موروثی اَبًا عَنْ جَدٍّ ملی ہوئی ہیں اور تمام اس کی معاش اور عزت و اعتبار کا کاروبار انہیں کے وسیلہ سے بنا ہوا ہے اگر اس بادشاہ کی طرف سے کسی کام کے سرانجام کے لئے مامور ہو تو اس مہم کے بہم پہنچانے میں جانبازی کو بھی اپنا فخر سمجھے گا اور اس مراقبہ سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں اور اس مراقبہ کے ثمرات سے توحید الٰہی کا انکشاف ہے کہ باوجود کثرت انعام اور کثرت کارکنندوں کے صاحب اس مراقبہ کو ایک ہی فاعل اور ایک ہی موثر ہر فعل اور ہر جنبش سکون میں ظاہر ہو جاتا ہے اور فاعل حقیقی کی ذات پاک ہے تیسرا افادہ اس مراقبہ کے بعد شغل دورہ کرے اور اس شغل کے چار اسم ہیں اسماء حسنیٰ سے یعنی سَمِیع اور بصیر اور قدیر اور علیم ان چاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ اسم ذات کو ضم کرے پس مراقبہ کے طور پر بیٹھ کر خاطر کو جمع کر کے حضور دل سے اپنے خیال میں کہے کہ اَللّٰہُ سَمِیْعٌ اور اس ناف سے "جو لطیفہ نفس کا مقام ہے" وسط سینہ تک کھینچے جو لطیفہ سر کا مقام ہے اور اس طرح سمجھے کہ اس کی روح جو تمام بدن میں ہر چیز کے سمجھنے اور ادراک کرنے والی چیز صرف وہی ہے اکٹھی اور فراہم ہو کر ذکر

مذکور کے ہمراہ ناف سے وسط سینہ تک پہنچ گئی ہے اور اگر ناف سے وسطِ سینہ تک روح کا انتقال کرنا اس پر دشوار ہو تو ایسا خیال کرے کہ ان دونوں اسموں یعنی اللہ اور سمیع کے درمیان اسی طرح پر گھری ہوئی ہے کہ لفظ "اللہ" اُس کے اوپر ہے اور لفظ "سمیع" اس کے نیچے ہے پس اس تدبیر سے روح کا انتقال ان دونوں اسموں کے انتقال کے ہمراہ آسان ہو جائے گا پھر اللہ۔ بصیر۔ کے ہمراہ بطور مذکور لطیفہ اخفیٰ تک جس کا مقام سر میں تالو کے مقابلہ میں ہے پہنچا دے پھر اَللہُ قَدِیرٌ کو اخفیٰ سے چوتھے آسمان تک پہنچائے اور اپنی روح کو اُس کے تابع اور ہمراہ کرے پھر اَللہُ عَلِیمٌ کو وہاں سے عرش معلیٰ تک پہنچائے اور اس ذکر کی استعانت سے روح کو چوتھے آسمان سے عرش مجید تک ترقی دے اور چاہیے کہ تیسری اور چوتھی منزل میں یعنی چوتھے آسمان اور عرش مجید پر روح کو کچھ دیر تک یعنی گھڑی آدھ گھڑی تک جتنا ہو سکے ٹھیرا کر اس جگہ روح کو چپ وراست دَور و سیر کرائے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان مقاموں میں روح کا ٹھیرنا مشکل ہوتا ہے بلکہ بوجھل چیز کی طرح خود بخود نیچے گر پڑتی ہے۔ پس اُس چیز کی تدبیر اس طرح ہے کہ چڑھنے کے وقت آسمانوں میں سوراخ کے طور پر خیال سا راستہ بن جائے گا تو وہاں روح کے ٹھیرنے اور اقامت کرنے کے لئے اس راستہ کو خیال کی کوشش سے بند کرے تا روح اس جگہ توقف کرے۔ پھر انہیں بدرقوں کے ساتھ عرش مجید سے لطیفہ نفس تک اسی وضع و ترتیب سے جو مذکور ہو چکی ہے نزول کرے اَللہُ عَلِیمٌ کے ذکر کے ساتھ عرش سے چوتھے آسمان تک اور اَللہُ قَدِیرٌ کے ذکر کے ساتھ چوتھے آسمان سے لطیفہ اخفیٰ تک اور اَللہُ بَصِیرٌ کے ذکر کے ساتھ اخفیٰ سے سر تک پھر اَللہُ سَمِیعٌ کے ذکر کے ساتھ سر سے لطیفۂ نفس تک اُترے اور آہستہ آہستہ اس ذکر کو زیادہ کرے تاکہ اُس کے آثار ظاہر ہوں منجملہ اس کے آثار کے ذاکر کی روح کی نورانیت ہے اور ارواح انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات کا منکشف ہونا اور انہیں امور کی خاطر روح کو آسمان پر ٹھیرا کر وہاں دَور و سیر کرانا مناسب ہے۔ اور وہاں کے عجائبات کا دیکھنا مختلف طور پر واقع ہوتا ہے ہر کوئی بموجب اپنی قوت ادراک اور اپنی استعداد اور اپنے حال کے مناسب دیکھتا ہے اور ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہم کلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے اور کبھی کسی نیک صلاح پر جو سالک کی راہ کے مفید ہوتی ہے یا اور کسی امر پر اُس کو اطلاع دیتے ہیں اور اس کی بدولت سالک کو ایک قسم کی لطافت اور ذاتِ پاک الٰہی کے ساتھ قرب اور اُنس میسر ہو جاتا ہے اور اپنے

جسم سے بیگانگی سی حاصل ہو جاتی ہے اور ایک قسم کی نورانیت بہم پہنچتی ہے جو کہ شغل نفی میں اعانت و امداد کرتی ہے اور ہر چند روح بشری عالم قدس اور سموٰات میں عروج کرنے کے قابل نہیں لیکن ذکر الٰہی اُسکا بدرقہ ہو گیا ہے پس جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ کی معاونت سے پہنچ جاتی ہے۔ ۹۷

چوتھا افادہ۔ بعد ازاں شغل نفی کو شروع کرے بیان اس کا یہ ہے کہ بمقتضائے فرمودۂ خداوندی اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ انوار الٰہی ہر جگہ موجود ہیں جسطرح کہ وجود ہستی ہر جگہ ثابت ہے چنانچہ مراقبۂ معائیت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور انوار اس وجود کو لازم ہیں پس جس جگہ وجود ہے اس جگہ انوار بھی متحقق ہیں اور جس طرح وجود کا احاطہ معلوم ہو چکا ہے اسی طرح اُس کے انوار کا وجود سمجھنا چاہیئے اور باوجود آنکہ انوار سب جگہ موجود ہیں لیکن انسان کی قوت دراکہ اشیائے کثیفہ ظلمانیہ یعنی اجسام فلکی و عنصری کے خیالات کے اختلاط کی وجہ سے اُن کے ادراک سے محجوب اور محروم ہے نہ انوار کی غیبت اور دوری کیوجہ سے اور ذات بحت تک واصل ہونے کے لئے حجب کا طے کرنا جن سے مراد انوار ہیں ضروری امر ہے اور اکثر لوگوں کے حق میں بدوں ان کے ادراک کے ان کا طے کرنا محال ہے اور جو بعض بلند فطرت والوں کو بدون انکشاف انوار کے ذات بحت کا وصول میسر ہو جاتا ہے پس یہ اکثر لوگوں کے انکشاف انوار کی طرف محتاج ہونے میں قدح نہیں کرتا پس ان انوار کے ادراک کے لئے اپنی قوت دراکہ کو خیالات ؒ مذکورہ سے پاک اور صاف کرنا چاہیئے تاکہ انوار الٰہی مدرک ہو جاویں اور جوں ہی طالب کی قوت دراکہ کا آئینہ خیالات مذکورہ کے رنگ سے مصفا اور مصقول ہو گا فوراً وہ انوار ہر جگہ موجود ہیں بلا دقت دریافت ہونے لگ جائیں گے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شغل نفی کرے اور شغل نفی کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے خیال سے اشیا کو نیست و نابود کرے اگرچہ فی الحقیقت کوئی چیز نیست نہ ہوگی اور حقیقتًہ اشیا کو نیست و نابود جاننا بالکل خیال باطل اور محض جھوٹا وہم ہے جو کچھ موجود ہے وہ موجود حقیقی تبارک و تعالیٰ کے موجود کرنے سے موجود ہے اور اس کے وجود پاک کے ساتھ ہر موجود چیز کو ایک خاص ربط حاصل ہے پس کسی چیز کے وجود کی فی الواقع نفی کرنا ممکن نہیں اور اس امر کا قصد کرنا گویا خالق تعالیٰ کا مقابلہ کرنا ہے علاوہ ازیں نفی واقعی کے ساتھ کوئی غرض بھی متعلق نہیں کیونکہ غرض تو اپنے مدرکہ کا صاف کرنا ہے جب مدرکہ صاف ہو گیا اپنا مدعا حاصل ہو جائے گا نفی واقعی سے کچھ مطلب نہیں ہر چند تمام عالم کی نفی کرنا ایک دشوار سا کام نظر آتا ہے لیکن اس جگہ صرف دو مرتبے ہیں اور بس کیونکہ تمام عالم کی نفی اور عالم کے ایک جز کی نفی برابر ہے انسان کو اپنی خیال کا ایک مچھر کے پر سے خالی کرنا اور تمام افلاک سے خالی کرنا یکساں ہے ہاں البتہ اپنے وجود کی نفی کرنا ایک مشکل

ؔ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی روشنی ہے ؒ یعنی اشیا کثیفہ ظلمانیہ جیسے اجسام فلکیہ اور عنصریہ کے خیالات ؛

ساکام ہے اس لئے نفی کے دو مرتبے مقرر کرنے چاہئیں اول اپنی نفی دوسری تمام عالم کی نفی اور دوسرے مرتبہ کی سہل اور پہلے مرتبہ کے دشوار ہونے کا سبب یہ ہے کہ قوت درّاکہ اپنے آپ کے علم اور دانست سے ہر وقت ممتلی اور پُر ہے اور اپنے غیر کا دریافت کبھی کبھی ہوتا ہے پس دوسری نفی میں کسی چیز کو اپنی قوت درّاکہ میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے اور پہلی نفی میں جو چیز قوت درّاکہ میں قرار پذیر اور جائے گیر ہو چکی ہے اُس کا نکالنا چاہتا ہے پس باہر کی چیز کو داخل ہونے سے روکنے اور اندر گھسی ہوئی چیز کو باہر نکالنے میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں کہ اول بہ نسبت دوسری کے نہایت سہل اور آسان ہے۔ یا اس کا فرق اس طرح سمجھنا چاہئے کہ جس شخص نے بارش کبھی کبھی دیکھی ہو اس کو بارش کی نفی[1] کرنا آسان ہے بہ نسبت اس شخص کے جو مین بارش میں کھڑا ہے اور متواتر قطرے اس کے بدن پر پڑ رہے ہیں بناءً علیہ خود اپنی نفی میں جسم کی نفی سہل تر ہے لیکن جسم کے جس مقام پر علم اور دانست کا قرار ہوتا ہے اس کی نفی دشوار تر ہو جاتی ہے اور کبھی سر کی نفی جو کہ ادراک اور امتیاز کا مقام ہے مشکل ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کو جو کہ اپنے سانس اور دم کی آمد و رفت پر زیادہ مطلع رہتے ہیں اُن کو اپنے حلق اور سینہ کی نفی سخت مشکل پڑتی ہے الغرض جس چیز پر آگاہی اور اطلاع زیادہ تر ہو اس کی نفی بھی مشکل اور سخت تر ہوتی ہے پس پہلے پہل تمام عالم کی نفی کر کے اپنے بدن کی نفی کرے اور اُس جگہ کی نفی سے شروع کرے جس کی نفی دشوار معلوم ہوتی ہو کہ اُس عضو کی نفی ہی یکبارگی تمام بدن کی نفی ہو جائے گی اور اصل اور عمدہ نفی کے حاصل کرنے میں کسی کامل صاحب نفی کی توجہ ہے کہ اپنی نفی کر کے ہمت کے ساتھ متوجہ ہو کر القا کرے اور اس کام کے مبتدی پر اول اول نفی کا ظہور مختلف صورتوں سے ہوتا ہے کہ سینہ اور شکم کے مقام میں اول ایک خلا سا معلوم ہوتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو بے سر گمان کرتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو بغیر دونوں ہاتھوں کے خیال کرتا ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ میں چھوٹا سا ہو گیا ہوں اور کبھی اپنے آپ کو بغیر ضخامت اور جثہ کے ایک طول کا طول خیال کرتا ہے گویا ایک گوشت کی نلکی سی ہے کہ دم بدم لمبی اور باریک ہوتی چلی جاتی ہے اور سہل طریقہ تصور کا یہ ہے کہ اپنے سینہ یا شکم میں خلا کا خیال کرے جس طرح توپ کا گولہ ایک طرف سے دوسری طرف پہنچ جاتا ہے اور بدن کے اُس مقام کو خالی چھوڑ جاتا ہے پھر اُس خیالی سوراخ کو آہستہ آہستہ فراخ تر اور کشادہ تر کرتا جائے تاکہ انجام کو پہنچے اور اس کی سخت ترین صورت یہ ہے کہ ایک معنوی غیبی چیز جس سے مراد فنا ہے عالم غیب سے اُس کی طرف متوجہ ہو کر یکبارگی اُس کے جسم کو نیست و نابود[2] کر دے جیسے سخت پتھر ایک کمزور ٹھیکری پر پڑ کر اُس کو چور کر دیتا ہے اور کبھی اُس کا تصور اس طرح سے بھی کر سکتے ہیں کہ اُس کی جان نکل گئی ہو

---

[1] یعنی کھوکھلا پن اور خالی ہونا۔ [2] یعنے دل سے بھلا دینا۔

یا گوشت کا ٹکڑا جس کا نام دل ہے وہ اس کے وجود سے نکل کر معدوم ہو گیا ہے اور چونکہ جسم بغیر جان اور دل کے باقی نہیں رہ سکتا پس وہ جسم بھی بے جان ہو کر مضمحل ہو گیا ہے اگرچہ اس کام کے واقف کے نزدیک ان مختلف صورتوں کا بیان کرنا تطویل بلا طائل[1] ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مجمل نفی کا معنی بیان کرنے سے اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کا تعین کسی بڑے زیرک قوی الذکا کو بھی میسر نہیں ہوتا اور گاہ گاہ باوجود دریافت کرنے بہت سی صورتوں کے کند ذہن غافل کو بھی ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ کوئی اور ہی صورت ظاہر پڑتی ہے غرض کہ اس کی مختلف صورتوں کا دریافت کرنا فائدہ سے خالی نہیں جس وضع پر اُس کا ابتدا نمودار ہو اُس کو بخوبی اپنے خیال میں پکڑ کر اُس کے زیادہ کرنے میں کوشش کرے تاکہ تمام بدن کی نفی انجام کو پہنچے اور نفی کی دشواری کے وقت میں کلمۂ لَا مَوجُود اِلَّا اللہُ وَلَا فَاعِلَ اِلَّا اللہُ کو دونوں کلموں کے معنی سمجھکر جس جگہ کی نفی مشکل ہو پڑے اُسی جگہ پر قوت خیال کے ساتھ ضرب کرے انشاء اللہ یہ شغل اس کے لئے کافی ہوگا۔ اور کبھی بعد نفی کے ایک اس قسم کا خلا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خیال کرے کہ تلوار کی ضرب اس کے بدن پر لگے تو بدن اس کا مانع اور مزاحم نہ ہوگا جس طرح خلا میں سے ضرب خالی گذر جاتی ہے اسی طرح اُس کے درمیان سے خالی کی خالی نکل جاتی ہے اور کبھی ایک تاریکی کاجل کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کے اِردگرد ایک نورانی چمک باریک خط کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ خط نورانی مکدر اور تاریکی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے شعلہ آگ کا کنارہ دھوئیں کے اختلاط کے سبب سے بہت باریک اور مکدر دکھلائی دیتا ہے اور نیز وہ خط نورانی بالاستقلال نہیں محسوس ہوتا بلکہ تاریکی کے ضمن میں دریافت ہوتا ہے اگر اُس کی طرف استقلال کی نظر متوجہ کریں تو اسی وقت معدوم ہو جاتا ہے اور سوائے تاریکی کے کوئی دوسرا مدرک نہیں ہوتا پس اس تاریکی کا نام رکھتے ہیں نور نفی اور اس شغل کی نفی کو بخوبی مزاولت کرنا چاہیئے کہ امور مکدرہ سے جو خس و خاشاک کے حکم میں ہیں اسی شغل کے سبب سے طالب کا ذہن مصفا ہوتا ہے اور سالکوں کو اکثر اوقات اس شغل کی حاجت پڑتی ہے فائدہ۔ طالب کو چاہیئے کہ شغل نفی کے ساتھ مشغول ہونے کے دنوں میں شغل یادداشت بھی کرے اور اس کی حقیقت شغل دائمی ہے ذات بیچون وبیچگوں کی طرف نشست و برخاست اور کسب کار اور مصیبت و آزار اور کھانے پینے وغیرہ ہر وقت میں ادھر ہی دھیان لگا رہے بایں طور کہ کوئی امر اس التفات سے مانع نہ ہو جیسے جب کسی شخص کو کسی چیز کی محبت یا کسی کام کا اہتمام دل میں راسخ ہو جائے تو حوائج ضروریہ اور اعمال معاشیہ کے عین اشتغال کے وقت اس کا دل کما ینبغی اُسی

[1] یعنی بے فائدہ کلام کو طول کرنا۔

امر کی طرف متوجہ رہتا ہے چنانچہ ہر صاحب وجدان پر پوشیدہ نہیں پس جو لوگ حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں اُن کو چاہئیے کہ تمثیل مذکور کو اپنے وجدان سے دریافت کر کے خدائے تعالیٰ کی ... یاد داشت کو ممتنعات عقلیہ یا محالات عادیہ سے نہ شمار کریں بلکہ اُس کو سہل اور آسان سمجھ کر اُس کے حاصل کرنے پر کمرہمت چست باندھ لیں اور یہ بھی جاننا چاہئیے کہ جس طرح بعض اشخاص کو بعض چیزوں کی یادداشت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ اس چیز کی یادداشت کے حاصل ہونے پر متنبہ نہیں ہوتے مگر بوقت حاصل ہونے کے کسی ایسے امر کے جو اس چیز کی یادداشت حاصل ہونے پر مشعر ہو مثلاً ہر شخص کو اپنے بدن کی طرف التفات دائمی حاصل ہے اور اس علم کا علم نہیں ہوتا مگر جب کسی شخص کے ساتھ بیٹھے یا کوئی درد پہنچے اسی طرح بعض سالکوں کو خدائے تعالیٰ کی یادداشت حاصل ہوتی ہے اور اس کے حصول کا شعور نہیں ہوتا مگر بوقت عارض ہونے غفلت یا کسی اور امر کے جو امر یادداشت میں خلل انداز ہو اور یادداشت حق کے ملکہ کے بعد دوسری یادداشت کو بھی اُس کے ساتھ ضم کرنا چاہئیے جس کا بیان دوسرے باب میں مفصل گزر چکا ہے پانچواں افادہ جب اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی طالب کے قابو میں آگئی تو اب نفی النفی اور فناء الفنا کو شروع کرے یعنی جس چیز کے ساتھ اپنی اور تمام موجودات کی نفی کرتا تھا اب اس کو معدوم اور نیست کرنا چاہئیے اور چونکہ نفی النفی نیستی محض ہے اور اس کی علامت غفلت اور بودگی اور قوت درّاکہ کا محض خالی ہونا ہے یہاں تک کہ اگر اس شغل میں کمال ملازمت کریگا تو اس کا بدن معدوم ہو جائیگا اور اس سے کچھ اثر باقی نہ رہیگا اگرچہ یہ غفلت کی حالت طالب کو پسند خاطر نہ ہوگی لیکن چونکہ آئندہ کارآمد ہے اس لئے اُس کو مہمل نہ چھوڑے بلکہ عمل لائے اور نفی النفی کے ناپسند ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس شغل میں ادراک اور دریافت کا نابود کرنا ہے اور جب ادراک نہ رہا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور انسان کی دل لگی اور مانوسی ادراک ہی کے سبب سے ہوتی ہے اور اگرچہ شغل نفی میں بھی ہر چیز کو اپنے ادراک سے دور کرتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک صفائی سی باقی رہتی تھی اور دل لگی کا سبب بنی رہتی تھی جسطرح صاف طبیعت والے میدان صفا میں مانوس ہو جاتے ہیں اسی طرح نفی میں بھی ایک قسم کی انسیّت ہوتی ہے برخلاف نفی النفی کے کہ اس مقام میں انسیّت کا مدار بالکل کچھ باقی نہیں۔ چھٹا افادہ۔ شغل نفی کی تکمیل واتمام کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں کبھی تو توحید صفاتی منکشف ہو جاتی ہے اس کا مجمل بیان اس طرح ہے کہ صاحب اس شغل کا اپنے آپ کو اس طرح گمان کرتا ہے کہ جو کثرت جہان میں ہے وہ اس سے صادر ہو رہی ہے اور اُس کی تصویر اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ اپنے بدن کی فراخی اور نہایت

کشادگی خیال میں بیٹھ جاتی ہے اور یہ فراخی اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ اس کا خیال عالم اجسام سے جس میں سب سے اوپر عرش مجید ہے اس کے تمام اطراف سے متجاوز ہو جاتا ہے اور تمام جہان کو اپنے آپ میں دیکھتا ہے افلاک و عناصر۔ جبال و بحار۔ اشجار و احجار حیوان و انسان سب کو اپنی جسم کے اجزاء و اعضا خیال کرتا ہے اس حالت میں آسمانوں کے مکانات پر اطلاع اور زمین کے بعض مقامات کی سیر جو اُس کی جگہ سے دور دراز فاصلہ پر ہوتی ہیں بطور کشف حاصل ہوتی ہی اور اُس کا وہ کشف مطابقِ واقع ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو واقعی تمام عالم کا کل نہ سمجھے۔ بلکہ اس طرح اعتقاد کرے کہ یہ خیال مخالفِ واقع اس مرتبہ کے آثار سے ہے اور اس حالت میں توقف اور درنگ نہ کرے کہ یہ منزلِ مقصود کا راہ راست نہیں۔ اگرچہ فی الجملہ راستہ ہے لیکن راہ راست سے بہت دور اور سیر و سلوک کی دشواری اور مسافت کے لمبا ہونے کا باعث ہے اس حالت سی انوار کی طرف جو کہ ذات پاک کے حجب میں انتقال کا قصد کرے اور کبھی بعد تمامی شغل فنا کے رنگارنگ کے انوار دکھلائی دینے لگتے ہیں اور یہی صورت طالب کی مقصد باری کا راستہ ہی اور وہ انوار ذات بحت حضرت حق جل و علا کے حجب میں اور اُن کے طے کرنے کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں اگر عنایت الٰہی شامل حال ہو تو ایک لحظہ بھر میں ہزارہا حُجُب طے ہو جائیں لیکن طالب کے ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف انتقال کرنے کے لئے سبب عادی یہ ہے کہ ان انوار میں سے ہر ایک کو اپنی قوت خیالیہ سے اس قدر وسیع کرے کہ تمام جہان کا احاطہ کرکے قید مکان سے فضائے لامکان کی طرف تجاوز کرے بعد ازاں انتقال کا پختہ ارادہ دل سے اٹھا کر اس امر کی درخواست بارگاہ خداوندی سے کرے اور اپنی نظر خیالی سے اُس نور میں اسقدر غور کرے کہ ایک اور انوار اس نور کے اندر ہی سے ظاہر پڑے اور اس کو بھی پہلے نور کے طریقے پر وسیع کرے اور اس سے تیسرے نور کی طرف انتقال کرے اور لگاتار اسی طرح انوار کی سلسلہ جنبانی کرتا جائے اور بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان ان ہی حجب میں اٹک جاتا ہے اور اُس کو اصل مقصود کی طرف پہنچنے کا راستہ نہیں ملتا اور ان سب حجابوں سے آخر تک حجاب میں بھی (بعض سالکوں کو) توقف اور اٹکاؤ لگ جاتا ہے اور کبھی بعض طالب اسی کو مقصود اصلی سمجھ کر اسی جگہ ٹھیر جاتے ہیں۔ ساتواں افادہ۔ جس شخص کو عنایت خداوندی اور جذبہ غیبی کی امداد سے سب حجاب طے ہو جائیں وہ ذات بحت کی معرفت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے اور اس جگہ عمدہ عمدہ حالات اور رنگارنگ اطوار پیش آتے ہیں اور جو خوض و فکر اس جگہ کرتا ہے اُس کا نام سیر فی اللہ

رکھتے ہیں اور یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ اس مقام میں تفاوت اور تبدل احوال نہیں ہوتا بلکہ بموجب مضمون آیہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ہر وقت اُس ذات پاک کی ایک جُدا سے جُدا شان جلوہ گر ہوتی ہے اور صرف طالب کے دل کے احوال کے تبدل سے غیب میں بھی تبدل و تفاوت اُس کی بصیرت آنکھ میں ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ مطابق حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ و السلام آدمی کا دل ایک پر کے ریشہ کے حکم میں ہے جو صاف میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہواؤں کے جھونکے اُس کو اُلٹا سیدھا زیر وزبر کرتے رہتے ہیں انسان کے دل کو قرار نہیں لہذا شیونِ ذات کو بھی اس طرف سے قرار نہیں بلکہ دم بدم متبدل ہوتے رہتے ہیں اور شیون الٰہیہ کے تفاوت کے سبب سے یہ بات ہوتی ہے کہ معاملات مختلفہ مطابق استعدادات بنی آدم کے پیش آتے ہیں اور سیر فی اللہ کا بیان بڑی لمبی چوڑی تفصیل.. رکھتا ہے کہ اس کی تحریر ان اوراق میں دشوار ہے لیکن جو سلوک کہ متعارف ہے اور اس فن کی تصنیف شدہ کتابوں میں منضبط ہے وہ مقام معرفت تک ختم ہو جاتا ہے پس بس۔

دوسری فصل اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں نئے طریق پر جو قوت اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کے موجب ہوں اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں۔

اور یہ فصل دو ہدایتوں پر مشتمل ہے

پہلی ہدایت اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت پانچ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ طالب کو چاہیئے کہ پہلے باوضو دوزانو بطور نماز بیٹھ کر اس طریقہ کے بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیاز بے انداز اور زاری بے شمار کے ساتھ اپنے کام کے فتح باب کے لئے دعا کر کے ذکر دو ضربی شروع کرے اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ مبارک اللہ کو دو بار متصل کہے اور دونوں کے اتصال کے واسطے پہلے لفظ کے آخر کو ضمہ دے اور اس دو بار کہنے کو ایک ذکر قرار دے اور دو ذکروں کے درمیان فرق اور امتیاز کے لئے لفظ اللہ کو جو دوسری بار دونوں ذکروں میں کہے گا وقف کے طور پر کہے یعنی حرف "ہا" کو جزم دیکر پڑھے اور خوب زور کے ساتھ سینہ سے نکال کر اور جہر اور شدت اور مد کے ساتھ کہے اور دوسرے لفظ کو جہر اور شدت اور مد اور قوت میں پہلے سے زیادہ کرے اور پہلے کے ساتھ خیال کرے کہ ایک نور اسکے

سینہ سے نکل کر اس کی لب تک پہنچکر وہاں ٹھیر گیا ہے اور دوسری بار میں اسی جگہ سے نکل کر بسبب قوت اور کثرت کے جود دونو انوار کے مجتمع ہونے سے حاصل ہوئی ہے اُس کے مُنہ سے باہر آکر اُس کے سر کے اُوپر پہنچ گیا ہے پس اس نور کو بلند تر بقدر ایک ہاتھ کے تصور کرے اور اُسی ذکر کو حضور دل سے تکرار کرتا رہے اور حضور دل کے لئے اتنا قدر بھی کافی ہے کہ (جانے) یہ اسم مبارک اُس ذات پاک کا نام ہے جو اپنے نام کے ہمراہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اس نام پاک کا اپنے مُسمّا سے پاک و منزہ سے غائب ہونا ممکن نہیں۔ اُس کریم مطلق کے فضل کامل سے پختہ امید یہ ہے کہ ذاکر کو بہت جلد نور معلوم ہونے لگ جائیگا پس یہ ذکر اس قدر کرے کہ وہ نور چھاتے (سائبان) کی طرح اُس کے سر پر ہو جائے پھر بسبب کثرت اور تہ بر تہ ہونے کے اس کے تمام بدن پر پہنچکر اُس کے بدن کو اندر یا باہر سے گھیر لے اور اُس کا بدن اس نور میں گُم ہو جائے۔ دوسرا افادہ۔ جب یہ معنی بخوبی حاصل ہو جائے اور اس کی مشق اور بلکہ اس طرح میسر ہو جائے کہ ہر وقت بلا تکلف اسی طرح کرے اور ذاکر کے قابو میں آجائے تب دوسرا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر لفظ اِلَّا اللّٰہُ ہے اس میں بھی قوت اور شدت اور جہر اُسی طور پر مطلوب ہے جس طرح پہلے میں مذکور ہوا لیکن فرق اتنا ہے کہ اس کلمہ کو نیچے کی جانب اپنے دونوں زانوؤں کے درمیان ضرب کرے اور نور کو جس قدر ذکر اوّل میں اوپر کی جانب بلند خیال کرتا تھا اُس میں اتنا ہی نیچے کی جانب خیال کرے اور اس نور کو نیچے سے اوپر لاتا جائے تاکہ نور فوقانی اور نور تحتانی آپس میں مل کر ایک نورانی ستون کی طرح ثابت ہو جائے کہ گویا اُس کا بدن اُس کے اندر گُم ہو گیا ہے تیسرا افادہ۔ پھر ملایمت اور آہستگی کے ساتھ تیسرا ذکر شروع کرے اور اس ذکر میں پہلے ذکر کے طور پر صرف لفظ اللہ کہے بدون ضرب اور شدت اور جہر مفرط کے اور اس لفظ مبارک کو اپنے خیال میں اُس نور کے اندر جو اس کے بدن کے جا بجا بھی وہی ہو گیا ہے جاروب یا مصقلہ کی طرح گردش اور حرکت دے کہ اگر کچھ کدورت اپنے بدن وغیرہ کے خیال سے اُس میں رہ گئی ہو اُس کو مصفی اور مصقول کرے اور تمام وہ نور صاف اور چمکیلا اور خوب روشن و براق ہو جائے۔ چوتھا افادہ جب یہ نور اس طرح صاف ہو جائے کہ اُس کا شعاع ہر طرف سے دور دور جا پڑے اور اس کا تصفیہ اور تصقیل بھی ذاکر کے قابو میں آجائے اُس وقت چوتھا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر نفی و اثبات یعنی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہے پس "لا" کو اپنے خیال میں کھینچکر زمین و آسمان کا محیط کردے اور تمام دور کو گھیر کر اللہ کو اپنے اندر تمام کرے اور لا کے کھینچنے کا طریق یہ ہے کہ اپنے منہ کے سامنے ممتد اور وسیع خیال کرے تا آنکہ عرش مجید تک جا پہنچے پھر اس کو متحرک تصور کرے کہ تمام عالم میں جنبش کھا کر دائرہ

کی طرح ہوکر پھر اپنے مقام میں پہنچ گیا ہے۔ اور لفظ اِلَّا اللہُ کے ساتھ جانب فوق میں عرش مجید کے اُوپر ضرب کرے اور لفظ لَآ اِلٰہَ میں ہر چیز کی معبودیت کی نفی فی الواقع اور فی الحقیقت اور اپنے وجود اور تمام اشیاء و کائنات کی نفی اپنے خیال سے لحاظ درست اور تصور حُبّت کے ساتھ مستقر اور مستحکم کرے اور ضرب اِلَّا اللہُ میں ذات بحت کی طرف اشارہ کرے جو کلام مجید کا منطوق[۱] ہے یعنی اَلرَّحْمٰنُ[۲] عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اس ذکر کے تکرار کے ساتھ اُس ذاتِ بحت کا نور عرش کے اُوپر سے دریائے موجزن کی طرح اُس کثرت اور وسعت سے آئیگا کہ تمام عالم کو محیط ہو جائیگا۔ بلکہ تمام عالم اُس میں گم ہو جائیگا جسطرح پہلے ذکر میں فقط ذاکر کا جسم محو و گم ہو گیا تھا۔ اس طریق سے ذکر نفی و اثبات طالب صادق کے لئے حصول کمالات مقصودہ میں کافی ہے فہم درست چاہیئے اور اس ذکر کو کثرت اور مبالغہ سے کرے اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے ترقیات کے لئے کسی دوسرے شغل کا محتاج نہ ہوگا۔ پانچواں افادہ۔ اس ذکر سے منزل مقصود کی طرف انتقال کرنے کا طریق یہ ہے اس نور کے استقرار کے بعد عرش کے اوپر فائض ہوکر تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے اُسی نور میں مراقبہ کرے اور ذکر کو چھوڑ دے اور مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی جو نور مذکور کے احاطہ کے طفیل ہوئی تھی قصدی لحاظ سے ملحوظ کرکے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اولاً بدون لحاظ کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی اُسے آسان ہو جائے اگرچہ نفی اُس نور سے منفک نہیں ہوتی لیکن اُس شخص کو چاہیئے کہ نفی کو مقصود لذاتہٖ بناکر شغل نفی کو مستحکم کرے پھر استحکام نفی کے بعد یا توحید صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا دوسرا طریق مطلب یابی کا راستہ ہے پس جس طریق پر فصل اول میں مذکور ہوا اُن نورانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تاکہ سب سے اخیری حجاب سے جو نسبت بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہو اگرچہ اس طریق کی نسبت کو مہتاب کے نور کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہو تشبیہ دیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بیرنگ ہے ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی بے معلوم ہو جاتا ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گزرتا اور جب اس حجاب اخیر سے بھی تجاوز واقع ہو جائیگا تو ذات بحت کا وصول جو منتہائے سلوک ہے محقق ہو جائیگا

دوسری ہدایت فوائد متفرقہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت دو افادہ پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقات ارواح اور ملائکہ اور بہشت دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکانوں کے دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف

[۱] یعنی معنی۔ [۲] یعنی رحمٰن تبارک و تعالیٰ عرش مجید پر جا ٹھہرا۔

کے لئے یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ کا ذکر کیا جاتا ہے یَاحَیُّ کو ذکر خیالی سے سینہ کے درمیان سے لب تک لائے اور اپنی روح کو اُس کے نیچے پیوستہ کر دے اور پھر لفظ یا قیوم کو سینہ سے نکالے اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ کے متصل واقع ہوتا ہے اس لئے ضرور ان دونوں مبارک اسموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرنے وقت قوت پکڑ جاتا ہے پس لفظ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظ مبارک کی استعانت سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہو جائے اور روح دونوں اسموں کے درمیان رہے۔ روح کو عرش کے اوپر پہنچائے اور اُس جگہ پہنچکر توقف کرکے دور و سیر کرے اور سیر و دور میں اختیار ہے خواہ عرش کے اوپر سیر کرے یا اس کے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے یا زمینی بقاع میں جیسے کعبہ معظمہ یا اور اماکن متبرکہ اور پھر عرصہ کے بعد حسب اس عالم کی بیداری اور خبرداری چاہئیے انہیں دونوں اسموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کو انتقال کرے یَاحَیُّ کے ذکر خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنے کی تیاری کرے اور یَاقَیُّوْمُ کی ہمراہی سے تدریجاً اپنے مکان تک پہنچے اور نزول میں آسمانوں کو جُدا جُدا ملحوظ رکھے۔ دوسرا افادہ کشف قبور کے لئے ذکر سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحُ مفرر ہے اُس کا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سُبُّوْحٌ کے ساتھ ناف سے دماغ تک یعنی لطیفہ اخفیٰ کے مقام تک پہنچے اور دوسرے اسم یعنی قُدُّوْسٌ کے ساتھ وہاں سے عرش مجید کے اوپر اور تیسرے اسم کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرکے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے دروازہ فوقانی سے داخل ہو کر دروازہ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف متوجہ ہو۔ اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس تکرار میں حضور اور توجہ اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضل الٰہی سے پختہ امید رکھے کہ کشفِ مطلوب حاصل ہو جائے گا اور اس کشف قبور کو ناواقف لوگ قرب الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے۔

تیسری فصل اشتغالِ طریقہ نقشبندیہ کے بیان میں

اور یہ ایک فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے

تمہید۔ لطائف ششگانہ جو انسان کے اندر ہیں ان کے مواضع کو معلوم کرنا چاہئیے لطیفۂ قلب بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفۂ روح داہنے پستان کے نیچے اور لطیفۂ سر دونوں کے درمیان وسطِ سینہ میں اور مقام لطیفۂ نفس عین ناف ہے۔ اور لطیفۂ خفی کا مقام پیشانی ہے جہاں سر کے بال ختم ہو کر پیشانی شروع ہوتی ہے اور سجدہ کے سبب سے اُسی جگہ نشان پڑتا ہے (۹)

اور لطیفہ اخفیٰ تالو کے مقام میں سر کی اگلی جانب میں واقع ہے جس جگہ بچوں کے سر میں جنبش اور حرکت محسوس ہوتی ہے۔

پہلی ہدایت اقسام ذکر کے بیان میں اور اس ذکر کے بیان میں جو طریقہ نقشبندیہ میں رائج ہے۔

اور یہ ہدایات چار افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ چھیوں لطیفوں کو اُسی ترتیب پر جو تمہید میں مذکور ہوئی ہے بخوبی ذاکر بنانا چاہیئے اس حیثیت سے کہ خود اُن کے ذکر پر آگاہ اور مطلع ہو اور تلقین کرنے والا جس نے اپنے لطیفہ میں ذکر کو جاری کیا ہوا ہے پوری ہمت کے ساتھ طالب کے لطیفہ میں اُس ذکر کو القا کرے اور دعا اور التجا کے وسیلہ سے محض بفضلِ الٰہی سے مدد چاہے اور قوت ہمت کے ساتھ توجہ کرے اور توجہ کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ جنبش ظاہر ہو جائے از قبیل جنبش نبض نہ اس معنی کر کہ ہاتھ رکھنے سے معلوم ہو بلکہ اس معنی کر کہ صرف التفات کرنے سے معلوم ہو جائے بلکہ ترقی کرکے اور کاموں کے اشتغال کے وقت انسان کو اپنی طرف متوجہ کرلے اور ایسا نہ چھوڑے کہ اُس سے بالکل غفلت کرے پس اس حرکت کو نام پاک الٰہی کے مقارن اور ہمراہ جانے اور اس طرح سمجھے کہ اس حرکت کے ساتھ اللہ اللہ کہتا ہے اور اس نام مقدس کے مُسمّا کے ساتھ حضور اور اُنس پیدا کرے پس ان لطائف کے اذکار کی جُدا جُدا.. مزاولت اور مشق کرکے یکبارگی سب سے ذکر کرے یہاں تک کہ ان سب کا ذکر آن واحد میں معلوم ہوا کرے اور اس ذکر لطائف کو اچھی طرح پختہ کرے اور رسوخ کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جس وقت چاہے اس شغل میں مشغول ہو سکے مرشد تلقین کرنے والا اگر اس کا اور زیادہ کرنا فرمائے تو اُس کے حکم کی تعمیل کرے اور لطائف ششگانہ میں سے ہر ایک کے لئے ایک جدا گانہ نور ہے جو ان بزرگواروں کی کتابوں اور رسالوں میں مفصل مذکور ہے اور لطائف کا ذکر کثرت سے کرکے ہر لطیفہ کو اپنے نور سے منور کرے اور اگرچہ یہ نورانی کرنا لطائف کا بہتر اور خوب تر ہے لیکن راہ سلوک میں طول مسافت پیدا کرتا ہے اور اس راستہ کا طول چنداں ضروری نہیں جب انسان حجب نورانیت میں پہنچتا ہے خود بخود انوار لطائف کا معائنہ کرلیتا ہے اور مزاولت اور مشق کے بعد ہر لطیفہ کو اپنے نور سے بلکہ جس نور سے چاہے رنگین کرسکتا ہے اور اذکار لطائف کے وقت میں صرف یہی مطلب بڑی کوشش اور محنت سے بمشکل سرانجام پذیر ہو سکتا ہے اور بعد ازاں حجب نورانیت کے مقام میں بغیر کوشش اور محنت

کے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس ابتدا میں لطائف کے اپنے انوار کے الوان سے رنگین کرنے میں کوشش کرنا ایسا ہے جیسے سکندر نامہ کے مضامین کی تقریریں کریما خواں کو تعلیم کرنا پس مناسب اس طرح ہے۔ کہ ادنیٰ مراتب کو بقدر ضرورت استعمال کریں۔ اور وقت کو تیغ براں سمجھ کر بہت جلدی ان مراتب سے گزر جائیں۔ اور بلند مقامات میں مطابق استعداد اور روح کے توقف کریں دوسرا افادہ۔ بعد ازاں حبس نفس کے ساتھ نفی و اثبات کرے اس کا طریق یہ ہے۔ کہ دوزانو مؤدب ہو کر رو بقبلہ بیٹھے اور اپنا دم بند کر کے زبان تالو سے لگا کر لَا کو لطیفہ نفس سے کھینچے۔ اور لطیفہ سر پر قدرے توقف کر کے پھر لطیفہ خفی پر بھی تھوڑا سا وقفہ کرتا ہوا لطیفۂ اخفی تک پہنچے غرض کہ ایک خیالی حرکت نفس سے اخفیٰ تک کرے اور اس حرکت کی امتداد کے درمیان مقام لطیفۂ سر اور اخفی میں لحاظ کو بالاستقلال متوجہ کر کے اُن کے امتیاز کے لئے قرار کرے اور الٰہ کو لطیفۂ اخفی سے کھینچکر لطیفہ روح کی طرف متوجہ ہو کر اِلَّا اللّٰہُ کو لطیفۂ قلب میں ضرب کرے اور ان خیالی حرکتوں میں کوئی ظاہری جنبش اعضا میں سے کسی عضو پر حتیٰ کہ سر اور منہ اور لب اور زبان پر بھی بالکل نہ واقع ہو اور اس ذکر کو بلحاظ عدد طاق عمل میں لائے ایک بار ذکر کر کے اپنے دم کو چھوڑ دے پھر اطمینان اور دم کے ٹھیر جانے کے بعد دوسری بار کرے اور جب حبس نفس کی برداشت زیادہ ہو جائے ذکر کے حدو میں بھی زیادتی کرتا جائے اور زیادت کا ادنیٰ مرتبہ اکیس بار ہے جب اکیس بار تک پہنچ جائے گا اور اس کی خوب مزاولت اور مشق کرلے گا اور ایک ایک نشست میں سینکڑوں ... دفعہ تک نوبت پہنچا لے گا۔ اس وقت البتہ اُس کے لطائف میں گرمی اور صفائی پیدا ہو جائے گی اور اس ذکر سے ایسا معلوم کریگا کہ گویا ایک گھومتا ہوا شعلہ ہے کہ اس کے تمام لطائف کو احاطہ کرکے خط آتشین کی طرح ممتد ہو گیا ہے۔ تیسرا افادہ نفی و اثبات کی خوب مشق کرنے کے بعد سلطان الذکر کو عمل میں لائے اور اس کا بیان یہ ہے کہ جو جزو انسان کی ہے اُس کے لئے ایک وحدت ثابت ہے اور ہر ایک تعین کی شناخت کے لئے اُس کا جداگانہ نام مقرر ہے سوائے نام کل کے۔ پس وہ جزو بھی ایک وجہ سے تمام اجزاء انسانی پر مشتمل ہے بنا براں اُس کے لئے ایک زبان بھی مقرر ہے اور بموجب ارشاد حضرت حق تبارک و تعالےٰ کے کہ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ[1] وہ تمام اجزاء ذکر الٰہی کرتے ہیں۔

[1] یعنی اور کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تنزیہ کرتی ہے مع اس کی حمد و ثنا کے۔ ولیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

ولیکن انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پس حقیقت سلطان الذکر کی یہ ہے کہ اپنے تمام اجزا کے ذکر کو ایک قسم کے ادراک سے دریافت کرے اور اس پر پوری آگاہی اور بخوبی اطلاع حاصل کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بدن کی ہر جگہ کو بالعموم داسشغول لطائف ششگانہ کی طرح سمجھے اس لئے کہ بالکل ظاہر ہے کہ لوگوں کی نظر میں لطائف کے مقامات اور باقی بدن بالکل ... مساوی ہیں جب لطائف کے مقامات سے ذکر کو پہچان لیا اور اس کی کیفیت پر اطلاع پائی اسی طرح اپنے تمام بدن کے ساتھ ذاکر ہو اور تلقین کرنے والے کو چاہیئے کہ خود سلطان الذکر کرکے بطور مذکور طالب پر القا کرے اور اُس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کبھی تو تمام بدن میں جنبش ظاہر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اُس کے ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضا بغیر اُس کے ارادہ کے اپنی جگہ سے منتقل ہو جاتے ہیں اور کبھی رعشہ[1] کی طرح حرکت ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے کی سی حالت ہو جاتی ہے یا چیونٹیاں سی اس کے بدن پر چلنے لگتی ہیں اور تمام بدن میں خنکی اور سبکی معلوم ہوتی ہے اور کبھی ذاکر کے بدن میں ایسی خنکی سرایت کر جاتی ہے کہ سخت گرمی کے وقت اُس کو سردی معلوم ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہلکا ہو جاتا ہے کہ گویا اس کے تمام بدن سے آلائش کو دور کر دیا ہے جیسے کوئی شخص حمام میں کیسہ مالی سے غسل کرے اور ظاہری غسل میں یہ سبکی صرف چمڑے پر ہی رہتی ہے اور سلطان الذکر میں اندر صاف ہو جاتا ہے اور یہ بھی خارق عادت امور میں سے ہے کہ سخت اختلاج کی مانند اس کا تمام بدن تابو میں نہیں رہتا اور یہ بھی ایک محض کرامت ہے سلطان الذکر والا تمام بدن اور در و دیوار اور خس و غار اور سنگ و خاشاک سے بے شبہ اونچی آواز سے ذکر سنتا ہے اور ہم نشینوں کا سُن لینا کرامت مذکورہ میں زیادتی ہے اور کبھی سلطان الذکر والے کو ایک نور بھی معلوم ہوتا ہے فائدہ۔ پیر و مرشد کو مرید میں سلطان الذکر وغیرہ سے ذکر لطائف کے حصول کے دریافت کرنے کا یہ طریق ہے کہ پیر اپنے آپ کو خالی کرکے اُس کی طرف متوجہ ہو اُس وقت جو کچھ اپنے آپ میں معلوم کرے جان لے کہ یہ مرید کے ذکر کا عکس ہے اور اُس کے شغل کی کیفیت ہے چوتھا افادہ۔ جب سلطان الذکر بقدر مذکور قابو میں آ جائے اور ارادے کے وقت تکلیف کے سوا ہی ظاہر ہو جائے تو نفی کا شغل کرے اور شغل نفی کے ساتھ یادداشت کے شغل کو جوڑ لے اس کے بعد نفی النفی کا شغل کمائے پس خواہ مخواہ سالک پر یا تو توحید صفاتی

[1] ایک بیماری کا نام ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء میں لرزہ اور کپکپی پڑ جاتی ہے ؛

کھل جائے گی۔ یا حجب نورانیت ظاہر ہو جائیں گے اور دوسرا امر کامیابی کا طریق ہے پس سالک کو چاہیئے کہ جس طرح پہلی فصل میں مذکور ہو چکا ہے اس پردے سے نکل جائے اور اس پردہ کو طے کرتے ہوئے مراقبۂ صمدیت کا شغل کرے تاکہ انجام کار اس پردے تک پہنچ جائے جس کا نام نسبتِ بیرنگی ہے اگر چہ اس طریقے کی نسبت کو دریا کے اُس پانی سے نسبت دیتے ہیں جو خس و خاشاک اور ریگ و خاک کی آلودگی سے صاف ہوتا ہے لیکن گہری نظر کے بعد قابل تعبیر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور نسبت بیرنگی کے بعد ذات بحت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور متعارف سلوک ختم ہو کر سیر فی اللہ پیش آتی ہے اور اس سیر کی اثنا میں بہت عمدہ حالتیں اور عجب مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور جس مرشد کے حضور میں طالب سیر فی اللہ میں ترقیاں کریگا وہی مرشد وہاں کے مقامات کی حقیقتوں سے آگاہ کردیگا فائدہ۔ اس طریقہ کے امام یعنی خواجہ بہار الدین نقشبندی قدس سرہ نے فرمایا ہے بیت اولِ ما آخر ہر منتہی ست : آخرِ ما جیب تمنا تہی ست : سچے طالب کو چاہیئے کہ اسی امر کی تلاش میں رہے جس کو آنجناب نے " جیب تمنا تہی " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا اجمالی مطلب یہی ہے کہ طالب اپنے ارادوں اور قصدوں سے اس طرح خالی ہو جائے جیسے اسی کتاب کی چوتھی فصل میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہو گا۔ دوسری ہدایت متفرق فائدوں کے بیان میں اور اس میں دو افادے اور ایک فائدہ ہے۔ پہلا افادہ۔ کشف ارواح اور ملائکہ اور اُن کے مقامات اور زمین و آسمان اور جنت و نار کی سیر اور لوح محفوظ پر مطلع ہونے کے لئے دورے کا شغل کرے اور اس کا طریقہ پہلی فصل میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے پس زمین و آسمان اور بہشت و دوزخ کے جس مقام کی طرف متوجہ ہو اسی شغل کی مدد سے وہاں کی سیر کرے اور اس جگہ کے حالات دریافت کرکے وہاں کے رہنے والوں سے ملاقات کرے اور بعض اوقات ان سے بات چیت بھی میسر ہو جاتی ہے اور آئندہ یا گذشتہ یا کسی دنیوی یا دینی امر کی صلاح اور مشورت معلوم ہو جاتی ہے دوسرا افادہ۔ جاننا چاہیئے کہ آیندہ واقعات کے کشف کے لئے اس طریقہ کے بزرگوں نے کئی طریق لکھے ہیں اور سب سے بہتر یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت ہی حضور قلب کے ساتھ کمال آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کرکے اس کے بعد دعا ماثور دعائیں جو گناہوں کے کفارے کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں پوری التجا کے ساتھ پڑھے۔ اور اس کے بعد نہایت ہی خضوع اور خشوع اور قلب و قالب کے اطمینان کے

ساتھ سارے آداب و مستحبات پورے کر کے صلوٰۃ تسبیح ادا کرے اور تمام زمین میں...
گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ جل شانہ کی درگاہ پاک میں اپنے گناہوں کی معافی کی
التجا کو ملحوظ خاطر رکھے پھر تہ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد تک التجا کرے
کہ اس کے تہ دل میں گناہوں کی معافی اور توبہ کے قبول ہونے کا ظن پیدا ہو جائے پس
اشغال طریقت میں سے جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول ہو جائے اور اس سارے
شغل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں اس مطلوب واقعہ کے کشف کے واسطے اس طرح
التجا کرتا رہے کہ اس کی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ
کی جناب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل ہونے یا تہ دل سے اس واقعہ کے
ظاہر ہو جانے کے باعث انکشاف ہو جائیگا اور وسوسوں کے وارد ہونے اور الہام کے
نازل ہونے میں یہ فرق ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں نازل ہو کر ٹھیر جاتا ہے اور
مضبوط ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور وسواس ٹھیرتا نہیں اور اس کے آنے جانے کا کوئی مقرر طریق نہیں
چور اور کیسہ بر کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے چلا جاتا ہے اور ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی ہے اور دوسری دفعہ دوسری طرف
سے اور اگر طریق مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو چاہیئے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالےٰ
کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ میں بیخبر ہوں اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور تجھے معلوم
ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے انکشاف کے واسطے کوشش کی ہے اور مقصود
حاصل نہیں ہوا پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر وہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا
مطلب معلوم کرلوں اس کے بعد اپنے کانوں کو ان آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے
سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتے ہیں اور فال کے طور پر ان کے کلام سے اپنی مراد کا
استنباط کرلے اگر اس طرح سے بھی انکشاف مطلوب حاصل نہ ہوا۔ تو چاہیئے کہ اُسی وقت
یعنی رات کے تیسرے پہر کو انکشاف واقعہ مطلوبہ کی نیت پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت
میں تین دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین دفعہ آیۃ الکرسی اور پندرہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے بعد ازاں
سر سجدہ میں رکھ کر نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ حصول کشف کی نیت پر ایک سَو ایک بار
کلمہ یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْنِیْ کہے پھر دعا کر کے سو رہے انشاء اللہ تعالیٰ اشارۃً خواہ صراحۃً خواب میں
اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائے گا۔ فائدہ۔ اشغال مبتدعہ میں سے شغل برزخ بھی ہے جو کہ

اکثر متاخرین میں مشہور ہو گیا ہے بلکہ بعض بزرگوں کے کلام سے بھی پایا جاتا ہے اور شغل مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کے دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لئے پوری تعیین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں اور خود نہایت ادب اور تعظیم اپنی ساری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھتے ہیں اور دل کو بالکل اسی کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور شغل کا حال تصویر کے حال سے معلوم کر سکتے ہیں اس لئے کہ تصویر کا بنانا کبیرہ گناہ ہے اور اس میں دیکھنا خاص کر تعظیم اور توقیر کے ساتھ حرام ہے اور حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ اپنے اطلاق سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تصویروں کے سامنے عکوف منع ہے۔ ادب اور تعظیم اور محبت کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر حضور کر لازم پکڑنا عکوف ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ظاہری صورت کے ساتھ یہ عمل کرے بیشک گنہگار ہے اور اس گنہگار اور راہ حق کے طالب کے عمل میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اول میں تو ایک کاغذ اس جیسی چیز پر رنگین تصویر ہوتی ہے اور ثانی میں چمڑے کے رنگ اور بالوں اور خط و خال سمیت پوری تصویر صفحۂ خیال میں منقوش ہوتی ہے اگرچہ ظاہر میں تو یہ بت پرستی نہیں لیکن باطن میں صاف بت پرستی ہے کاغذی صورت تصویر کے دقائق کو خیالی صورت کی مانند بیان نہیں کرتی حالانکہ بے جان ہونے میں دونوں برابر ہیں پس تصویری معنی میں کاغذی صورت سے خیالی صورت زیادہ ہے اس لئے کہ دونوں میں صرف اسی بات سے فرق کر سکتے ہیں کہ پہلی صورت میں تو شریعت کے ظاہری انتظام میں خلل آتا ہے اور دوسری صورت میں ظاہری انتظام کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچتا لیکن اس کام کے کرنے والے کے نفس میں اس کی تاثیر کے لحاظ سے جو خرابی موجود ہے وہ دوسری صورت میں پہلی صورت سے کہیں بڑھ کر ہے پس اس وجہ سے چاہیئے کہ حرام ہو اور اس سے قطع نظر شغل برزخ کا رواج ناقص لوگوں کو پہلی صورت تک پہنچا دیتا ہے اور وہ ظاہری تصویریں بنا کر جو تعظیمی حرکتیں تصویر والوں کے سامنے کرتے ہیں ان تصویروں کے سامنے بجا لاتے ہیں اور صابت پرستوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں اور اس صریح حرام کام کی طرف شغل برزخ کے پہنچا دینے میں کچھ شک نہیں پس چاہیئے کہ یہ بھی حرام ہو اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بت پرستی کی پیش بندی کے لئے مطلق تصویر سازی حرام ہو گئی ہے اور دوسری شریعتوں میں شکل کا حال اور مردے یا زندے غائب

کی خصلتیں معلوم کرنے کے مانند بعض صحیح اغراض کے لحاظ سے جائز تھی پس جب تصویر سازی میں شارع علیہ السلام نے اسقدر احتیاط فرمائی ہو تو آپ کی متابعت کرنے والوں کو بھی چاہئیے کہ اسی احتیاط کے طریقہ کو اختیار کر کے شغل برزخ کو حرام اور بُرا جانیں اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا پورا واقف ہے وہ جان لے گا کہ اگر اُس مبارک زمانہ میں اس امر کا استفتا ہوتا تو بیشک اس سے منع فرماتے اور اس کی حرمت ظاہر ہوتی۔

چوتھی فصل مجددی طریقہ کے اصطلاحات کے حل کرنیکے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے

تمہید۔ جاننا چاہئیے کہ حضرت شیخ عبد الاحد اور انہی جیسے طریقہ مجددیہ کے بزرگوں کے نزدیک لطائف کے مقامات اس طرح پر ہیں کہ لطیفہ قلب کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفہ روح کا مقام لطیفہ قلب کے مقابل دہنے پستان کے نیچے اور لطیفہ سر کا مقام بقدر دو انگشت بائیں پستان سے اوپر سینہ کو مائل اور لطیفہ خفی کا مقام اسی انداز سے پر داہنے پستان کے اوپر وسط سینہ کو مائل اور لطیفہ اخفیٰ کا مقام سینے کے درمیان اور لطیفہ نفس کا مقام پیشانی کے آغاز میں جہاں اوروں کے نزدیک لطیفہ خفی کا مقام ہے پہلے چاہئیے کہ لطائف مذکورہ کو ذکر سے جاری کرے اور اُن کو ذاکر بنائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب مؤدب ہو کر نہایت خضوع اور خشوع اور التجا کے ساتھ باوضو اپنے مرشد کے سامنے خاموش ہو کر بیٹھ جائے اور دل کو جمع کر کے خیالات کو دور کرے اور زبان اور باقی سب اعضا کو ہلنے سے بالکل روک رکھے اور اسم مبارک اللہ کو دل سے کہے اور مرشد کو چاہئیے کہ تمام خشوع کے ساتھ مرید کی تلقین کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنے لطائف میں ذکر کر کے درست ہمت کے ساتھ طالب کے لطائف میں ان کا القا کرے اور جب لطائف شششگانہ کا ذکر معلوم ہو جائے تو سلطان الذکر کے حاصل ہونے کے لئے لطیفہ نفس پر بہت توجہ کرنے سے سلطان الذکر حاصل ہو جاتا ہے اور لطائف کے ذاکر ہو جانے اور سلطان الذکر کے حاصل ہو جانے کے بعد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر جو کہ نفی اور اثبات ہے اس حد تک استعمال کرے کہ غفلت نہ آجائے اور اس ذکر سے اپنے بدن کی نفی مقصود ہے لیکن جب تمام عالم کی نفی اس سے زیادہ آسان ہے اور بدن کی نفی میں اس کو بھی دخل ہے لہٰذا ناچار تمام عالم کی نفی کو اپنے دل میں ٹھیرا لینا چاہئیے اور اس کے

بو. لا اِلٰہ الا اللہ کے ذکر سے اپنے بدن کی نفی کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ لا کو ناف سے کھینچکر دماغ تک پہنچائے اور جن جن مقاموں سے لا کا گزر ہوا اپنی نفی سمجھتا جائے اور اِلٰہ کو لطیفہ روح تک پہنچائے اِلَّا اللہ کو قلب میں ضرب کرے اور لطیفہ روح کے مقام اور بدن کی اس تمام جانب کو لفظ اِلٰہ کے ساتھ نفی کردے اور الا اللہ کے لفظ ساتھ لطیفہ قلب کے مقام اور باقی تمام بدن کو نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کا ملاحظہ کرے اور اس ذکر اور نفی دونوں کو خیالی قوت سے کمائے اور زبان سے ہرگز تلفظ نہ کرے اور اس ذکر کے تکرار اور شغل کے ہمراہ قوت خیالیہ میں نفی کے خیال سے انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بدن کی نفی اس طرح مضبوط اور پختہ ہو جائے گی کہ اپنے تمام وجود بلکہ تمام عالم کی نفی قوت خیالیہ میں ہمیشہ قائم رہے گی اور جس وقت نفی کا شغل طالب کے خیال کی تہ میں جم جاتا ہے۔ درویشی کے معاملے ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں خاص کر دوائر کا انکشاف کہ شغل نفی کے سوا کماحقہ اُن کا انکشاف متصور نہیں اور جس قدر نفی زیادہ کامل ہو گی اُسی قدر انکشاف زیادہ ہوگا پس مراقبات دوائر سے پہلے نفی کی تکمیل اور ترقی میں کوشش کرنی چاہیے اور بدن کا مطلقاً معلوم نہ کرنا کمال نفی ہے اور نفی کے کمال میں اُس چیز کے سوا جو دوائر کے انوار کو معلوم کرتی ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس کے بعد نفی النفی اور فناء الفنا پیش آئیگا اور وہ مدرک چیز بھی باقی نہ رہے گی اور محض غفلت طاری ہو جائے گی اور مراقبات دوائر کے ساتھ مزید نفی میں کوشش کرتا رہے جس وقت نفوس محبت کے کمال اور انتہا کو پہنچے گا نفی النفی اور فناء الفنا حاصل ہو جائے گی۔ اگرچہ نفی النفی کا شغل اس طریقہ کے بزرگوں کے کلام میں صریح طور پر مذکور نہیں لیکن دوائر کے انکشاف اور معاملات کے ظہور اور انوار کے رسوخ کے لئے اس شغل کا ہونا ضروری ہے اور اس جیسے اشغال کے ان بزرگوں کی تصریح نہ کرنے کا یہ سبب ہے کہ ان کی تاثیر کی قوت کے باعث مریدوں پر نفی اور نفی النفی طاری ہو جاتی تھی۔ پس صرف ان کی توجہ ان اشغال سے بے پروا کر دیا کرتی تھی لیکن نفی کے حاصل ہونے کے سوا دائروں کا انکشاف اور ان کے انوار کا رسوخ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے خواہ وہ نفی صرف شیخ کی تاثیر سے حاصل ہو خواہ خود اپنے کمانے سے حاصل ہو واللہ اعلم بحقیقۃ الحال مقصد اس طریقہ کے مستعملہ الفاظ کی تفسیر کے بیان میں۔

مراقبہ احدیث سے دوائر کا شغل معلوم ہوتا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات

مقدس کی وحدانیت کا لحاظ کرے اور اس لحاظ کو قلب سے نکال کر اوپر کی طرف متوجہ کر کے عرش مجید سے بھی اوپر کو لے جائے یہاں تک کہ اس کا اثر ظاہر ہو جائے اور اس کا اثر یہ ہی کہ دل کے اوپر کی جانب سے نورانی اسطوانے کی مانند لمبا سا را نور ظاہر ہو کر عرش مجید تک پہنچتا ہے اور اس نورانی اسطوانے کا شعاع تمام جہان کو گھیر لیتا ہے۔ پس اس نور کا جو ہر وہی اسطوانہ ہے جس کی جڑھ دل کے اوپر کی جانب میں ہے اور اس کا سر عرش مجید تک پہنچکر اس کا شعاع سارے جہان میں پھیل جاتا ہے اور اس نور کا ظاہر ہونا دائرہ امکان کا شروع اور اس نور کا عرش مجید تک پہنچنا نصف دائرے کے حاصل ہونے کی علامت ہے اور اس سے آگے بڑھ جانا اس کے پورا ہونے کی علامت ہے اور صرف اس لمبے نور کا ظاہر ہونا امکان کا دائرہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی وسعت اور فراخی جس کا مبدأ اور منتہےٰ مقرر اور ممتاز نہ ہو وہی دائرے کی حقیقت ہے پس دائرہ اُسی وقت ہوگا کہ نور کا شعاع ہر طرف پھیل کر تمام جہان کو گھیر کر عالم امکان سے تجاوز کر جائے اور اس کا کوئی اندازہ اور حد نہ ہو۔ اور چونکہ یہ دائرہ عالم امکان کو گھیر لیتا ہے اسی واسطے اس کا نام دائرہ امکان رکھا گیا ہے اور سیر قلبی کے دو دائریں سے یہ پہلا دائرہ ہے اور دوسرا دائرہ ولایت قلبی کا ہے جسکو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس دائرے میں اقربیت کا مراقبہ کرنا ہوتا ہے اور اس دائرے میں دل کے نیچے کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور تمام دل آفتاب کی مانند ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ساری طرفوں اور اس کی ہر جگہ سے نور چمکتے ہیں اور جو انوار کے ہر جہت سے پیدا ہوتے ہیں دائرہ اول کی مانند موجودات ممکنہ سے تجاوز کر کے لامکان کی حد تک پہنچکر غیر متناہی ہو جاتے ہیں اور اصل قلب باقی رہتا ہے اور یہ نہیں کہ قلب بالکل نیست و نابود ہو جائے اور صرف انوار ہی باقی رہ جائیں بلکہ تمام اطراف سے دل مصدر انوار بن جاتا ہے مگر نادر طور پر قلب نہیں بھی رہتا اور اس دائرے اور پہلے دائرے میں دو طرح کا فرق ہے اول تو یہ ہے کہ پہلے دائرے میں نور کا چشمہ قلب کی فوقانی جانب ہے اور اس دائرے میں تمام قلب انوار کا چشمہ بن جاتا ہے۔ دوم آنکہ پہلے دائرے میں پھیلا ہوا نور اُسی کے دل کے اوپر والے لمبے نور کا شعاع ہے اور اصلی نور تو اتنا ہی ہے کہ ستون کی مانند دل سے اوپر کو گیا ہوا ہے اور باقی دائرہ آفتاب کے شعاع کی طرح اُسی ستون سے پیدا ہوا اور اس[ع] دائرے میں سارے

ع یعنی دائرہ ولایت قلبی:

میں سارے کا سارا دائرہ اصلی نور ہے جو دل سے نکل کر عالم امکان سے متجاوز ہو گیا ہے اور کبھی اس دائرے میں توحید کا بھید کھل جاتا ہے یعنی وہ پھیلا ہوا وجود کہ تمام ممکنات اُسی کے ساتھ قائم ہیں اس طرح معلوم ہونے لگتا ہے کہ تمام ممکنات کے وجود کو ایک ہی جاننے لگتا ہے اور کثرت کی وجہ سے جو امتیاز ہیں سب اُس کی آنکھ میں نابود ہو جاتے ہیں اور اس کی بصیرت کی آنکھ اسی پھیلے ہوئے وجود پر پڑتی ہے اور اس وقت قلب بالکل فنا ہو کر صرف نور ہی نور باقی رہ جاتا ہے تیسرا دائرہ ولایت کبریٰ کا دائرہ ہے اور تین دائرے اور ایک قوس اس ولایت کے ضمن میں ہیں پہلے دائرے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات پاک کے معیت کا مراقبہ کرے اور اس طرح سے شروع کرے کہ اُس کی ذات پاک کو بیچونی اور بیچگونی اور مکان اور جہت سے نہایت پاک ہونے کے باوجود اپنے نزدیک اور اپنے ہمراہ جانے اور اپنے آپ کو اُس سے دور اور غائب نہ جانے بلکہ اپنے کاموں میں اُس کو شریک اور شامل سمجھے اور معیت کو اقربیت لازم ہے۔ اور اقربیت کو معیت لازم نہیں اس لئے کہ معیت کے واسطے قرب کے باوجود اعانت اور مددگاری بھی ضروری ہے جب تک کوئی شخص دوسرے کا مددگار نہ ہو اُس کو اُس کے ساتھ معیت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ وہ اقرب ہی ہو اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ سیر اور سلوک میں اقربیت معیت سے مقدم ہے اور جس شخص نے معیت کو اقربیت پر مقدم کیا ہے پس قرب اور معیت کے ظاہری معنی کو متحد یا متقارب جان کر اقربیت کی زیادتی کا لحاظ کر کے اس ترتیب کو اختیار کیا ہے لیکن سلوک میں فی الحقیقت اقربیت معیت سے بہت پہلے آتی ہے اسی واسطے اقربیت کا مراقبہ پہلے چاہیئے اور صرف نزدیک اور ہمراہ ہونا معیت کا معنی نہیں بلکہ اس لفظ سے کاموں میں شامل ہونا اور اعانت اور امداد اور ایک رنگ سے رنگین ہونا سمجھا جاتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ فارسی میں ہمراہی کا لفظ اور ہندی میں ساتھی کا لفظ اسی سے خبر دے رہا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیتیں اس معنی پر عادل گواہ کافی ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ[۱] وَاِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ[۲] وَاِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا[۳] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استمداد اور استعانت کے موقع پر مع کے لفظ کو استعمال فرمایا ہے پس ظاہر ہو گیا کہ معیت میں اعانت ضروری ہے اور اقربیت اعانت کے سوا متحقق ہوتی ہے پس اقربیت کا مراقبہ معیت کے مراقبہ سے اول چاہیئے ہر حال میں اسی

[۱] اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [۲] اور بیشک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے عنقریب مجھ کو راستہ دکھا دیگا [۳] بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

طرح سے مراقبہ کرتا ہوا اُس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ حق سُبحانہ وتعالیٰ کی معیت کا لحاظ طالب علم کے ذہن میں پختہ ہو جائے اور کمال رسوخ کی یہ علامت ہے کہ تنہائی میں اپنے آپ کو تنہا نہ جانے مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ تنہائی میں اس کو کوئی گناہ پیش آئے تو جسطرح لوگوں کے سامنے یہاں تک شرمندہ ہوتا ہے کہ اُسے گناہ کی طاقت نہیں رہتی اور اس کے اعضاء گناہ کی طرف ہلنے سے خود بخود رُک جاتے ہیں اور سُست ہو جاتے ہیں اسیطرح اللہ جل شانہٗ کے قرب اور معیت کے لحاظ کا اثر اُس میں ظاہر ہونا چاہیئے اور دوسرے کے سامنے گناہ کے قصد سے جو رکاوٹ پیش آئے اور اُس دوسرے شخص کے حال کے موافق کمال اور نقصان میں درجے مختلف ہوتے ہیں مثلاً بازاری ناآشنا آدمی پیش آدے اور انسان کو گناہ کرنے سے روکے یا باپ یا استاد یا مرشد یا طاقتور عادل انتقام لینے والا بادشاہ آجائے اور اس کی وجہ سے رکاوٹ پیش آوے پس ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں فرق ہوگا بلکہ باپ سے اور طرح کی رکاوٹ ہوگی اور استاد سے اور طرح کی وعلیٰ ہذا القیاس پس اس اللہ تعالیٰ سے کسقدر شرم چاہیئے جو وجوہ عنایات اور کمالات کو جامع ہے اور مخلوقات کے وصفوں کو اُس کی وصفوں سے ہرگز کچھ نسبت نہیں اگر باپ کی عنایت سے شرمندہ ہوتا ہے تو اسؑ کی عنایت کا کچھ ٹھکانا نہیں اور اگر استاد یا مرشد کی تعظیم گناہ کرنے سے روکتی ہے تو اس کی تعظیم کا قیاس کرنا چاہیئے اور اگر بادشاہ کی ہیبت گناہ سے مانع ہوتی ہے. پس سچے بادشاہ عادل مطلق کی ہیبت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس ظاہری بادشاہ سے اس کو کیا نسبت ہے وعلیٰ ہذا القیاس اگر جنگل اور میدان میں ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ جانے اور اگر عبادت کی خلوت میں ہو تو اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ قریب سمجھ کر سراسر انست والفت ہی معلوم کرے اور وحشت اور بیگانگی کا کچھ اثر معلوم نہ کرے جب یہ آثار مترتب ہوں تو معیت کی نعمتوں کے حصول کا شکر ادا کرے اور یہ معیت اُس وقت ولایت کبریٰ کی علامت ہوگی کہ اس دائرے کا نور دونوں مذکورہ دائروں کی نسبت صفائی میں بہت ہی زیادہ اس کے ہمراہ ہو اور اصلیت یہ ہے کہ مختلف رنگوں والے نور ذات پاک کا حجاب ہیں ان کا طے کرنا ضروری ہے پس شغل کے کمال اور اس کی خوبی اور دائروں کی تفاوت اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں قرب اور عزت کے موافق یہ

ع یعنی اللہ تعالیٰ کی ۱۲

حجاب طے ہوتے ہیں۔ ایک دائرے میں کم اور دوسرے میں زیادہ یہاں تک کہ ذات بحت کے ادراک تک پہنچ جاتا ہے دوسرے دائروں میں محبت وغیرہ کے ساتھ اقربیت کے لحاظ کی مانند دائرے کے آثار کا ظاہر ہونا جس کے آثار پہلے بیان کے موجب واضح ہو جاتے ہیں اُس دائرے میں اکمال نہیں گو ان آثار کا حاصل ہونا نہایت ہی عجیب اور مرغوب کمال ہے۔ لیکن اس ولایت کا معنی جو سلوک کا مقصود ہے انوار دوائر کے انکشاف کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا اور دائرے کی حقیقت اپنے کمال تک نہیں پہنچتی پس دوائر کی تکمیل دونوں چیزوں سے ہے اول انوار کا انکشاف دوم قرب و معیت و محبت وغیرہ آثار کا حاصل ہونا اور ہر دائرہ کا صاحب اپنی عزت اور سعی کے موافق کامیاب ہو سکتا ہے لیکن نچلے دائرے والا بلند دائرے والے کی طرح اپنے مطلوب پر فائض نہیں ہو سکتا مثلاً اگرچہ صاحب دائرہ قلبی اپنے کسی مطلب کو پہنچتا ہے لیکن جس طرح دائرہ محبت والا کامیاب ہوتا ہے دائرہ قلبی والا کامیاب نہ ہوگا اس کے بعد یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ یعنی ذات پاک کے ساتھ اپنی محبت اور اپنے ساتھ اُس کی محبت کا مراقبہ ہے اور اس موقع پر اڑھائی دائرے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے تین مرتبے ہیں اول ابتدائی مرتبہ جو آدمیوں کے درمیان دوستی اور آشنائی کے جا بجا ہے ابتدائی محبت میں محب اپنے فائدے اور محبوب کی رضا اور خوشنودی دونوں باتوں کا لحاظ کرتا ہے اور اپنی اور محبوب کی جانب کی پاس خاطر نہیں چھوڑتا اور یہ پہلا دائرہ ہے اور جب محبت نے ترقی کی اور محب کی جانب نیست اور فنا ہونے لگی پہلا دائرہ ختم اور دوسرا دائرہ شروع ہو گیا اور اس دائرے میں اپنے آپ بلکہ تمام مخلوقات پر جانب حق کی ترجیح پیدا ہو جائے گی لیکن اس ترجیح سے وہ عقلی علمی ترجیح مراد نہیں کہ نفع و نقصان کا موازنہ کرکے اور سمجھ کر ترجیح دیگا بلکہ وہ ترجیح مراد ہے کہ اس کے تہ دل سے فوارے کی مانند جوش مارتی ہے اور جب نیستی اور فنا اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گئی اور محب کی جانب سے کوئی نشان نہ رہا تو دوسرا دائرہ ختم ہوا اور قوس شروع ہوئی اور اس کا نام یہ قوس اس واسطے ہے کہ نصف ثانی یعنی محب کی جانب وہاں بالکل نہیں ہے جب تک قوس کی ابتداء اسی جانب کا خیال منسیاً منسیاً ہو جائے گا پھر قوس محبت پوری ہو جائے گی اور اُسی میں فناء الفنا کا مقام حاصل ہوتا ہے بعد ازاں اسم الظاہر کا مراقبہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظاہرؔ اور باطنؔ اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں اور نام کے بے شمار مظہر ہیں۔ اور ہر نام کا مصداق اُسکی

پاک ذات میں موجود ہے جسقدر عرفان زیادہ دقیق ہوگا مظاہر کی شناخت زیادہ کمال کو پہنچے گی اور اس کی پاک ذات میں مصداقوں کا امتیاز بہتر اور زیادہ کامل ہوگا اور تمام جہان اور اجسام اور وہ افعال اور احکام جو تکوین اور تشریع میں ظاہر ہوئے ہیں اسم ظاہر کے مظہر ہیں اور جو کارخانے اس کی رازقیت سے متعلق ہیں اسی کے ظاہر میں سے ایک مظہر ہیں اور اسی طرح کتاب کے نازل کرنے اور رسولوں کے بھیجنے وغیرہ کے جو کارخانے ہدایت کی شان سے متعلق ہیں دوسرا مظہر ہیں اور ایسا ہی ابلیس سے لے کر سر دو سرائی تک لوگوں کو گمراہ کرنے کے کارخانے۔ اور اسی طرح دو اور مظہر یعنی ثواب اور عذاب بہشت اور دوزخ وغیرہ کہ پہلے دونوں مظہروں پر مترتب ہوتے ہیں بالجملہ اسم ظاہرؒ کے مظاہرہ کا ملاحظہ کر کے ان بے شمار عوالم ظہور کی جہت سے اس مبارک اسم کے مسمّٰی اس کی پاک ذات کا ملاحظہ کرے۔ اور یہ نہ جانے کہ یہ ملاحظہ ممکن نہیں بلکہ اجمالی طور پر نہایت ہی سہل اور آسان ہے اور جب بصیرت کی آنکھ زیادہ تیز ہوگی اس کی تیزی کے موافق تفصیلی ملاحظہ بھی زیادہ آسان ہو جائے گا اور اسی دقیقہ کے باعث اس صیغہ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ کے ساتھ عارف کی تسبیح غیر عارف کے ہزارہا مرتبہ تسبیح کہنے کے برابر بلکہ بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب صیغہ مذکور کے ساتھ تسبیح کہنے والا وسیع المعرفت عارف ہو اور اس کا لحاظ تمام خلق کو گھیر لے اپنے لحاظ مطابق ثواب کا مستحق ہوگا۔ غیر عارف کے برخلاف کہ اس کے لحاظ کو کچھ وسعت نہیں بالجملہ جس طرح چاہیئے اس مراقبہ کا شغل کرے اور جب اس مراقبہ کے فیوض کے موارد کہ بالذات تو لطیفہ نفس ہے اور بالتبع باقی لطائف ہیں اس کے فیوض سے کما ینبغی فیض حاصل کرلیں گے اس مراقبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں گے اور منجملہ اس کے آثار ایک اثر فنائے نفس ہے یعنی نفس اپنے آپ اور اپنے افعال سے بے خبر ہو جائے گا اور اس کے اخلاق سدھر جائیں گے یعنی اس کی بد عادتیں نیک عادتوں سے تبدیل ہو جائینگی اور اس مراقبہ کے فیوض کے ورود میں نفس کے مستقل ہونے کی وجہ ہے کہ عقل اسم ظاہرؒ کے مظاہرہ کا ادراک کر سکتی ہے برخلاف اسم باطنؒ کے اس کے مظاہر کے ادراک میں الہام اور کشف کے سوا اور کوئی راستہ نہیں اور چونکہ لطیفہ نفس کا محل یعنی سر عقل اور ادراک کا محل ہے اسی واسطے اس لطیفہ کو اسم ظاہر کے لطیفے کے فیوض کے ساتھ زیادہ اختصاص حاصل ہو گیا ہے اور ان آثار کی ترتیب کا یہ سبب ہے کہ اس مراقبہ کی وجہ سے تمام حرکات

وسکنات اور اسباب اور مسببات کا صدور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی طرف سے اس طرح اُس کے دل میں منقش ہوگا کہ کسی ایک تاثیر سے بھی اُس کو غفلت نہ ہوگی۔ اور امید وار خوف اور محبت صرف اُسی پاک ذات سے متلق ہو جائیں گے اور سالک کی نظر میں اس کے غیر کا کچھ اعتبار نہ رہے گا اور غیر کو اسی طرح آلہ سمجھے گا جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ایک آلہ ہے۔ پس عالی ہمت کریم الطبع کے لئے تو صرف اُس پاک ذات کی محبت اور الفت کی وجہ سے جو کوئی اس نادر کمالات کے ظہور کا باعث ہے آثار مذکور پورے کے پورے مترتب ہو جائیں گے۔ اور جو شخص علوِ ہمت اور کرامت طبع میں ادنیٰ مرتبہ پر ہوگا اُس کو بعض آثار محبت کی وجہ سے اور بعض آثار خوف کی وجہ سے حاصل ہوں گے اور بمقتضائے وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ایک اپنے مقصود پر کامیاب ہوگا اور یہ دائرہ بھی اُسی وقت پورا ہوگا جب کہ آثار کے ظاہر ہونے کے سوا انوار میں بھی کما ینبغی ترقیاں ظاہر ہوں جیسے پہلے مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے اور اگر یہ دائرہ محبت کے دوائر سے مقدم ہوتا تو بہت بہتر ہوتا اس لئے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں میں بڑی امداد دیتا ہے پس حسن ترتیب اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں پر مقدم ہو پھر اسم اَلْبَاطِنُ کی سیر کرنی چاہیے اس کا بیان یہ ہے کہ ان ہی ظاہری چیزوں کا باطن ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم "باطن" سے فیض حاصل کر رہا ہے اور اس کی مثال بادشاہت کا انتظام ہے جو کہ نہایت ظاہر ہے اور اس کا باطن بادشاہ کی عقل اور تدبیر ہے پس چاہیے کہ اپنی سمجھ کے مطابق بطون کے مظاہر کو معلوم کر کے ان مظاہر میں اسم "باطن" کے اثر کے اعتبار سے اس کے مسمیٰ کا مراقبہ کرے اور اس ولایت کو ولایت علیا کہتے ہیں اس لئے کہ یہ ملأ اعلیٰ کی ولایت ہے اور ملأ اعلیٰ سے وہ فرشتہ مراد ہیں جو امر کی تدبیر کرنے والے اور احکام الٰہیہ کے اخذ کرنے والے ہیں جو حکم نافذ ہوتا ہے پہلے وہ اُس کو اخذ کرتے ہیں پھر جہان میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ تمام عوالم اجسام اور اُن ارواح کا باطن ہیں جو اجسام کے مدبر ہیں اسی واسطے اُن کے کمال کو اسم اَلْبَاطِنُ سے تعلق ہے اور جسم انسانی سے اس مراقبہ کے فیض کا مورد آگ اور پانی اور ہوا ہے کیونکہ یہ تینوں عنصر انسانی جسم میں باطن ہیں اور مٹی ظاہر ہے اسی جہت سے یہ تینوں اسی کے فیض کا مورد ہیں اور صدورِ آثار میں ان عناصر کا بدل جانا اس کا اثر ہے کیونکہ آگ اپنی حقیقت سے بدلتی نہیں۔ بلکہ اپنی طبیعت کے مقتضیٰ پر رہتی ہے پس اس کی طبیعت کا مقتضیٰ اللہ تعالیٰ

کی رضامندی میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً آگ کا مقتضا غلبہ اور علو ہے جو کہ انسان میں غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے اور کبھی دعویٰ خدائی تک پہنچا دیتی ہے شیطان کے لئے آگ کا مقتضےٰ لعنت کا باعث بنا اور اس کو عمیم الرحمت خدا کی بارگاہ سے بالکل ناامید کر دیا اور جب اس مراقبہ کے فیض سے مستفیض ہو گی احکام الہیہ کی فرمانبرداری میں بلند ارادے اور اُن میں سبقت اور مسارعت کی سعی اس میں پیدا ہو جائے گی اور انسانی اخلاق میں ہوا کا مقتضےٰ حرص اور خواہشیں ہیں اور اس کا بدلنا اس طرح سے ہے کہ حرص اور خواہش مرضیات الہیہ کی طرف مشغول ہو جائے اور دنیوی زینت سے منحرف ہو جائے اور انسان میں پانی کا اثر سستی اور افتادگی اور تسفل ہے اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے سست ہو جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی درگاہ میں گر پڑے اور رب العزت کی عظمت کے سامنے پست ہو جائے اور اس سیر میں اسم الباطن کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ سیر بھی اپنے آثار کے ظاہر ہونے کے باوجود تب ہی تمام ہو گا کہ اسی سیر کے موافق نورانی حجابوں کو قطع کیا جائے۔ پھر تجلی ذاتی دائمی کا سیر ہے اور اس کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ تجلی جس کا منشا محض ذات ہے اور دائمی سے یہ غرض ہے کہ یہ تجلی آسمان وزمین کی مانند مستقر وثابت ہے اگرچہ اس تجلی کے استقرار اور ثبوت میں بے شمار تفاوت ہے لیکن دائمی سے ظاہری معنی کے سوا کوئی اور امر مراد نہیں اور انبیا اور مرسلین اور اولوالعزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلی میں سے ہے پس اس سیر کے تین درجے ہیں اول اس لحاظ سے کہ انبیا علیہم السلام کے کمالات کا منشا ہے یعنی اس طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں کسی طرح سے غلطی واقع نہ ہو سکے اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ بات ہمیشہ حتیٰ کہ خواب میں بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ اُن کا وجود باوجود فیض کا منبع ہوتا ہے اور اگرچہ اُن کو خبر نہ ہو لوگوں کو اُن کے منافع پہنچتے رہتے ہیں۔ پس اُن کا وجود چراغ کی مانند ہے کہ اس کی روشنی سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں گو چراغ کو خبر نہیں ہوتی۔ پس انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے کام میں ہیں اسی واسطے اُن کے فیوض تجلی ذاتی دائمی سے متعلق ہیں فرشتوں کے برخلاف کہ وہ ہمیشہ ایک کام میں مستغرق نہیں رہتے بلکہ حکم اور فرمان پہنچنے کے وقت کام بجا لاتے ہیں پھر بے کار اور منتظر اور مستعد رہتے ہیں اسی واسطے ملائکہ کے کمالات کا منشا تجلی ذاتی دائمی نہیں ہوتی۔ اور وہ انوار اور تجلیات جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے ثمرات ہیں اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سیر کے

فیض کا مورد دو وجہ سے خاک کا عنصر ہے اوّل یہ کہ استقرار اور ثبات مٹی کی خاصیت ہے اس لئے اس سیر کے مناسب ہے دوئم یہ کہ اس تجلی میں ظہور کے معنی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سارا جہان تجلّی ذاتی دائمی ہے اور عالم کا ظہور ظاہر ہے اور عالم کے ظہور سے اس تجلی کا ظہور سمجھ لینا چاہیئے اور انسان میں مٹی کا عنصر بھی ظاہر ہے اور انسان میں تواضع اور فروتنی کا پیدا ہو جانا مٹی کے عنصر میں اس سیر کے فیض کے ظہور کا اثر ہے اپنے مالک کے سامنے تواضع اور فروتنی کرنا اور اُس کے حکم کو قبول کرنے سے سرکشی نہ کرنا اس سے مقصود ہے اگرچہ اپنے مالک کے احکام کی بجا آوری میں اُس کے دشمن پر ایک قسم کی تعلّی پائی جائے اور جو پستی پانی کی وجہ سے ہے وہ اس تواضع کا غیر ہے کیونکہ تسفل میں مطلقاً اپنی پستی ہوتی ہے اور تواضع کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنے بازو کو پست کر لے پس تواضع ہر وقت میں ایک جدید امر ہے جو پیش آتا ہے۔ تسفل کے برخلاف کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو ہمیشہ ساتھ لگا رہتا ہے کبھی جدا نہیں ہوتا اور جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے ان آثار کے ظہور کا امتیاز کرنا چاہیئے اس لئے کہ کبھی عقل مند انسان صفات نفسانیہ میں سے کسی ایک صفت کے تصور کو اُس کا حصول سمجھنے لگ جاتا ہے اور جو گفتگو کہ ایک فلسفی حکیم اور کامل عارف کے درمیان جاری ہوئی ہے اس امر کے بیان کرنے کے لئے ایک پوری مثال ہے منقول ہے کہ ایک فلسفی حکیم اور ایک کامل کی آپس میں ملاقات ہوئی ملاقات کے بعد ایک شخص غائبانہ عارف سے حکیم کا حال پوچھا عارف نے فرمایا کہ اس میں اخلاق نہیں اور یہ بات کسی نے حکیم کو پہنچائی حکیم نے اخلاق کی توضیح میں ایک سنہری اور عمدہ کتاب تالیف کر کے عارف کی خدمت میں بھیجدی۔ عارف نے فرمایا کہ میں نے تو کہا ہے کہ اس میں اخلاق نہیں یہ نہیں کہا کہ وہ اخلاق جانتا نہیں۔ پس اس نے جان لیا کہ اخلاق کا علم اور چیز ہے اور اُس کا حاصل ہونا اور چیز اور کبھی عبادت کی وجہ سے اور کبھی نفسانی دھوکے سے اور کبھی شیطانی مکر سے کمالات کا تصور ان کے حاصل ہونے سے مشتبہ ہو جاتا ہے اور انسان جہل مرکب کی لاعلاج بیماری میں رہتا ہے اور یہ بے نصیبی کی صریح علامت ہے اور حصول وہی معتبر ہے جو تہ دل سے جوش مارتا ہے وہ نہیں جو زور کے ساتھ اپنے اوپر باندھ لیا جائے اور اس سیر کے پورا کرنے کے واسطے جس طرح کئی بار

مذکور ہو چکا ہے انوار کا تبدل ضروری ہے اور اس تجلی کے سیر کا دوسرا درجہ منشا رکمالات رسالت ہے رسولوں کے خصائص کو سمجھ کر اس کے منشا کی طرف انتقال کرے اور منشا ہونے کی وجہ سے حضرت ذات کا مراقبہ کرے مخلوقات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان... وساطت اور ایلچی گری کے ظہور سے رسالت اور نبوت میں امتیاز ہو سکتا ہے اور ناصح اور واعظ ہونا اور حجتوں اور دلیلوں کے بیان کرنے میں بہت کوشش کرنا اور معجزات کا قائم کرنا اور مناظرہ اور مخاصمہ اور مقابلہ کرنا انبیا کے بر خلاف رسولوں کو لازم ہے کیونکہ انبیا کو مقابلہ کرنا لازم نہیں۔ اور مرسل الیہ کے حق میں رسول کا قول معتبر ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ معتبر اور سچے ایلچی کو جب کسی قوم کی طرف بھیجتے ہیں اس قوم کی فرمانبرداری کرنے یا نہ کرنے میں اس کی بات مقبول ہوتی ہے اور کمالات الوالعزم کا منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنا اس تجلی کی سیر کا تیسرا درجہ ہے کفار کے ہلاک کرنے اور مومنوں کی اصلاح کے بارہ میں قوی ہمت کی بجاآوری کے ساتھ باقی رسولوں سے الوالعزم کا امتیاز ہوسکتا ہے پس کفار کے ہلاک کرتے میں رسولوں میں سے اولوالعزم کی قوی ہمت کو بڑا بھاری دخل ہے رسول تو صرف امت کا حال ظاہر کرتے ہیں اور کفار کے ہلاک کرنے میں اللہ تعالےٰ کے قہریہ ارادے کے لئے اعضائے انسانی کے جابجا نہیں ہوتے اور اولوالعزم ملائکہ کی مانند عضو کے قائم مقام ہوتے ہیں اور عضو کے قائم مقام ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں اول آنکہ فرشتے اور اولوالعزم رسول وساطت میں برابر ہوں دوم آنکہ فرشتے مستقل ہوں اور رسول تابع سوم اس کے برعکس یعنی رسول مستقل ہو اور فرشتے تابع اور تیسری صورت ایک بڑا درجہ ہے جو جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس کا ظہور جیسا کہ چاہیے بدر کے دن ہوا اور صحابہ میں سے حاضرین بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی طفیل اس خاصیت سے بڑا حصہ ملا ہے بالجملہ انبیا میں سے رسولوں کا امتیاز اور رسولوں میں سے الوالعزم کا امتیاز اس سیر کے مراقبے اور اس کے آثار حاصل ہونے کے واسطے ضروری امر ہے اور آثار کے حاصل ہونے میں کلام کا نہ خلاصہ جو ہر مقام کی سیر کے منتہا تک پہنچنے کی دلیل ہو یہ ہے کہ اس موقع پر تین امور کا ہونا ضروری ہے۔ اول انوار کا بدلنا جو مکرر سہ کرر مذکور ہوا دوم صفات کا بدلنا چنانچہ یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے

اور تازہ یہ ہے کہ جس صفت اور شان میں مراقبہ کیا جائے اسی صفت اور شان میں سے کسی حصہ کا حاصل ہونا بھی تبدل صفات میں سے ہے پس کمالات نبوت کا منشا ہونے کے لحاظ سے جو شخص ذات کا مراقبہ کریگا اس کو نبوت کے معانی میں سے کسی معنی پر ضرور کامیاب کردینگے اس کا ادنیٰ درجہ نیک خوابیں ہیں اور اسی طرح دوسرے درجہ میں رسالت کا معنی اُس پر فائز ہوگا اور غافلوں اور جاہلوں اور سرکشوں کی سمجھانے اور پڑھانے اور مناظرے کا اس کو الہام کیا جائے گا اور تیسرے درجہ سے نافرمانوں اور سرکشوں کے ہلاک کرنے اور مطیعوں اور مخلصوں کے انعام اور اکرام کے بارہ میں اس کو قوی ہمت بخشیں گے اور اس مدعا کو عام طور پر اس طرح جاننا چاہیئے کہ اسماء الٰہی میں سے جس اسم کا مراقبہ کریگا اُسی سے کچھ پالے گا۔ جو شخص اس کی رزاقیت کا مراقبہ کریگا۔

اور اس مراقبہ کو کمال تک پہونچائے گا رزاقیت کی کچھ شان اس میں جلوہ گر ہوجائے گی اُس کریم مطلق کی بے نہایت مہربانی اس کا باعث ہے کہ کرماء کی عادت ہی کہ جو شخص مثلاً کھانا کھانے کے وقت اُن کے سامنے جائے اور طمع کی آنکھ اُس پر لگائے البتہ اُس کو ایک لقمہ دیں گے اور اسی مثال سے اس کلام کے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں یعنی جو شخص مثلاً اسم محی کا مراقبہ کریگا گویا اس کی شان احیا کے سامنے جا کھڑا ہوا ہے پس حق سبحانہ وتعالیٰ کے کرم کا مقتضا یہ ہے کہ شان احیا سے کچھ اثر اس شخص کو بخشے

سوم اللہ جل شانہ کی خاص عنایت اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جب خاص بندہ خدا تعالیٰ کے کسی کام کو خوبی سے سرانجام دیتا ہے دو چیز کا مستحق ہوجاتا ہے ایک ثواب دوسرا انعام۔ ثواب اگرچہ بے حساب ہو لیکن مزدوری کی جا بجا اور اس کام کا نتیجہ اور اس کے مناسب ہے اور انعام خلعت فاخرہ کے قائم مقام ہے رضائے مولا جس کا سبب ہے جب انسان اس سے کامیاب ہوتا ہے کما حقہ دونوں کا امتیاز کرلیتا ہے مستجاب الدعوات ہونا اور ملاء اس میں عزت پانا انعام کی مثال ہے اور وہ انعام ایسی چیز ہوتا ہے جو ہر کام میں کار آمد ہوتا ہے بہشت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار انعام ہے۔ اور حور وقصور وغلمان اجرت اور مزدوری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ اور روایت صحیحہ کے بموجب زیادتی سے دیدار خداوندی مراد ہے اور انسان کی ہئیت مجموعی ان اخیر کے دو درجوں کے فیض کا مورد ہے اس فیض کے ورود میں کسی عنصر اور لطیفہ کو

خصوصیت نہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جامعیت کے لحاظ سے رسولوں اور اولوالعزم کے کمالات کا منتہیٰ ذات پاک ہے اور انسان کی تمام اجزاء کی اصلاح ان کمالات کے صاحبوں کا اصلی مقصود ہے اسی لئے ان دونوں درجوں کے فیض کا محل ورود مجموعی ہئیت ہوتی ہے پھر حقیقت کعبہ کے ظہور کے اعتبار سے حضرتِ ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے حضرت ذات کا تمام مخلوق کے واسطے مسجود ہونا کعبہ کی حقیقت ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اور حقانیت کی وجہ سے معظم ہونا اس مراقبہ کا اثر ہے اہل حق اس سبر والے کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا باعث جانتے ہیں اسی واسطے بعض اصحابہ رضؓ کے خیال میں گزرا تھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہیئے اور حضرت آدم صفی اللہ صلوات اللہ علی نبینا وعلیہ تمام ملائکہ کے مسجود اور قبلہ بنے اور حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے بزرگوں یعنی والدین اور بڑے بھائیوں نے سجدہ کیا۔ پھر حضرت ذات سے حقیقت قرآنی کے ظاہر ہونے کے اعتبار سے اُس کا مراقبہ کیا جاتا ہی اور اس کی بیچونی کی وسعت کا مبدا اس کا منشاء ہے پہلے وسعت بیچونی کا تصور کرنا چاہیئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ ظہور افعال کے اعتبار یا کسی طرز سے ذات پاک کی وسوت کو ذہن نشین کریں۔ لیکن ظہور افعال کے اعتبار سے اس طرح ملاحظہ کریں کہ ہر حرکت کے پیچھے جو جہانوں میں ہوتی ہے حقیقت میں محرک وہی ہے پس اگر چیونٹی کا پاؤں ہلتا ہے تو اس کے ہلانے سے ہلتا ہے اور اگر فلک الافلاک گردش کرتا ہے تو اسی کے حرکت دینے سی گردش کرتا ہے اور اگر ہم اس کی تحریک کا طریق اور سبیل دریافت کرنا چاہیں تو بیچون اور بیچگون کہنے اور لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کے پڑھ دینے کے سوا کوئی امر معلوم نہیں ہوتا پس جسطرح کہ اس کے افعال میں ایسی وسعت ہے کہ اُس نے تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے اسی طرح اُس کی بیچونی اور بیچگونی کو بھی سمجھنا چاہیئے اور یہ بیان اُس کی بیچونی کی بہ نسبت بہت تھوڑا ہے پھر کلام پر بیچون کی وسعت کو پہچاننا چاہیئے اس لحاظ سے کہ کلام ہر چیز کو بیان کرتی ہے اسس میں اس قدر وسعت ہے کہ معدومات اور موجودات سب اس میں سما جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ خواص محکی عنہ کا اثر اس میں پایا جاتا ہے اسکو بیچون کہہ سکتے ہیں اور حقائق عالم پر مشتمل ہونے اور مہیمن ہونے کے باعث قرآن شریف میں بے نہایت لمبی چوڑی وسعت ہے انسانی علم کو اس کے منتہیٰ تک پہنچنا محال ہے اور چونکہ ازلی حقیقت کا ظہور اُسی سے ہے اس لئے بیچون ہے

اور اس کی بیچونی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ عرب کے مستعملہ حروف اور کلمات سے اس کے مرکب ہونے کے باوجود اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب غیر خدا سے نہیں ہو سکتی اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس کلام کی ترکیب میں بیچوں ذات نے ایسا بیچون امر امانت رکھا ہے کہ ہزاروں فصیح و بلیغ اس کی کنہ کو پہنچ نہیں سکتے اور انسان جو کہ خاص صفت کلام کا مظہر ہی اور آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی صفت کی وجہ سے تمام ملائکہ کے معزز ہوئے جب غیر خدا اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب سے عاجز ہو گیا تو اس کے غیر سے اس کا سرانجام ہرگز نہ ہو سکیگا پھر قرآن مجید کی مبدئیت کو معلوم کرنا چاہیئے اور اگرچہ قرآن مجید غایات اور نہایات پر مشتمل ہے لیکن قرآن مجید کے سوا معرفت کے شروع کی کوئی سبیل نہیں مثلاً بخشی گری اور وزارت اور امارت اور ان کے سوا بادشاہی کے تمام عہدوں کا مبدأ نوکری ہے پس یہی نوکری وزارت ہوتی ہے اور یہی نوکری خدمتگاری ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید میں وسعت بیچون کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اسی واسطے مبدأ ہونے کے لائق ہے۔ جب تینوں باتیں ذہن نشین ہو گئیں تو وسعت بیچونی کے مبدأ کا معنی جو کہ حقیقت قرآنی کا منشا ہے سمجھ میں آگیا پس وسعت بیچونی کے لحاظ سے جو کہ حقیقت قرآنی کا منشا ہے مراقبہ ذات کا شغل کرے اور اپنے آپ میں آثار کے ظاہر ہونے اور انوار کے بدلنے کو معلوم کرکے کمال وسعت بیچون کا طالب ہونا چاہیئے اور اس سیر کے آثار میں سے وہ صفائی اور نزاہت ہے جو اس سیر میں پہنچنے والا اپنے آپ میں پاتا ہے اور وہ بیچون اور کمال وسعت بیچونی کے مناسب صفائی طرح طرح کی نیاز اور قسم قسم کی تعظیم کی حقیقت کا منشا، کہ نماز ان سب کو جمع کرنے والی ہے کمال مذکور کی طرف اشارہ کرتی ہے حقیقت قرآن کی منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنے کے بعد حقیقت صلوٰۃ کا منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرے اور مراقبہ کرنے والی کی نہایت صفائی اور پاکیزگی اس کا اثر ہے پس بول اور پاخانہ کی مانند ظاہری نجاستوں کے ساتھ عین آلودہ ہونے کے وقت اپنے آپ میں صفائی اور ستھرائی معلوم کرتا ہے اس کے بعد ارکان نماز میں مسجودیت مقیدہ سے قطع نظر محض معبودیت کا مراقبہ ہی اور اس کی تصویر یہ ہے کہ مثلاً اس لحاظ سے نماز کا ادا کرنا معبودیت مقیدہ ہو کہ سچے منعم اور آپکے حاکم نے ہم پر فرض کی ہے اور اس لحاظ سے کہ اُس کی ذات اس تعظیم کی مستحق ہے معبودیت محضہ ہے اور اپنی وہ عظمت اور بزرگی اس کا اثر ہے جو بے وجہ اور بے سبب اپنے آپ میں

پائے گا یہ عظمت اس عظمت کے برخلاف ہے جو حقیقت کعبہ کے مقام میں معلوم کی تھی اور اس کے بعد حقیقت ابراہیمی کا منشا ہونے کے لحاظ سے ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس میں مجمل بات یہ ہے کہ اپنے کمال کے لحاظ سے ہر کامل کو اپنے ساتھ اُنس ہوتا ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ صاحب کمال کو کبھی کبھی وحدت میں وحشت پیش آتی ہے اور وہ کامل جب اپنے کمال کا ملاحظہ کرتا ہے بجز اس امر کے کہ عجب پیدا ہوا اپنے آپ میں ایک مونس اور رفیق گمان کرتا ہے اور اپنے ساتھ اس طرح مالوس ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ کو اپنے ساتھ اُنست ہے اور کمال ابراہیمی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے منشار یعنی حضرت ذات کی اپنی ذات کے ساتھ اُنست کا ملاحظہ کر کے مراقبہ کریں اور جب یہ مراقبہ اپنے کمال کو پہنچے گا اس مراقبہ والے میں دوستی کا اثر ہو جائے گا اور جو دوسرے آثار کہ بیان کئے گئے ہیں ہر جگہ جاننے چاہئیں اس کے بعد حقیقت موسویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہونے کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے اور وہ ذات کی محبت ہے اور محبت کو ہر کوئی جانتا ہے مراقبہ محبت ابتدا میں تو اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ سالک خدا تعالیٰ کا محب بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سالک کا محب ہوتا ہے اور اس سیر میں ذات کے ساتھ ذات کی محبت کا مراقبہ ہے اور حقیقت موسویہ یہی ہے اور جاننا چاہیے کہ خُلت سے وہ علاقہ مراد ہے جو دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے اور محبت ایک طرف سے ہوتی ہے لیکن خُلت سے زیادہ قوی ہوتی ہے پس خلت اس آشنائی کے جا بجا ہے کہ دونوں آشناؤں میں سے ایک کو دوسرے پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور ہر ایک کی عزت اور وجاہت دوسرے کے دل میں پختہ ہوتی ہے اور بادشاہوں کی بہ نسبت وزیروں اور امیروں کی مانند یہ خلت عمدہ کاموں کے واسطے بننے کا موجب ہوتی ہے اور محبت کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ صرف محبت ہو اور محبوبیت تک نہ پہنچے اور عزت اور وجاہت کے لحاظ سے یہ محبت خلت کے مرتبہ سے کم ہی اور قرب اور حضور کی ہمیشگی کے لحاظ سے زیادہ ہے جس طرح جو خواص نہایت خیر خواہ اور خدمتگاری میں دل سوز ہوتا ہے امیر کبیر کی بہ نسبت اس کا قرب زیادہ ہوگا دوسری وہ محبت جو محبت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچکر محبوبیت کی سرحد تک پہنچ جائے لیکن محبوبیت تک نہ پہنچے اگر اس مقام سے جو محبت کا منتہے ہے آگے بڑھ کر محبوبیت تک پہنچ گیا تو یہ محبت فی الجملہ خلت بھی ہے تیسری وہ محبت جو محبوبیت تک پہنچ جائے یہ بیشک خلت سے بہت بلند ہے

اور جس طرح کہ ابھی آئے گا حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا منشا ہے چونکہ اس جگہ مراتب ولایت کا بیان ہو رہا ہے اور ولایت کا مدار قرب اور دوام حضور پر ہے اور یہ بات محبیت میں خلت سے زیادہ ہے اگرچہ کاموں کے سرانجام اور بڑے بڑے کاموں کا واسطہ ہونے میں خلت زیادہ ہے اسی واسطے اس سلسلہ کے بزرگواروں نے محبیت کو خلت کے پیچھے رکھا ہے اگر محبیت کے مقدم ہونے کی یہ وجہ نہ ہو تو در اصل حقیقت ابراہیمی حقیقت موسویہ سے افضل ہے اس کے بعد اس ملی ہوئی محبیت اور محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہے اس کے بعد محبیت کی ملاوٹ کے سوا محض محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے جو حقیقت احمدیہ ہے اس کے بعد صرف حب کا مراقبہ ہے جس کو محب یا محبوب سے کچھ تعلق نہیں اس کے بعد اس لحاظ سے لاتعین کا مراقبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی پاک ذات کا ایسا مرتبہ ہے کہ سب تعبیریں اس سے نیچے ہیں کوئی تعبیر اور بیان اس کو نہیں پہنچتا۔ واللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الحَال:

تکملہ راہ ولایت کے سلوک ثانی کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے

تمہید۔ بے سمجھ طالب جب معرفت ذات کے مقام پر پہنچتے ہیں اور سلوک متعارف کو ختم کر لیتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ہم بھی حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ بزرگ نائب رسول اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت قطب الاقطاب جناب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور پیشوائے شریعت و طریقت حضرت خواجہ بہار الدین نقشبند اور حضرت امام ربانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہم قدس اللہ اسرارہم اجمعین جیسے بڑے بڑے اولیاء اللہ کے ہم پایہ اور ہم مقام ہو گئے ہیں اور یہ صریح غلطی اور نہایت ہی بُرا عقیدہ ہے اس لئے کہ اہل خذلان اور بطلان بھی اس مقام تک تو پہنچ جاتے ہیں اور جب اس مقام میں ان کی رسائی بھی ہوا کرتی ہے تو کس طرح سے اس مرتبہ کو خداتعالیٰ کی قبولیت کی بارگاہ کے بزرگواروں اور اس کی عنایت کے ملکوں کے بادشاہوں کے کمال کا منتہے سمجھ سکتے ہیں شعر

وَسَوْفَ تَرَیٰ اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ ؎۱ : اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ

؎۱ اور جس وقت غبار اُٹھ گیا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر :

اگرچہ جس طرح سلوک متعارف اس کتاب میں لکھا گیا ہے اہل خذلان اور بطلان کو اس میں رسائی نہیں۔ اس لئے کہ اس کے اکثر اشغال آداب شرعیہ اور تعظیم شرع شریف سے ملائے گئے ہیں لیکن اس جگہ آداب شرعیہ کے ملانے سے قطع نظر محض ان اشغال کا حال بیان کرنا مقصود ہے پس اصلیت یہ ہے کہ بیشک معرفت ذات تک وصول حاصل ہو گیا لیکن رد اور قبول اس وصول کے سوا دوسری چیز ہے مردودانِ درگاہ الٰہی کو اس مقام تک پہنچا دینا اس کے قائم مقام ہے کہ ایک ڈاکو بڑی کوشش کر کے بادشاہی قلعہ میں پہنچ جائے اگر اپنے برے فعل سے توبہ نہ کی تو قریب ہے کہ بادشاہی غضب میں گرفتار ہو جائے اور سلطانی حکم کے مقابلہ میں جو بغاوت اور سرکشی اُس نے کی ہے اُس کے زائل ہونے کا اثر عدالت سلطانی کے محکمے میں ثابت نہ ہو اس بے دین طالب کا یہی حال ہے جو معرفت ذات تک پہنچ گیا ہے۔ ہاں شریعت کے پابند طالب کے حق میں یہ ایک بڑی چیز ہے کہ دراصل ترقی اور کمال کا آغاز اسی مقام سے ہوتا ہے اور یہ مرتبہ ابجد خوانی کے جا بجا ہے اور جو مرتبے ابتدا سے یہاں تک ذکر کئے گئے ہیں مطلوب اور مقصود کمال میں گنے نہیں جا سکتے اور اس امر کی حقیقت اس مثال کے ضمن میں جو آئندہ افادے کے ضمن میں ہے انشاء اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے واضح ہو جائے گی پس ضرور اللہ تعالیٰ کی مقبولیت کی بارگاہ کے بزرگوں کے لئے متعارف سلوک کے سوا اور ترقیاں اور مقام ہیں کہ جن کی وجہ سے مقبولانِ حق کے زمرے سے ہو گئے ہیں بلکہ اُن کے ممتاز ہونے کے باعث باقی مقبولوں سے انہوں نے امتیاز حاصل کیا ہے پس ان ہی ترقیوں کو ہم سلوک ثانی کہتے ہیں اور صوفیہ کی زبان سے جو القاب ان مقامات کے واسطے مقرر ہیں اُن کا منتہےٰ قطب ارشاد ہے جو رحمت الٰہی کے افاضے کا واسطہ ہوتا ہے جو کچھ پہنچتا ہے اسی کے ذریعے سے پہنچتا ہے اور اکثر ناواقف جو سلوک اول اور ثانی میں تمیز نہیں کرتے بلکہ سلوک ثانی سے بالکل بے خبر ہیں جانتے ہیں کہ سلوک اول کے تمام ہوتے ہی کمال تمام ہو جاتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ پہلے کی انتہا اس دوسرے سلوک کی ابتدا ہے جو اصلی مقصود ہے اور کبھی بارگاہ الٰہی کے بعض مقبول سلوک اول میں سیر کرنے کے بغیر ہی سلوک ثانی کے مدارج سے ممتاز اور سرفراز ہو جاتے ہیں۔ اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک صاحب عقل اور صاحب ہمت شخص کو جو بادشاہ کے حضور سے دور ہے بادشاہی احکام پہنچے اور اُس نے اس احکام کی

بجا آوری میں اس طرح کی کوشش کی کہ تمام رعایا اور سپاہیوں میں نمک حلالی اور بارگاہ سلطانی کی فدویت کے لقب سے مشہور رہو کر حضور کے مقبروں میں سے بہت سے لوگوں کا مسجود بن گیا ایسے شخص کو جسوقت حضور میسر ہو گیا ایسی عزت اور امتیاز سے کامیاب ہوگا کہ سلوک اول کے سالکوں کو اس کا حاصل ہونا مشکل ہے اور بعض اوقات سلوک اول میں ہی سلوک ثانی کے درجے حاصل ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص صوفیوں کی اصطلاح میں سلوک اول کا سالک ہے اور سلوک ثانی کے درجوں کے لحاظ سے اس کا حال اس صاحب عقل اور ہمت کی مانند ہے کہ جس کا تھوڑا سا ماجرا اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور شریعت کے بموجب نیت کے اخلاص اور طبیعت کی صفائی اس کا باعث ہے کہ سلوک اول کے اشتغال کو محض عبادت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے جسقدر اس امر میں اس کی نیت زیادہ صاف ہوگی سلوک ثانی کے مدارج بہت جلدی حاصل ہوں گے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اور اگرچہ سلوک ثانی شرع کا مقصود اور قرآن و حدیث کا بیان کیا ہوا ہے لیکن سلوک اول کی طرح ضبط کیا ہوا نہیں لہذا اخلاصہ کے طور پر لکھا جاتا ہے بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ

مقصد راہ ولایت کے دوسرے سلوک کے بیان میں

جاننا چاہئیے کہ ولایت کے رستے میں دو سلوک مترتب ہیں پہلا تو ضبط اور ربط کے ساتھ تدوین کیا ہوا ہے اور دوسرا منضبط نہیں باوجود آنکہ اسی سلوک کا نتیجہ اصلی مقصود ہے۔ ہمیشہ اہل ولایت یہ سلوک کرتے رہے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور سلوک ثانی کے عدم انضباط کی وجہ سے اکثر اوقات ناواقفوں پر دونوں مشتبہ ہو جاتے ہیں اور ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز اور جدا نہیں جانتے لہذا ہر ایک کی تفصیلی تمثیل سن لینی چاہئیے تاکہ آپس میں جدا ہو جائیں اور واضح ہو جائے کہ مقصود اصلی سلوک ثانی پر موقوف ہے پس مقصود کی یہ مثال ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص ہے جس کا وطن دار الخلافہ سے دور ہے بادشاہی مرتبوں کے شوق اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے ہیں اور اپنی کامیابی کے رستے کو بادشاہ کے حضور میں منحصر جان کر حضور بادشاہی میں پہنچنے کے واسطے کوشش کر رہا ہے اور اپنے اصل مقصود کو اپنے دل ہی میں پوشیدہ رکھ کر بادشاہ کے دربار میں

حاضر ہونے ہی کو اپنا اصلی مقصود بتلاتا ہے اور بادشاہی حضور میں پہنچنے سے پہلے اپنے
اصلی مقصود کو چھپائے رکھتا ہے اور یا تو اس وجہ سے کہ اس کے اظہار میں کئی فسادوں
کے واقع ہونے کا اندیشہ ہے یا اس واسطے کہ فی الحال اُس کے ظاہر کرنے کا کچھ فائدہ
نہیں اس کے اظہار سے خاموش رہتا ہے پس منزل مقصود کی طرف پہنچنے کے لئے
سفر تدبیر کریگا اور رفیقان راہ کے حال اور منزلوں کے نام کی تفتیش کر کے سیدھا رستہ
مقرر کر کے اسباب سفر کو جمع کرے گا اور سامان جمع ہو جانے کے بعد اپنے خویش واقربا سے
رخصت ہو کر وطن اور ملک کو چھوڑ کر اُن کی محبت اپنے دل میں قطع کر کے اور اُن سب کو
پس پشت ڈال کر رستے کو قطع کرنا شروع کریگا رستے کے اثنا میں دائیں بائیں شہر اور
باغ اور نہریں اور دو عجائب چیزیں جو کبھی نہ دیکھی تھیں ظاہر ہوں گی سیر و تماشا یا شہر کے باشندوں
کا حال دریافت کرنے یا سفر کا تجربہ حاصل کرنے یا ان ہی جیسی کسی اور غرض کے واسطے ..
سیدھے رستے سے پھر کر مسافت کے بڑھ جانے کو اپنے دل میں گوارا کر لیا۔ اور یہ بھی دور
نہیں کہ اب سیر و تماشا میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اپنے مقصود کو بھلا ہی دیگا یا یادداشت
کے باوجود بھی منزل مقصود تک نہ پہنچے اور اپنی تمام عمر اسی سیر و تماشے میں برباد کر دے
اور اتنا تو معلوم ہے کہ بڑی تکلیف اور بڑی مدت کے گذرنے کے بعد منزل مقصود تک پہنچے گا
اور اگر سیدھے رستے سے نہ پھرا اور منزل بہ منزل راہ راست کو طے کرتا گیا تو البتہ ..
دار الخلافہ کی علامتیں روز بروز ظاہر ہو کر قرب اور مقصود کے حاصل ہونے کی خوشخبری اس
کے کانوں میں پہنچائیں گے اور جس قدر نزدیک ہوتا گیا فیل خانے اور شتر خانے اور اصطبل
اور انہی جیسے وہ نشان جو دار الخلافہ سے مختص ہیں ظاہر ہوتے جائیں گے یہاں تک
کہ دار الخلافے میں پہنچکر کسی وجہ سے اپنے مقصود کا وصول کر کے مطمئن ہو گیا۔ اور
سفر کی تکلیفوں سے آرام کی طرف متوجہ ہوا اس کے بعد خاص دیوان میں پہنچکر اس کو
بادشاہی اقبال اور بزرگی کی شان و شوکت کے موافق دیکھکر سلطنت کی حقیقت کا بیان
کنندہ معلوم کیا اور من وجہٍ بادشاہ کے حضور سے کامیاب ہو گیا پھر بادشاہ کے حضور
میں پہنچکر اپنے ظاہری پہلے مقصود کو پہنچکر اصلی دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے
کے طریق کی تجسس اور تلاش کرے گا پس پہلا مطلوب سلوک اول کا منتہے ہے اور
دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے کا طریق دوسرا سلوک ہے اور ابتدا سے انتہا

تک سلوک اول کے ساتھ اس مثال کی تطبیق ظاہر ہے اسواسطے کہ مرشد اور اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقوں میں سے ایک طریق کا تجسس کرنا اور کسی رہبر کے پاس پہنچکر ایک طریقہ معین کرنا رفیقان راہ کے حال کے اور رستوں کے تلاش کرنے اور ان میں سے ایک کے مقرر کرنے کے قائم مقام ہے اور اذکار جہری ہوں یا سری زبان سے ہوں یا لطائف سے یا سلطان الذکر ہو اسباب سفر کے جمع کرنے کے جابجا ہے اور اپنے خویش و اقارب اور وطن اور ملک کا چھوڑنا شغل نفی کے جابجا ہے اور دائیں بائیں پھر جانا توحید صفاتی کے کشف میں مستغرق ہونے کے قائم مقام ہے۔ اور اکثر اوقات توحید صفاتی کے واقعات میں اس طرح مستغرق ہو جاتا ہے کہ ذات بحت تک پہنچنے سے غافل ہو جاتا ہے اور بہت دفعہ ایسا اتفاق پڑ جاتا ہے کہ وصول کی یادآوری کے باوجود بھی ان ہی واقعات میں پھنسا رہتا ہے اور ان سے نکلتا نہیں اور اگر نکلا بھی تو دشواری اور دیر سے پہنچنا تو ضروری امر ہے اور جو شخص اپنی ہمت کو توحید صفاتی سے ہٹائے رکھتا ہے اور ادھر اُدھر پھرنے کے سوا منزل مقصود کے سیدھے رستے پر چلا جاتا ہے (وہ جلدی پہنچتا ہے) اور دارالخلافہ کی علامتیں اور نشانیاں ذات محض کے نورانی حجابوں کی مانند ہیں۔ اور وہ حجاب ہزاروں ہیں جن میں سے آخری حجاب نسبت بیرنگی دیوان خاص کی مانند ہے چونکہ اللہ جل شانہ کی ذات پاک بیچوں اور بیچگوں ہے اور حجاب کو اُس پاک ذات کے ساتھ زیادہ اختصاص ہے اس واسطے وہ نہایت لطیف اور بے کیف ہے لہذا اس کا نام بیرنگی مقرر کیا گیا ہے اور جاننا چاہیئے کہ نورانی حجاب سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ دونوں طرف سے ہر ایک کیلئے ایک معین حد ہے کہ اس حد تک اسی حجاب کے متعلق ہے۔ بادشاہی مکانات کے دروازوں کے پردوں سے اس کی مثال معلوم کر سکتے ہیں مثلاً جو پردہ دیوان خاص کے رستے میں آئے گا دونوں طرفوں سے اس پردے کا علاقہ ایک معین حد ہوگا اور اس پردے کے خادم اور حاجب اسی حد کی نگہبانی کے ذمہ دار ہوں گے اور آنیوالے کو اجازت یا ممانعت کے ساتھ اسی حد سے مطلع کر دیں گے اور آنیوالے کو دوسری حد تک اپنی اجازت کے ساتھ پہنچائیں گے تاکہ دیوان خاص کے اندرونی موکل اس آنے والے کو اجنبی نہ سمجھیں اور اندر جانے میں اس کے مزاحم نہ ہوں اور دیہات کے جنگل کی اِدھر اُدھر

کی حدیں بھی اس کی مثال ہو سکتی ہے پس اس طرح نسبت بیرنگی کو دراز سمجھنا چاہیے اور لکھی ہوئی مثال میں اس کی ابتدا دار الخلافہ سے سمجھنی چاہیے اس واسطے کہ بادشاہ کے ساتھ دار الخلافہ کی خصوصیت بالکل ظاہر ہے پس ذات محض کا مشاہدہ اور وصول نسبت بیرنگی کی انتہا ہے سلوک اول پر ابتدا سے انتہا تک مثال تطبیق یہ ہے۔ لیکن سلوک ثانی کی مثال پس وہی شخص جب بادشاہ کے حضور میں پہنچنے کے بعد بادشاہی ملازموں میں شامل ہونے تک کوشش کرنی چاہیے تو اُس کو لازم ہے کہ ہرکارہ سے لیکر وزیر اعظم تک کے بادشاہی دربار کے سب حاضر باشوں کو اپنے آپ سے راضی کرلے تاکہ بادشاہ کے حضور میں حاجت کے وقت اُن کی زبان سے خیر کا کلمہ صادر ہو اور ہر ایک اپنے مرتبے کے موافق کوشش اور سفارش کرے اور بادشاہ کی مرضیات میں بہت سرگرم اور چالاک رہے دربار اور سیر اور شکار کی آمد و رفت اور حضار دربار کی ملاقات سے سستی نہ کرے ایسا نہ ہو اس دربار میں سستی کے داغ سے داغدار ہو کر نظر اعتبار سے گر کر حضور بادشاہ کے لائق نہ رہے اور یہ بات اس مقام سے اُس کے نکالنے کا باعث بنے اور اس سے بھی خبردار رہنا چاہیے کہ راضی کرنا مرتبے کے موافق متفاوت ہوتا ہے جب تک وہ اپنے وطن میں تھا تب تو اُس کا راضی کرنا صرف یہی کچھ تھا کہ چوری اور ڈکیتی اور بغاوت اور انہی جیسے اور کاموں سے پرہیز کرے۔ اور اگر مال گزار ہو تو ہمیشہ حیلہ اور تکرار کے سوا ہی وہ مال ادا کردیا کرے اور جب اس مقام (حضور) تک پہنچے تب اس کا راضی کرنا یہی ہے کہ شاہانہ حقوق اور آداب اور تعظیمات کی رعایت جسطرح کہ چاہیے بجالائے اور نذر اور تحفوں اور ہدیوں اور انہی جیسے اور کاموں میں اس مقام کے رہنے والوں کی رضامندی کے لئے بے حساب مالوں کے خرچ کرنے کو خس و خاشاک کے برابر گنے اور اُن کی رضامندی کو جان و مال سے بہتر جانے اور حاضر باشی کے بھی کئی مرتبے ہیں مثلاً دار الخلافہ کے رہنے والے من وجہٍ حاضر ہیں اور قلعہ کے حاضر باش اُن سے زیادہ اور دیوان خاص کے ملازم ان سے اوپر اور جو لوگ کہ در و دیوار کے پیچھے خدمت کے واسطے مستعد کھڑے ہیں اُن سے زیادہ اور جو لوگ روبرو رہتے ہیں وہ ان سے زیادہ اور جو کہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کے چہرے پر لگائے کھڑا ہے اور بالکل دوسری طرف توجہ نہیں کرتا سب سے اعلیٰ ہے پس ان مراتب سے اعلیٰ مرتبے کو اختیار کرکے اسقدر ہمیشگی

کرے کہ بادشاہ کے دل میں اُس کی طرف کچھ اُلفت پیدا ہو اور بادشاہ کے دل میں اس کی قدر اور وقعت جاگیر ہو جائے اور بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص نہایت میرا محب اور مطیع ہے اور اس ذریعہ سے اس کو وہاں کا رہنا میسّر ہو گا اس لئے کہ جب ہمیشہ وہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کی طرف لگائے رکھے اور سب اہل دربار کو اُس کی طرف بادشاہ کی توجہ کا حال معلوم ہو گا تو خود اہل دربار اُس سے راضی رہینگے اور اس جگہ اُس کے رہنے کو جائز سمجھینگے پھر اس جگہ کی اقامت سے اطمینان ہو جانے کے بعد اُس کو لازم ہے کہ ہمیشہ حاضر رہ کر بادشاہ کے چہرے کو جس طرح کہ لائق ہے غور اور تامل کے ساتھ دیکھتا رہے اور جو واقعات اور خبریں کہ دربار میں ہوا کریں اُن کو سُن کر ہر خبر خوش اور ناخوش کے بعد بادشاہ کے چہرے کے تغیر کو غور سے معلوم کر کے اوضاع تغیرات کو اچھی طرح یاد رکھے اور ہر تغیر کے بعد بادشاہ کے حضور سے جو حکم انعام یا سزا یا صلح و جنگ یا بندوبست کے بارہ میں صادر ہو اُس کو بھی دریافت کر کے خوشخبریوں سے ذلیل غلام کی صحت یابی کی خبر سے لے کر وزیراعظم کی صحت کی خبر تک اور بدخبریوں سے ایک چوپائے کی موت کی خبر سے لے کر وزیراعظم کی موت کی خبر تک وعلیٰ ہذا القیاس کیسہ بُر کے گرفتار ہونے سے لے کر ملک اور لشکر والے زور آور دشمن کے گرفتار ہونے تک اور دور دراز کے جنگل میں کسی گنوار کے لُوٹے جانے سے لے کر خاص قلعہ پر دشمن کی چڑھائی کرنے تک سب چھوٹے بڑے کاموں کو نگاہ رکھے بالجملہ ان سب کے احاطے کا قصد کرے اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں کہ ان پر ایک ہی سزا مترتب ہوتی ہے اس واسطے ان چیزوں میں.. بادشاہ کے چہرے کے تغیر میں کچھ تفاوت نہیں ہوتی پس یہ گمان نہ کرے کہ ہر خبر اور.. واقعہ میں کوئی علیحدہ تغیر ہو گا بلکہ اگر دو بار تغیر اور چہرہ یکساں پائے تو جان لے کہ یہ دونوں خبریں برابر ہیں ان کی جزا اور سزا میں کچھ تفاوت نہیں ہمیشہ اسی عمل پر رہے تاکہ اس کی ذہانت اور فہم کے موافق بادشاہ کی مرضی شناسی کا مادہ اس میں پیدا ہو جائے اور واقعات اور حادثات میں بادشاہ کی مراد پر مطلع ہو جائے اور یہ واقفیت اس حد تک چاہیئے کہ بادشاہ کے کلام کے اصلی لُغوی معنی کے برخلاف اس کی مراد کو اُس کے چہرے سے دریافت کرلے مثلاً کبھی بادشاہ فرماتا ہے کہ اس چور کی اچھی طرح خدمت کرنی چاہیئے تو اس کی غرض یہ ہے کہ اس کو پوری پوری سزا دینی چاہیئے اور جب مرضی شناسی کا ملکہ..

حاصل کرنے کے بعد بادشاہی کے کسی کام کو سرانجام دیگا پہلے سے چند گنا زیادہ بادشاہ کی مہربانیاں اُس کے حق میں جوش زن ہو جائیں گی۔ اور اہل دربار کی کوشش اور سفارش مددگار ہو جائے گی۔ خواہ مخواہ بادشاہ اس کو کسی عہدے اور منصب سے عزت بخشے گا اور اپنے جس مطلوب کے لئے اُس نے اتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھائی تھیں انشاء اللہ تعالےٰ اب اُس پر کامیاب ہو جائے گا اور بعد ازیں اُسی خدمت پر رہے گا یہاں تک کہ ترقیاں کرتے کرتے اعلیٰ مرتبے پر پہنچ جائے گا۔ سلوک دوم کا بھی ایسا ہی حال ہے سالک کو لازم ہے کہ مشاہدہ کے مرتبے پر پہنچنے اور سلوک اول کے تمام ہونے کے بعد سلوک ثانی کی طرف توجہ کرے ماموراتِ اور منہیات کے ہر باب میں عزائم شریعت کا اختیار کرنا اس سلوک کی لوازمات سے ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ شریعت کی متابعت ایمان کا لازمہ ہے سالک کے ذمے لازم ہے کہ ہمیشہ شریعت کا تابع رہے اور شریعت کی اتباع کے ساتھ سلوک اول کو ختم کرے اور سلوک ثانی میں عزائم شرعیہ کو جس طرح کہ چاہئیے مضبوط پکڑے اور یہ عزیمت کبھی دل سے ہوتی ہے کبھی اعضا سے۔ مثلاً کلام اللہ شریف کا اتنا ادب کہ اُس کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے شریعت کا لازم ہے ہر مسلمان کو چاہئیے کہ بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور سلوک ثانی کے سالک کے واسطے لازم ہے کہ اس سے زیادہ ادب کرے مثلاً قرآن شریف کے پکڑنے کے وقت کسی اور کام کی طرف توجہ نہ ہو اور مؤدبانہ طور پر بیٹھے اور کلام الٰہی کی عظمت کو حاضر کر کے اُس سے قرآن شریف کی عظمت کی طرف انتقال کر کے اپنی کمینگی اور گندگی کا خیال کر کے اس بڑی نعمت کی قدر جانے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ایسی بزرگ اور پاک چیز مجھ ایسے عاجز گندے کمینے کے ہاتھ آئی ہے ورنہ مجھ میں تو اس نعمت کی لیاقت نہ تھی اور ایسے خیال سے اس کا سینہ خوشی کے مارے مالا مال ہو جائے گا۔ اور قرآن شریف کی نہایت بزرگی اُس کے آنکھوں میں سامنے آ کھڑی ہوگی اور ایسی باتیں اگر خود بخود اُس کے ذہن میں آئیں تو بہت بہتر اور اصل مدعا ہے ورنہ ان باتوں کو تکلف سے اپنے ذہن میں لائے وعلیٰ ہذا القیاس ہر سورہ کی عظمت کو سمجھے اور اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں اُن کے شفیع ہونے کو یاد کرے اور نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور جہاد اور باقی شعائر اسلامیہ کی عظمت کا اعتقاد بھی اسی طرح کرے اور مطلقاً شرعِ شریف اور کعبہ اور انبیا اور رسولوں کی تعظیم بھی اسی قسم سے ہے زکوٰۃ کا ادا کرنا اُس کی شرائط کے

موافق تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور اللہ جل شانہٗ کی رضا میں مال کا خرچ کرنا ایسی عزیمت ہے کہ سلوک ثانی کے سالک کو لازم ہے اور تہجد وغیرہ کی مانند تمام نوافل کا اہتمام اسی باب سے ہے اور منہیات کے پرہیز کو بھی دوسرے رنگ سے اپنے ذمے لازم جانے تاکہ ارباب عزیمت میں سے ہو جائے مثلاً اگر زنا کا وسوسہ اُس کے دل میں گذرے تو اُس سے اس طرح متنفر ہو کہ گویا کھانے کے واسطے نجاست اُس کے سامنے رکھی گئی ہے اور تمام منہیات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے نیز اس سلوک کے سالک کو چاہیئے کہ انبیا اور اولیا بلکہ تمام مؤمنین کے حقوق اور تعظیم کے ادا کرنے میں نہایت کوشش کرے کہ وہ سب اس کے واسطے کوشش اور سفارش کریں اور انبیا اور اولیا کی سعی اور سفارش تو نہایت ظاہر ہے لیکن ہر مومن کی سعی دعا رخیر ہے پس دعارخیر کی امید پر جو وہاں کام آنے والی ہے ہر مسلمان کی خاطرداری کرے اور شرع شریف کی عزیمتوں کی اتباع میں سب حقوق اور تعظیمیں ادا ہو جاتی ہیں جیسے قریب ہی گذر چکا ہے اور قرآن اور سورتوں اور کعبہ اور نماز اور روزہ وغیرہا سب کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہے پس ان سب کو اپنے آپ سے راضی کرے اور اس مقام کی رضا کا مرتبہ پہلے بیان سے واضح ہو گیا ہے اور اس سلوک کا اصل اور مدار وجہ اللہ کا مراقبہ ہے اور وجہ اللہ کا لغوی معنی اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے یعنی بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کا متوجہ ہونا اور اُس کو اُس کے آثار سے دریافت کرنا چاہیئے اور اُس کے آثار اس آیہ کریمہ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے بموجب ہر جگہ موجود ہیں مثلاً اگر بندہ اپنی آنکھ اور بینائی کے حال میں غور کرے تو یقیناً جان لے گا کہ یہ بڑی نعمت محض اللہ تعالیٰ کی توجہ سے مجھے حاصل ہوئی ہے یعنی اللہ عزوجل اُس کے حال پر متوجہ ہوا ہے اور اس کی طرف منہ کیا ہے اسی لئے یہ نعمت اس کو حاصل ہوئی ہے ورنہ یہ عاجز بندہ کسی طرح بھی اس کا مستحق نہ تھا۔ اور نہ ہی اس کی خواہش کی تھی اور نہ اس کا تقاضا اُس کے دل میں پیدا ہوا تھا اور نہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی خدمت میں اس بڑی نعمت کے بخشنے کے واسطے کوئی اُس کا سفارشی بنا ہے اور نہ اس محض عاجز نے کسی چیز کا وسیلہ پکڑا ہے پس یہ نعمت عظمیٰ محض اُس کے فضل اور رحمت کے باعث ہی حاصل ہوئی ہے وعلیٰ ہذا القیاس ہزاروں نعمتیں ہیں اور ہر نعمت کا یہی حال ہے بلکہ در اصل جو چیز کہ جہان میں موجود ہے اگر اچھی طرح اُس میں غور کیا جائے تو وہ سب اس بندے کے حق میں جلیل القدر نعمتیں ہیں پس

آسمان اور فرشتوں سے لے کر خس و خاشاک تک ہر چیز اُس کے واسطے نعمت ہے اور اُس کو اُس کے ساتھ خصوصیت ہے باوجود آنکہ اُس کی استعداد اور کوشش اور خواہش کو اس میں کچھ دخل نہیں پس خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں خوض کرے اور علی الدوام اپنے پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بلا سبب اور بے وجہ اس مرتبہ پر کہ اس کا بیان کرنا دشوار ہے میرے حال پر متوجہ ہے اور تمام لوگ اسی رحمت سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور ایسا کوئی نہیں کہ اس میں بہت سی نعمتیں موجود نہ ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا آدمی بھی ہو جو کثافت طبع کی وجہ سے ایسی نعمتوں کو اپنے آپ میں لحاظ نہ کر سکے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے غیر میں دیکھے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سب سے اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ پس پیدائش بلکہ علوق کے وقت سے آپ کی آخر عمر تک آپ کے حالات کو یاد کرے کہ اس قسم کی بڑی بڑی ان گنت نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے کنار دریا سے بلا درخواست اور بلا استحقاق اور بلا استدعا کسی کی کوشش اور سفارش کے سوا ہی آنجناب پر کس طرح فائض ہوتی رہیں صرف آپ کے پیدا ہونے سے ہی کتنی برکتیں اور عنائتیں آنجناب کے وجود کے ساتھ جوڑی گئیں کہ وہ برکتیں ایک بڑی جماعت کے شامل حال ہوا کرتیں اور آپ سے محبت اور اعتقاد کا باعث بنتیں اور یہ نعمتیں جو چھٹپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فائض ہوا کرتیں دوسری نعمتوں کے ساتھ قیاس کرنے سے ایک سہل امر ہے اُن کی اس قدر وقعت نہیں با انکہ فی نفسہا یہ نعمتیں بھی جلیل القدر ہیں حاصل کلام اس قسم کی بڑی بڑی نعمتوں کا تصور کرے کہ بلا سبب اور بے وجہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ ذاتیہ سے ہی ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے اسی طرح کے انعامات بلا استحقاق و بلا استدعا و دعا پہنچتے رہتے ہیں پس وَجْہُ اللہ کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے شانوں میں سے وہ بھی ایک شان ہے جو بلا سبب اور بے وجہ اور پہلے استحقاق اور استدعا اور تقاضے اور دعا اور شفاعت اور وسیلے کے سوا ہی بڑے بڑے انعاموں کے بخشنے کا تقاضا کرتا ہے اسی شان کا ملاحظہ وجہ اللہ کا مراقبہ ہے پردہ عدم سے میدان ہستی کی طرف لانا ان سب انعامات کا اصل ہے اور وجہ اللہ کا یہ معنی تمام موجودات کو شامل ہے لیکن بعض کے بعض پر فائق اور متفاوت ہونے کی وجہ سے ہر ایک کی نسبت وجہ اللہ کے معنی کے انعامات کی وجہیں علیحدہ ہوتی ہیں اور یہ گمان نہ کریں کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فعل میں عبث لازم آئیگا

اور عبث نادانی ہے اور اللہ جل شانہ کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے اسواسطے کہ افعال الٰہیہ کی حکمتیں اور مصلحتیں اور چیز ہیں اور جس شخص پر انعام ہوتا ہے اُسکا استحقاق اور استدعا اور چیز ہے اگرچہ فی الواقع حکمتیں اور مصلحتیں منظور ہیں پس اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں ایسی چیزیں جن کو اس شخص کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں مثلاً داناؤں اور عقلمندوں کے پیدا کرنے میں اُس سچے حکیم کو کوئی مصلحت اور حکمت ہے اور اگر اس آدمی کے سوا کسی اور کو دانائی اور علم عطا فرمادیتا بلکہ یہ کمال حیوانات میں رکھ دیتا تو کوئی آدمی اور کوئی امر اس طرف سے پھیر کر دوسری طرف متوجہ نہ کر سکتا۔ پس یہ اُس کی محض رحمتیں اور عنایتیں ہیں کہ ہر کسی کو بہت سے انعامات سے عزت بخشی ہے اور بہت سی نعمتوں کے ساتھ ہر ایک کی تخصیص فرمائی ہے اور جو شان کہ اس بے غرض رحمت کاملہ کا منبع ہے وجہ اللہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں جو غرض سے خالص ہو کر پہنچ رہی ہیں وجہ اللہ کے آثار میں سے ہیں۔ اور انہی آثار سے وجہ اللہ پہچانا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں وجہ العبد ہے یعنی بندہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کا بیان یہ ہے کہ ہر مومن بندہ خواہ پست ہمت ہو یا عالی ہمت کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ اور اس کے اوامر بجالاتا ہے پست ہمت تو آگ کے ڈر اور بہشت کے طمع کے واسطے عبادت کرتا ہے اور عالی ہمت اللہ تعالےٰ کے ہاں عزت اور وجاہت کے حاصل ہونے اور برگزیدہ اور منتخب لوگوں کی جماعت میں داخل ہونے اور اعتبار والے خاص ملازموں کے رشتہ میں پروئے جانے کے واسطے عبادت کرتا ہے اگرچہ آگ سے نجات اور جنت کے درجوں پر کامیابی مذکورہ عزت کے حاصل ہونے پر یقیناً مترتب ہوتی ہے بلکہ یہ تو اُس کے آثار اور توابع سے ہے لیکن ہمت عالی لوگ ان امور کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے بلکہ اُن کے مدعا کا منتہے تو صرف اُسی (خاصوں کی) لڑی میں پرویا جاتا ہے۔ پس ضرور ہے ان دو فرقوں میں سے ہر ایک کے دل میں اپنے خالق کے ساتھ پیار اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے بعض بندوں کے حق میں آرزو اور طمع اور خوف کے تمام مراتب محو ہو جاتے ہیں اور اللہ جل شانہ کی محبت اس کے دل میں ایسی مضبوط ہو جاتی ہے

کہ اوامر کو بجالاتا ہے اور مراتب قرب میں سے کسی مرتبہ اور جنت کے ثوابوں میں کسی ثواب کے حاصل ہونے کا خیال اس کے دل میں نہیں گزرتا اگرچہ اس پر عزت اور اعتبار کا حصول اسی طرح قطعی اور یقینی ہے جس طرح کہ عزت اور اعتبار کے حاصل ہونے پر ثواب کا حاصل ہونا۔ لیکن اوامر کے ادا کرنے میں عزت اور اعتبار اور ثواب کے حاصل ہونے کی آرزو بالکل نکل جاتی ہے اور ایسے ہی منہیات سے پرہیز کرتا ہے اور صرف اللہ تعالےٰ کے منع کو ملحوظ رکھتا ہے اور اگرچہ ملاء اعلیٰ میں ذلت سے محفوظ رہنا اور مراتب اہل عزت و اعتبار سے نہ گرنا اور عذاب نار سے بچنا اس پر مترتب ہوتا ہے لیکن اس بندہ کو اس کا ہرگز خیال نہیں ہوتا محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا اس کو مقصود ہے اور چونکہ یہ جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کے اوامر کی بجاآوری میں اُس کی رضا ہے تو اس رضا کو اپنے حق میں قرب اور عزت اور ثواب جنت کے درجات میں ہزاروں ترقیوں سے بہتر جانتا ہے اور جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی نارضامندی تصور کرتا ہے تو اس نارضامندی کو ہزاروں ذلتوں سے بدتر جانتا ہے یعنی اہل عزت اور اعتبار کے مرتبوں سے گرجانا اور ذلیلوں کے زمرے میں داخل ہوجانے بلکہ دوزخ کے ہزاروں عذابوں سے بدتر گمان کرتا ہے پس جسطرح بلاغرض بندہ کی طرف رحمت الٰہیہ کا متوجہ ہونا وجہ اللہ ہے اسی طرح محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے عزت اور وجاہت اور اعتبار کے مرتبوں میں سے کسی مرتبے کی آرزو کے بدون اور جنت کے ثواب کے حاصل ہونے اور عذاب دوزخ سے نجات مل جانے کی امید کے بغیر ہی بندہ کا اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونا وجہ العبد ہے اور بے شک ان آیات میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے اللہ عزوجل فرماتے ہیں اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰی ۝ ان تینوں آیتوں میں وجہ اللہ کی طرف اشارہ ہے اور آخر کی تین آیتوں میں وجہ العبد کی طرف اشارہ ہے اور جب وجہ اللہ کو اپنے آثار اور مقابل کے ساتھ پہچان لیا تو اس کے مراقبہ کا یہ طریق ہے کہ اپنی نظر کو اسی شان کی طرف متوجہ کرے جو سوائے کسی غرض کے رحمت کا منشا ہے اور ہمیشہ اپنی نظر کو اُس کی طرف لگا کر زبان حال اور قال سے التجا کرتا رہے کہ جب اسقدر بڑی بڑی نعمتیں مجھکو یا میرے غیر کو بے استحقاق اور بلا استدعا تو نے

مرحمت فرمائی ہیں۔ پس فلاں نعمت اگرچہ وہ نہایت شاندار اور بزرگ ہے اور میں نہایت نالائق اور عاجز ہوں عطا فرما کیونکہ تیرا عام انعام کسی امر پر موقوف نہیں اور یہ مراقبہ کبھی بلا جہت بھی ہوتا ہے اور کبھی مراقب کی باطنی توجہ کے موافق یا فوق تحت کی جہت سے مقید ہو کر متصور ہوتا ہے اور اس مراقبہ کے باعث اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت اُس کے حال کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور خاص عنایت کی بھی ایک خاص صورت ہوتی ہے جس طرح کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے لیکن جب اس جل شانہ کی خاص عنایت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا کرنے میں مصروف ہوئی تھی۔ اس کی خاص صورت بھی ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے قول خَلَقْتُ بِيَدَيَّ میں اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے اور حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کے ساتھ اسی طرح کا اختصاص ہے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا بھی اسی طرح کا اختصاص ہے اور ان ہی خاص عنایات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے بزرگ لوگ اس سے راضی ہوتے ہیں اور اس کو اس جگہ میں رہنے سے منع نہیں کرتے اور عزت اور وقار کے ساتھ اس کو جگہ دیتے ہیں پس اس مراقبہ میں شرع شریف کی عزیمتوں اور بارگاہ الٰہی کے برگزیدوں کو راضی کرنے کا التزام اختیار کرے اور یہ اہل دربار کے راضی کرنے اور بادشاہ کے چہرے کے دیکھنے کے قائم مقام ہے لیکن بادشاہ کو اس جہالت کی وجہ سے جو بشریت کا لازمہ ہے کسی کے حال اور انجام کی خبر نہیں ہوتی اسی واسطے بدمعاشی اور خیانت اور خباثت کے باعث حاضر باشی اور بادشاہ کی طبیعت کی خوشنودی کے باوجود بھی حاضر باشی کی اجازت کے سوا اس شخص کو کوئی عہدہ نہیں ملتا یہاں تک کہ بہت سارا زمانہ گذرنے کے بعد اُس کی جبلی خوبی کا تجربہ ہو جائے اور اُس سے امن حاصل ہو عالم الغیب کے برخلاف کہ اس کا علم ہر لائق اور نالائق کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے اور آدمی کے باطن کی حقیقت اس جگہ ظاہر ہے جونہی وجہ اللہ کا مراقبہ بندے سے اچھی طرح سرانجام کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا مقبول ہو گیا پس ایک مقدس نور جو ازل میں ہر ایک مومن بندے کے حصے میں مقدر ہو چکا ہے اُس کو مرحمت ہو جائے گا وہ نور عقل کی بیج ہے اور عقل اس کی درخت اور ایمان اس کا پھل ہے آیت کریمہ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اسی نور کی طرف اشارہ کر رہی ہے پس اس مراقب وجہ اللہ کو وہ نور دور سے چمکتے ستارے کی مانند نظر آتا ہے اور آہستہ آہستہ نزدیک آتا جاتا ہے حتی کہ ماتھے میں سجدہ گاہ پر پہنچ کر سارے بدن

میں سرایت کر جاتا ہے اور آنکھوں کے نور کی مانند جو کہ رنگوں اور روشنیوں کو جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کے مرضیات کا دریافت کرنا اُس نور کا خاصہ ہے جس طرح کہ شجاعت جنگ کے فیصلے اور سخاوت لوگوں کی نفع رسانی کے واسطے پیدا کی گئی ہے یہ نور اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور رضا الٰہی معلوم کرنے کا یہ طریق ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کریگا یا کسی امر کی طرف متوجہ ہوگا تو اس تجلی میں جو اس کے کمال کے مقابل ہے ایک ظاہر تغیر پیدا ہوگا اور تغیر بھی اس قسم کا ہوگا کہ اس سے خوشنودی اور ناراضگی سمجھ سکتے ہیں بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ابھی معاملہ اُن کے دل سے تجاوز نہیں کرتا کہ اُن کو اسی راہ سے رضا یا نارضا پر مطلع کیا جاتا ہے مثلاً جب وہ کسی معین کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اگر رضا اس سے متعلق ہے تو اُن کے دل میں خوشی اور انشراح اور اُس کام کی طرف زیادہ رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس کام سے نارضامندی کو تعلق ہے تو اُس کام کے کرنے سے نفرت اور تنگی اور دلگیری اُن کو لاحق ہو جاتی ہے اور جو لوگ کہ اُن کا حال اُن کے دل سے تجاوز کر گیا ہے اور مقامات عالیہ پر پہنچ گئے ہیں پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا کو اپنے کمال کے مقابل تجلی میں تغیرات کے واقع ہونے سے دریافت کر لیتے ہیں اور یہ تغیر جو تجلیات میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے منزہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو عام آثار کہ.. اُس بیچون و بیچگون پاک ذات سے صادر ہوتے ہیں اُن آثار میں کچھ تغیر نہیں ہوتا چنانکہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ اس کی وصف ہے اسی طرح ان آثار کی بہ نسبت ایک ہی وصف پر ہے کہ ازل سے ابد تک کبھی اس میں تغیر نہیں لیکن امور خاصہ کے بہ نسبت اس میں تغیر ہوتا ہے اور اس تغیر اور عدم کی مثال آفتاب ہے آفتاب ایک ہی وضع سے ایک ہی جگہ پر ہے اور اس کے عام آثار اشیا کی استعداد کی بہ نسبت نہایت مختلف ہیں اور یہ اختلاف آفتاب کی ذات یا وضع اور مکان کے اختلاف کا باعث نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن اس سے خاص اثر مطلوب ہوگا اسی واسطے اُس کی وضع اور مکان بدل جائے گا اور اہل محشر کے سر کے قریب آ پہنچے گا اور ایسا ہی آثار خاصہ کے ظاہر ہونے کے لئے تغیر اور تبدل ہوتا ہے اور یہ تغیر اُس کی پاک ذات میں نہیں تعالیٰ شانہ عن ذلک بلکہ اُس کے ظہور اور تجلی کیواسطے ایک خاص صورت ہوتی ہے اس صورت میں تغیر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تغیر اُس کی پاک ذات میں نہیں اور اس کی مثال انسان ہے اس واسطے کہ جس چیز کو لفظ من (ضمیر واحد متکلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ عنصری جسم نہیں اس لئے کہ مرتے کے بعد جسم موجود ہوتا ہے اور جو احکام کہ انسان پر مترتب ہوتے تھے سب بدل جاتے ہیں پس وہ حقیقت انسانی جس کی طرف لفظ مَن سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

اس عنصری جسم کے واسطہ سے چھپ گئی ہے اور اسنے اسکے ساتھ ایسا اتحاد اور یگانگت پیدا کرلی ہی کہ معاملہ تو جسم سے ہوتا ہے اور اس حقیقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ میں زید کے پاس گیا اور اس کے پاس دیر تک بیٹھا رہا اور اس کو ایسا ویسا کیا اور جونہی کہ انسان مرگیا جسم کے اپنے حال پر باقی رہنے کے باوجود احکام مذکورہ میں سے کوئی حکم اُس جسم پر نہیں کر سکتے اُسوقت کوئی نہ کہے گا کہ میں زید کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھا رہا اس بیچون اور بیچگون کی پاک ذات بھی اسی طرح ایک صورت اور لباس میں چھپ کر ظاہر ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ حقیقت انسانی ایک ہی جسم میں مقید ہوتی پس دوسرے جسم کے واسطہ سے اپنے احکام کو ظاہر نہیں کر سکتی اور حق سبحانہٗ کسی صورت میں مقید نہیں اپنے اطلاق پر باقی ہے جس صورت میں چاہتا ہے کلام فرماتا ہے اور اسی صورت میں تغیر ہوتا ہے اور اس جگہ سے داضح ہوگیا کہ بندہ کو اپنے خالق کے ساتھ خاص لخاص معاملات پیش آتے ہیں لیکن اس ذات سے بہت دور ہوتے ہیں۔ پس ہر امر میں اس باکمال آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا معلوم ہوتی ہے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ شرعی احکام متفاوت اور متبدل ہو جائیں گے اس لئے کہ احکام شرعیہ اسی طور پر ہیں کہ شارع علیہ السلام سے ثابت ہوئے ہیں۔ اور یہ رضا اور نارضا مباح امور میں پیش آئیگی مثلاً اس بندہ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت فلاں جگہ میں جانا اللہ عزوجل کی رضامندی کا موجب ہے اور فلاں جگہ میں جانا اگرچہ مباح شرعی ہو اس کی نارضامندی کا باعث بنے گا وعلیٰ ہذا القیاس ہر امر میں اُس کو عجیب قسم کی بصیرت حاصل ہوگی اور یہ دریافت کوشش اور اجتہاد سے نہیں بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے کے جا بجا ہے اور جب سالک کو یہ کمال حاصل ہو جاتا ہے وہ مکالمہ کے مرتبہ پر کامیاب ہوتا ہے اور من وجہٍ کلیم اللہ ہوتا ہے اگرچہ حقیقی کلام درمیان میں نہ آئے گی اس لئے کہ اشارات اور اوضاع سے مقصود اور مراد کا سمجھ لینا بھی ایک قسم کا کلام ہی ہے اور کبھی کلام حقیقی بھی ہو جایا کرتا ہے اور کلام کے اصل مدلول کے برخلاف مراد اور مدعا کو بھی دریافت کرلیتا ہے اور جب یہ کامل بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع ہو کر اس رضا کے موجب کسی کام کو سرانجام دیگا اور اس کی کارگزاری ظہور پذیر ہوگی اللہ تعالیٰ کی عنایت نہایت کثرت کے ساتھ اس کے حال پر جوش زن ہوگی اور اُس بارگاہ کے بزرگوار تو خود بخود اس کے سفارشی ہیں اور کار آمد آدمی کو بیکار چھوڑنا حکمت کے مخالف ہے ضرور اس کو کسی خدمت کے ساتھ عزت بخشینگے اور وہ خدمت اُس کے حال کے موافق ہوگی پھر اُس کو اُسی خدمت پر توقف اور استمرار رہے گا یا ایک بلند مرتبے سے ترقی کر کے اس

مرتبے پر پہنچے گا کہ اُس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہوگا اور اہل ولایت ان امور کے پہنچانے پر مامور نہ ہوں جو اُن پر منکشف ہوتے ہیں تو اُن کو اس مقام میں نبوت کا پرتو حاصل ہو جاتا ہے اور اگر اُن کے پہنچانے پر مامور ہو جائیں تو پر تو رسالت پر ترقی کر جاتے ہیں اور اگر اس کے باوجود مقابلے اور مخاصمے کا بھی حکم ہو جائے تو اولوالعزمی کے مرتبہ پر مقرر ہو جاتے ہیں اور بعض اس مقام میں... خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں اور بعض خلیفۃ اللہ نہیں ہوتے۔ خلیفۃ اللہ وہ ہے جسکو تمام مہموں کے فیصلے کے واسطے نائب کی مانند مقرر کریں اور جو ایسا نہ ہو بس وہ خلیفۃ اللہ نہیں اگرچہ کبھی جو کام کہ خلیفۃ اللہ کے ہاتھوں سے سرانجام پاتا ہے دوسرے کے ہاتھ سے بھی کرا لیتے ہیں ہاں وہ شخص بلاشک صاحب خدمت ہوتا ہے ظاہر میں اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کبھی وزارت کا کام اپنے خواص سے لے لیتا ہے پس اگرچہ اس خواص نے وزارت کے کام کو سرانجام دیا ہے لیکن وزیر نہیں ہوا اور یہ مقام راہ ولایت کا نہایت ہے اس کے بعد راہ ولایت کے لئے کوئی کمال نہیں۔ واللہ اعلم :

چوتھا باب سلوک راہ نبوت کے طریق کے بیان میں

اور یہ باب چھ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ طالب راہ نبوت پر بعد تہذیب اخلاق و ملکات قلبیہ اور ادائے عبادات شرعیہ کے جس طریق پر کہ دوسرے باب میں معلوم ہو چکا پہلے پہل جو چیز لازم اور ضروری ہے مقام توبہ میں قدم جمانا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اولاً اس طریق کے طالب کو چاہیئے کہ تمام منہیات شرعیہ کو خواہ قبیل اعتقادیات سے ہوں خواہ افعال و اقوال خواہ قبیل اخلاق و ملکات سے خواہ عبادات میں افراط و تفریط کے قبیل سے ہوں ان سب کو کتاب و سنت سے تنقیح اور تفتیش کرے اگر خود کتاب و سنت کا عالم ہے تب تو بات بنی بنائی ہے ورنہ علمائے محدثین سے استفسار کرے بعد ازاں حضرت حق کے انعام اور جواد مطلق کی تربیت جو اس ذرۂ بے مقدار کے بارہ میں... ارزانی اور مبذول ہیں اُس کو بار بار ملاحظۂ چشت اور تصورِ درست کے ساتھ اپنے ذہن میں خوب مستحکم کرے اور اپنی کمال عاجزی اور اُس بے نیاز مطلق کی طرف نہایت محتاجی کو اپنی بصیرت کے سامنے بار بار پیش کرے بعد ازاں تنہائی میں بیٹھکر اپنے دل میں ملاحظہ کرے کہ ایسے منعم حقیقی اور بے نیاز تحقیقی کی ناخوشی اور ناراضی میرے جیسے عاجز

بے مقدار کے حق میں جو سر سے پاؤں تک محض حاجت ہی حاجت ہے کس قدر قبیح اور نازیبا ہے اور اس معنی کو اپنے ذہن میں اس طرح مستحکم کرے کہ اس منعم حقیقی کے ناراضگی کا ایک امر عظیم اور خطرناک ہونا اُس کے ذہن میں قرار پکڑ جائے یہاں تک کہ اگر اُس کی ناخوشی کے واقع ہونے کا تصور کرے تو اُس کو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں پھر اپنے نہ دل سے اس طرح اذعان اور اعتقاد کرے کہ سب منہیات شرعیہ اُسی امر کے موجب ہوتے ہیں جس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اس امر کو اپنے ذہن میں ایسا مستحکم کرے کہ ان منہیات کی قباحت اُس کے عقل اور دل کو گھیرے اور اس کے باطن میں ان منہیات کی نسبت.. ایک خوف عظیم اور بڑی بھاری وحشت بیٹھ جائے یہاں تک کہ اپنے آپ سے ان منہیات کے صادر ہونے کو تہ دل سے ایسا سمجھے جیسا جان اور مال اور آبرو کی ہلاکت اور بربادی کی جگہ میں واقع ہو جانا۔ بعد ازاں قرآن مجید اور فرقان حمید کی عظمت کا تصور کرے اور صمیم قلب سے ملاحظہ کرے کہ یہ ایک صفت ہے صفات ازلیہ ربانیہ سے جس کو عالم امکان کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہ تھی (مگر) حضرت حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت (بیغایت) سے زبان عربی کے لباس میں اُس اپنی وصف ازلی اور کمال ذاتی کو نازل فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے بمنزلہ اس بات کے کہ ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار لے کر اس کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اور اُس کی دوسری جانب ایک ایسے فقیر مفلس اور عاجز بے مایہ کے ہاتھ میں دیدے جو التفات بادشاہانہ کی ہرگز لیاقت نہیں رکھتا تھا اور اسے حکم دے کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو اس دستار کو ہلا کر اسی ذریعہ سے مجھے اپنی حاجت جتلا دینا کہ فوراً ہم تیری طرف متوجہ ہو کر تیرے حال زار پر اپنی عنایت کو مصروف کریں گے۔ پس اگر اس فقیر کے حال میں اچھی طرح تامل کیا جائے اور کسی قدر قانون ادب سے دوری اختیار کی جائے اور دانشگاف بات کہی جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ظاہر میں اس فقیر کے ہاتھ میں دستار کا ایک کنارہ ہے لیکن حقیقت میں اس کے ہاتھ میں خود بادشاہ اور اُس کی سلطنت ہے غرض کہ اس کلام پاک کی عظمت اس کے ذہن میں اُس حد تک مستحکم ہو جائے کہ جب قرآن مجید کی طرف نظر کرے اور اس کلام پاک کا تعلق مصحف کے ساتھ ملاحظہ کرے تو اس کی آنکھ مصحف کی طرف نظر کرنے سے خیرہ ہو جائے اور اُس کا سینہ اس کلام کی عظمت سے پاش پاش ہو جائے پھر اگر یہ ملاحظہ

کرتا ہے کہ وہ کلام پاک مصحف کے واسطے سے میرے قابو میں ہے جسوقت اس کی طرف توجہ کروں بے تکلف زبان پر لاسکتا ہوں اور جسوقت چاہوں جان و مال خرچ کئے بغیر اُس کو ہاتھ لگا سکتا ہوں اور اپنے سینہ پر رکھ سکتا ہوں البتہ اُس کو اس ملاحظہ کے سبب سے اپنے حال پر نہایت تعجب اور بڑی حیرت آتی ہے جیسے ایک بڑا قیمتی یاقوت ایک بے حیثیت مفلس کے ہاتھ لگ جاتا ہے پس اگر اس کو دیکھتا ہے تو اُس یاقوت کی درخشانی کی وجہ سے اس کی نظر خیرہ ہوتی ہے اور اگر اپنی مفلسی اور کم مائیگی کا خیال کر کے اس امر کا تصور کرتا ہے کہ میں اس کا مالک ہو گیا ہوں تو حیرانی اور تعجب کے جنگل میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور جب اس کلام پاک کی عظمت جیسی... چاہیئے اُس کے ذہن میں قرار پذیر ہو گئی اور اسی کلام پاک کے سبب سے اُس صمد بے نیاز کی بارگاہ عالیجاہ میں اپنا ارتباط اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب چاہیئے کہ توبہ کا عزم مصمم کرے اور اُس کا طریق یہ ہے کہ ایام متبرکہ میں سے کوئی دن اختیار کر کے قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لے کر ایک خالی مکان میں داخل ہو جائے اور بارگاہ رب العالمین میں بے نیاز بے انداز اور الحاح بے قیاس بجالا کے کہے کہ اے بار خدایا میں ہر طرح سے عاجز ہوں اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ "توبہ" جو راہ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھے عنایت فرما اور اس عطا میں اپنی عنایات بے نہایات کو ملاحظہ فرما نہ میری بے لیاقتی اور بے استعدادی سے کہ استعداد اور لیاقت بھی تیرے ہاتھ میں ہے شعر توچوں ساقی شوی درہ تنگ ظرفی نمے ماند :: بقدر بحر باشد وسعتِ آغوشِ ساحلہا؛ بعد ازاں نماز تسبیح گناہوں کے کفارہ ہونے اور حصولِ حقیقت توبہ کی نیت سے کمال خضوع اور توجہ دل سے گذارے اور نماز کے اکثر ارکان میں اپنے دل کو طلب تکفیر سیئات اور حصول حقیقت توبہ کی طرف متوجہ رکھے بعد ازاں حق سبحانہ و تعالیٰ کے وہی انعامات اور اُس کی ناخوشی کی نہایت قباحت اور منہیات شرعیہ سے کمال تنفر ملاحظہ کرے پس اگر حالت مرقومۃ الصدر اُس کے باطن میں ظاہر ہو جائے اور اس کے ظاہر و باطن کو لے لی اور اُس کا تمام خیال اور دل اور وہم اسی حالت میں مستغرق ہو جائے تو بہتر ورنہ اس امر کو دوسرے دن پر حوالہ کر کے واپس آجائے پھر دوسرے دن اسی طرح کرے تاکہ وہی حالت ظاہر ہو جائے بعد ازاں اسی حالت کے اثنا میں کلام مجید کی عظمت اور اپنے اور رب العزت کے درمیان اس کے محکم رابطہ ہونے کو ملاحظہ کرے اور جس وقت اس کلام پاک کی عظمت اور رب تعالیٰ اور اُس کے بندوں کے درمیان اس کے واسطہ ہونے کی عظمت اس کے

سینے کو مالا مال کر دے اور اس کلام پاک کی ملابست کی خوشی اور ابتہاج اس کے دماغ کو لبریز کر دے پس
اس وقت ایک نظر جو کمال تعظیم دلی کے ساتھ ملی ہوئی ہو قرآن مجید پر ڈالے اور کہے الٰہی میں نے اس کلام پاک
کو تیرے حضور میں شفیع بنایا اور اسے اپنا وسیلہ گردانا اور اس تیرے حبل متین کے ساتھ اپنے آپ
کو محکم باندھا بعد ازاں عزائم شرعیہ کی پیروی کرنے اور منہیات شرعیہ سے" یعنی جو اس قسم کے طالب کے
حق میں منہیات سے ہیں کیونکہ ایسے شخص کے حق میں بلا ضرورت رخصت شرعیہ پر عمل کرنا بھی منجملہ منہیات
ہے" پرہیز کرنے کو مجملاً ملاحظہ کر کے عقد توبہ کرے اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی کام
کے واقع کرنے یا کسی چیز سے اجتناب کرنے کو اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے اور اس التزام کی پختگی کیلئے اس چیز
کی قسم کھاتا ہے جو اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ تر محبوب ہے مثلاً اگر مومن پاک ہے تو حق
تبارک وتعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اگر اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ محبوب اپنا فرزند یا مال یا آبرو
یا جان ہے تو اسی چیز کی قسم یاد کرتا ہے (جو اس کے نزدیک احب الاشیاء ہے) اور اگر عاشق ہے تو اپنے
معشوق کی قسم کھاتا ہے تو البتہ ضرور ایسی مغلظ قسم کھانے کے بعد اُس کام کے کرنے یا اُس چیز سے
اجتناب کرنے کا پختہ ارادہ فولادی میخ کی طرح اُس کے تہ دل سے اٹھتا ہے اور اس کے کلام سے مختلط ہوتا ہے
جس کو عقد یمین کہتے ہیں اسی طرح کی قوی ہمت اپنے تہ دل سے اٹھا کر اور قرآن مجید کے توسل کر کے اپنی
زبان سے کہے کہ بار خدایا میں نے تیری عنایت پر توکل کر کے اتباع شریعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے
اور جانب شریعت کو اپنے اور اپنے نفس اور مال اور جان اور آبرو اور فرزند و عیال اور استاذ اور پیر
اور آقا اور تمام مخلوقات کی جانب پر میں نے ترجیح دی ہے اے بار خدایا میں عاجز محض ہوں اور تیری
عنایت پر بھروسہ کر کے اس امر عظیم التزام اپنے ذمے لازم کر لیا ہے پس محض اپنے کرم سے اس عقد کو
پورا کرا دیو۔ بعد ازاں ہمیشہ اس شخص کو لازم ہے کہ عقد توبہ کی مراعات کرتا رہے اور اس امر کی طرف ہمیشہ
التفات رکھے کہ میں نے ملک الاملاک کے حضور میں جو قادر علی الاطلاق اور عالم السر والخفیات ہے اور
شدید العقاب اور سریع الانتقام ہے اس عقد کو منعقد کیا ہے ایسا نہ ہو کہ ایک سر مو اُس سے تجاوز
کر جاؤں اور نقض عہد کا داغ ہمیشہ کے لئے میری پیشانی پر باقی رہ جائے مانند اس شخص کے جس نے
ایک بادشاہ عالی جاہ صاحب قدرت و انتقام کے محکمہ میں مچلکہ لکھ دیا ہو کہ فلاں چیز کروں گا اور فلاں چیز
نہ کروں گا تو البتہ اُس شخص کو ہر حرکت و سکون اور ہر قول و فعل میں اُس مچلکہ کا لحاظ رہے گا یعنی جب کسی
فعل یا قول یا کسی حرکت یا سکون کا قصد اُس کے دل میں گزریگا تو پہلے پہل اُس کو عقل کی ترازو میں تولیگا
کہ یہ امر اُس نوشتہ کے موافق ہے یا مخالف اس تامل کے بعد اُس فعل کو وقوع میں لائے گا اور نیز اس

طالب کو لازم ہے کہ ایک مناسبت قوی اور خصوصیت زائدہ بہ نسبت قرآن مجید کے اپنے دل میں مستحکم کرے مثل مناسبت طالب کے اپنے شیخ سے مثلاً جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کرتا ہی ضرور اُس کو حضرت غوث الاعظم کی جناب میں ایک اعتقاد عظیم حاصل ہو جاتا ہے اور جسوقت اُس کی بیعت اُس خاندان عالی شان میں واقع ہو جاتی ہے تو اعتقاد سابق کی نسبت ایک مناسبت زائدہ اُسے حاصل ہو جاتی ہی کہ اپنے آپ کو آنجناب کے غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور اس عالی جناب کے حلقہ بگوشوں کی جماعت میں اپنے آپ کو داخل کرتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کا اعتقاد اگرچہ ہر صاحب ایمان پر ایمان کی طرح واجب ہے لیکن اس طالب کو اُس کلام پاک سے ایک اور ہی مناسبت ہو جاتی ہے بعد از اں اسی توبہ کو کسی عزیز کے ہاتھ پر جو اتباع کتاب و سنت اور اجتناب بدعت میں اُس زمانہ میں اپنے امثال و اقران میں ممتاز ہو ظاہر کرے پس قرآن مجید کو تو اپنا شیخ حقیقی جانے اور اس عزیز کو شیخ ظاہری پس ضرور ہے کہ اتباع قرآن کو اصل جانے گا اور اُس عزیز کے اتباع کو اس کی فرع اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جب اصل فرع آپس میں متعارض ہوتے ہیں اس وقت فرع درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے یہ ہے تصویر مقام توبہ کی اس وجہ پر جو اس طریق سے مناسب ہے اور اس طرز پر عقد توبہ کرتے میں فوائد عظیمہ اور منافع جلیلہ ہیں اور عمدہ منافع سے توبہ میں استقامت حاصل ہونا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ تجربہ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب کوئی طالب کسی عزیز کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو عنایت خداوندی اُس بزرگ کی وجاہت کے سبب سے اُس طالب کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور گناہ کے ارتکاب کے مواقع اور منہیات کی ملابست کے مکان سے طرح طرح کے لطائف غیبیہ اور حیل قدسیہ سے اس کو باز رکھتی ہے اور یہ امر دو وجہ سے متحقق ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ عزیز باوجود وجاہت عند اللہ کے کامل النفس قوی التاثیر اور صاحب کشف صحیح ہوتا ہے پس حق جل و علا اسی بزرگ کو اُس طالب کے مظان منہیات میں واقع ہونے پر مطلع کر دیتا ہی اور گناہوں سے اُس کے بچانے کا حکم فرماتا ہے پس وہ بزرگ کسی نہ کسی تدبیر سے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں درمیان اس طالب کے اور قبائح کے حائل ہو جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حق جل و علا اس سبب سے کہ اس بزرگ پر بڑی عنایت رکھتا ہے غیب الغیب سے ایک لطیفہ ظاہر فرماتا ہے جو اس طالب کی حفاظت کا سبب ہوتا ہے اور یہ لطیفہ بوجہ من الوجوہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہوتا ہے اگرچہ اُس عزیز کو اس معاملہ پر مطلق اطلاع نہ ہو بلکہ اس لطیفہ کا اس طور پر ظاہر ہونا کہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہو محض اس بزرگ کی زیادہ وجاہت کے لئے پردۂ غیب سی ظاہر ہوا ہے

جیسے منقول ہے حضرت یوسف علی نبینا و علیہ السلام جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا ہوئے اور اُس عاشقۂ تباہ حال نے حصول وصال میں طمع کیا تو اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دانتوں میں انگلی لئے ہوئے یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس معاملہ کے درہم برہم ہو جانے کا سبب بن گئی حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے حال سے مطلق خبر نہ تھی بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے (بحکم خداوندی) حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہو کر اس معاملہ کو توڑ تاڑ دیا جب یہ دونوں وجہیں ذہن نشین ہوگئیں پس جاننا چاہیئے کہ یہ دونوں وجہیں.. قرآن مجید میں اس طرح متحقق اور ثابت ہیں کہ کسی ممکن میں متصور نہیں کیونکہ حقیقت قرآنی ایک امرِ امور قدسیہ سے کہ حقائق اسکانیہ میں سے کسی کے ساتھ اس کو مشابہت نہیں اس لئے کہ وہ ممکن اور واجب کے درمیان ایک برزخ ہے اور اُس کی وجاہت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس حد تک ہے کہ کسی کو اُس کا ادراک بھی ممکن نہیں اُس وجاہت کے حاصل ہونے کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ یہ کلام منجملہ صفات ازلیہ اور کمالات ذاتیہ حضرت حق سبحانہ کی ہے اور جو علاقہ صفات اور ذات کے درمیان ہے اس کا تصور ممکن نہیں پس ضرور ہے کہ حضرت حق کی عنایت اس طالب کی حفاظت کی طرف بہ اکمل وجوہ متوجہ ہوگی خواہ پہلے طریق سے خواہ دوسرے طریق سے یعنی اس طالب کی حفاظت یا تو اس طریق سے ہوگی کہ اسی حقیقت قرآنیہ کی طرف سے جو کہ نور مقدس ہے اس طالب اور امور منکرہ کے درمیان بوجہ من الوجوہ خواب میں یا بیداری میں حیلولت واقع ہو جائیگی یا اس طریق سے کہ حق جل علا بذات خود بہ واسطہ ملائکہ یا ارواح مقدسہ کے بہ سبب برکت توسل قرآن کے اُس طالب کی حفاظت کریگا۔ دوسرا افادہ جبکہ طالب راہ نبوت کے مقام تو بہ میں رسوخ حاصل کر لیا تو اُسے لازم ہے کہ ذکر ایمانی اور مراقبہ صمدیت میں قدم ہمت راسخ کرے اور ذکر ایمانی کا طریق یہ ہے کہ اول قرآن مجید اور اذکار منقولہ اور ادعیہ ماثورہ کے معانی لغویہ کی تحقیق کرے۔ اگر خود فنون عربیت کا عالم ہے تو بہتر ورنہ اس امر کو اُس فن کے محققین سے جو صاحبان اعتبار اور اُولُوالاَیدِی والابصار ہوں ان کو دریافت کرے اور معانی لغویہ کے حاصل کرنے میں عرب اول کی لغت کے سوا اور کسی کی طرف التفات نہ کرے اور فنون ادب کے متعمقین کی موشگافیوں پر جنھوں نے فضیلت نمائی کے لئے اپنے آپ کو محققین عربیت سے قرار دیا ہے اور اکثر اہل اسلام پر مقصود کا راستہ گم کر دیا ہے" فریفتہ نہ ہو کہ وہ بدعت محض اور لہو و لعب میں عمر کا ضائع کرنا ہے بیت ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان رست ؛ بعد ازاں خلاصہ ان معانی کا اور تفصیل ان مضامین کی جس طرح پہلے باب میں مذکور ہوئی ہے ملاحظہ کرے اور اس کو نہ دل میں مستحکم کرے اور اُس ملاحظہ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار اور

ادعیہ ماثورہ کا زبان سے مابین الجہر والاخفا اکثر اوقات میں پڑھنا شروع کرے ولیکن جہر مفرط اور اخفائے مفرط پس وہ بعض بعض اوقات میں مفید ہوتا ہے اور اُس کی عادت کر لینا چنداں مفید نہیں اور جہر مفرط کی حد مثل اذان اور تلبیہ سے سمجھنی چاہیئے اور اخفا مفرط کی حد کان[1] سے تصور کرنی چاہیئے اور وسط کی حد کو اس کلام پر قیاس کرنا چاہیئے جو لوگوں کی آپس میں اہل ادب کی محفلوں اور ارباب تمیز کی مجلسوں میں واقع ہوتی ہے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ ذکر ایمانی سے مقصود صرف کثرت ذکر کی یا مجاہدہ نفس کا یا صرف ضبط اوقات نہیں بلکہ مقصود اس سے اُسی حالت کا پیدا کرنا ہی لیکن بدون تحقق اس حالت کے اس ذکر کو منجملہ ریاضات نفسانیہ کے شمار کرنا چاہیئے الغرض ذکر ایمانی میں اتنی کثرت نہ کرنی چاہیئے کہ ذاکر کی طبیعت اُکتا کر ملول اور بند ہو جائے بلکہ تدریجاً نفس کو اُس کا عادی کرنا چاہیئے ولیکن مراقبۂ صمدیت پس جاننا چاہیئے کہ اس مراقبہ کی اصل مبادی جسطرح کہ پہلے اور تیسرے باب میں مذکور ہوئے ہیں وہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے انعامات اور اُس قادر مطلق کے عجائبات قدرت کا ملاحظہ ہے لیکن خوشی اور فرحت کا ہیجان اور اپنے قصور اور احتیاج کا ظہور اور حضرت حق کی عظمت کا انکشاف اور اُس حکیم مطلق کی حکمت کا اذعان جو مراقبہ صمدیت کا اصل ٹھکانا ہی وہ ابتدائے احوال میں نعم مشترکہ اور تاثیرات عادیہ کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل نہیں ہوتا مثلاً مینہ برسانا اور کھیتوں کا اُگانا اگرچہ بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے لیکن چونکہ اس نعمت میں تمام افراد انسانی شرکت رکھتے ہیں۔ لہذا اس امر کے ملاحظہ سے ایک عامی شخص کو حالت مرقومۃ الصدر نہیں پیدا ہوتی اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور اجرام نیرہ فلکیہ کا موجود کرنا اگرچہ قدرت کے ظاہرہ کے اعظم آیات اور حکمت باہرہ کے آثار اور عظمت قاہرہ کے علامات سے ہے لیکن چونکہ یہ امور مذکورہ اکثر اوقات انسان کے سامنے رہتے ہیں اس وجہ سے ان امور کے ملاحظہ سے اس کے ذہن کو کمالات حضرت حق کی طرف انتقال واقع نہیں ہوتا اسی لئے طالب پر لازم ہے کہ اُن خاص نعمتوں کا ملاحظہ کرے جو اس کے اپنے نفس یا اُس کے امثال کے شامل حال ہیں اور اُن عجائب قدرت کا ملاحظہ کرے جو بر خلاف عادت میں ظہور میں آئے ہیں اور جو قصص ایسے مضامین پر شامل ہوں ان کو مکرر سہ کرر گوش ہوش سے سُنے اور اُن کو بار بار اپنی بصیرت کے مُنہ کے سامنے حاضر کرے اور دمبدم اپنے آپ کو اس عظیم بالاستحقاق کی عظمت کے سمندر میں غرق اور اور منعم علی الاطلاق کے انعامات کے بادیہ میں متحیر کرے تاکہ مراقبہ صمدیت کا سر رشتہ ہاتھ میں آئے اور جب مراقبہ صمدیت اس طریق پر کہ باب اول اور باب ثالث میں مذکور ہوا ہے اس کے ذہن نشین ہو جائے تو اُسے ذکر ایمانی سے مخلوط اور ممزوج کرے اگر ممکن ہو تو ذکر ایمانی کے اثنا میں مراقبہ صمدیت کرے

[1] یعنی نہ بہت پکار کر پڑھے اور نہ بہت آہستہ بلکہ بین بین۔ [2] یعنی جو کان سے نہ سنائی دے وہ اخفائے مفرط میں داخل ہے۔

ورنہ بعض اوقات ذکر اور بعض اوقات فکر میں مصروف کرے اور ابتدائے حال میں فکر کو ذکر سے اہم جانے اور ذکر ایمانی اور مراقبہ معیت میں سے ہر ایک کے لئے بعض امور تائید کرتے ہیں اُن موئدات کے سبب سے ذکر و فکر کو رونق ہوتی ہے اور اس کے آثار قوت اور جلدی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور بزرگ ترین موئدات سے خدمت خلق ہے خصوصاً یتیموں اور مسکینوں اور مفلسوں کی خدمت اور اہل حوائج کی حاجات کا پورا کرنا اور مریضوں اور بیماروں کی خبرگیری کرنا غرض اُن لوگوں کے حق میں سعی کرنا جو اپنی حاجتوں کے حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہوں اور حصول مطالب کے دروازے ان کے منہ پر بند ہو گئے ہوں (اعلیٰ درجہ کا موئید ہے) آخر کلام یہ ہے کہ جب ذکر اور فکر پر مدامت اور مواظبت کریگا تو سعادت دارین یعنی حُبّ ایمانی کے خزانوں کی کنجی اُس کے سپرد ہو جائے گی اور اسی حُب کا پیدا ہونا ذکر اور فکر کے کامل کرنے کی علامت ہے یعنی اس حُب کے پیدا ہونے کے سبب سے معلوم ہو جائیگا کہ ذکر اور فکر اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے تیسرا افادہ جب حُب ایمانی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اس وقت طالب کی ہمت کا بلند پرواز طائر اس راہ کی مشہور ترین نشان اور اس طریق کے واضح ترین علامات پر" جس کا نام فنائے ارادت ہے" پہنچ جائے گا۔ چنانچہ باب اول میں اُس کا مذکور ہو چکا ہے اور اسی کمال کا حاصل ہو جانا حُب ایمانی کے مکمل ہونے کی علامت ہے واضح ہو کہ نفس کا ارادہ سے خالی ہو جانا راہ نبوت میں بمنزلہ شغل نفی کے ہے راہ ولایت میں کہ یہ دونوں شغل ان دونوں طریق کے اصل الاصول ہیں بیان اس کا اس طرح ہے کہ سلوک راہ نبوت کا کمال یہ ہی کہ بندہ اپنے مولیٰ کا کمال درجہ مطیع و فرمانبردار ہو جائے اور علاقہ عبودیت نہایت مستحکم اور مضبوط ہو جائے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو پتھر اور لکڑی کی طرح اپنے مولیٰ کے ہاتھ میں تصور کرنا اور اپنے نفس کی لوح کو ارادوں اور عزیمتوں کے نقش سے پاک صاف کر دینا پرلے سرے کا انقیاد اور استحکام علاقہ عبودیت کا قوی تر مرتبہ ہے ہاں بعض اوقات بعض فرمانبردار بندے اپنے عقل اور تدبیر کی مداخلت کے سبب اپنے مولیٰ کے دربار میں وجاہت حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس وجاہت کا حاصل کرنا اسی صورت میں متصور ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ سے بڑھ کر عقلمند ہو پس مولیٰ کسی چیز کا امر فرماتا ہے اور یہ خیرخواہ بندہ اپنی ہوشیاری کے سبب جانتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں مولیٰ کے کارخانوں میں سے کوئی کارخانہ برباد ہو جائیگا پس اگر یہ غلام اس وقت میں بھی تعمیل فرمائش پر اکتفا کرے اور اپنی عقل اور سمجھ کو دخل نہ دے تو بیشک ملامت اور عتاب سے وہ بالکل بری اور معذور ہے اور اگر اپنے عقل اور فہم کے مطابق کسی قدر مداخلت کرے اور اس مداخلت کے سبب سے کوئی معاملہ معاملات مولیٰ سے خراب نہ ہو پس اگرچہ شرعاً عتاب اور ملامت کا محل ہو گا لیکن اصلاح معاملات مولیٰ میں کوشش کرنے کے سبب جو خیرخواہی کی

علامت ہے اپنے مولیٰ کے حضور میں ایک قسم کی وجاہت حاصل کرے گا اور جب یہ معاملہ عبودیت کا جاہل اور نادان غلام اور مولائے حکیم علی الاطلاق اور عالم السر والخفیات کے درمیان ہو پس اُس جگہ سوائے فرمانبرداری اور تعمیل حکم کے کسی اور راستہ میں چلنا اپنے آپ کو ہلاکت اور گنہگاری کے خطرہ میں ڈالنا ہے اور اس جگہ ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے اور وہ ارادہ سے خالی ہونے کے اقسام کا بیان ہے پس جاننا چاہیئے کہ ارادہ سے خالی ہونا تین قسم پر ہے قسم اول اور وہ سالکین راہ ولایت کی مقصود ہوتی ہے وہ عبارت ہے خواہش اور ارادہ کے بطلان سے بیان اس کا اس طرح ہے کہ انسان کو مقام فنا میں رسوخ حاصل ہونے کے سبب سے ہر شئے کی خواہش اور رغبت باطل ہو جاتی ہے اور توحید افعالی کے انکشاف کے سبب سے عزم اور ارادہ کی بیخ کاٹی جاتی ہے اور اپنے آپ کو تقدیر کے ہاتھ میں بس اس طرح سمجھتے ہیں جیسے لکڑی یا پتھر اور جماد بیجان کی طرح اپنے آپ سے گئے گذرے ہوتے ہیں اور گویا اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں دوسری قسم اور وہ راہ نبوت کے ابتدائی سالکوں کے نصیب ہوتی ہے اور وہ اپنے ارادہ کو حق جل وعلا کی ارادہ کا تابع کر دینا ہے بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ لوگ خواہش اور رغبت اور ارادہ اور شہوت سے خالی نہیں ہوتے اور اُن کی عزم وارادت بالکل باطل نہیں ہوتی امور مرغوبہ کی طرف رغبت اور مکروہ چیزوں کے پیش آنے سے نفرت اُن کے دل سے جوش مارتی ہے لیکن اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کیلئے اس خواہش اور رغبت اور کراہت اور نفرت کو بدون اجازت مولیٰ کے جاری نہیں کرتے اور اپنے ارادہ کو موافق اقتضائے طبیعت کے ہرگز استعمال نہیں کرتے اور یہ سب کچھ اپنے مولیٰ کی رضا چاہنے کے لئے اپنے اوپر لپیٹ کرتے ہیں۔ تیسری قسم اور وہ اُن لوگوں کا حصہ ہے جو راہ نبوت کے عالی منصبوں پر پہنچے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مولیٰ کی طرف کے امر کے صادر ہونے کی انتظار میں اپنے ارادہ کو معطل اور بیکار کر رکھنا ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ چونکہ اس راہ سے بلند منصب والوں پر رحمت ربانی اور حکمت حقانی منکشف ہو جاتی ہے یعنی اپنے نہ دل سے اس امر کو جان لیتے ہیں کہ جو کچھ انسب واولیٰ ہے حکمت الہٰی اسی کا تقاضا کرتی ہے اور کسی اولیٰ اور انسب کو حکمت خداوندی فرو گذاشت نہیں کرتی اور ہم جیسے فرمانبردار بندوں کو رحمت الہٰی ہرگز مہمل اور معطل نہ چھوڑیگی بلکہ ہم بندوں کے حق میں جو کچھ اولیٰ اور انسب ہے اسی کام میں ہم کو لگا دیگی اور اُسی کام کا ہمیں حکم دیگی اس لئے اپنے عقلوں اور ارادوں کو کارخانجات الہیہ میں دخل دینا محض لغو اور بیفائدہ کام ہے پس جو شخص اس مولائے حکیم و رحیم و علیم کے بندوں کے زمرہ میں منسلک ہو اُس کا کام یہی ہے کہ اپنے عقل و ارادہ کو اُس کے کارخانہ میں مطلق دخل نہ دے بلکہ اپنی نظر کو اپنے مولیٰ کے چہرہ کے برابر سی کر اس کے حکم کا منتظر ہو اور اپنے مولیٰ کی خدمتوں میں سے کسی خدمت معینہ کو اپنی

رائے سے اپنے اوپر لازم نہ کرلے اور وہ خاص خدمت اپنا شعار نہ بنالے بلکہ خدمت حاضر باشی اور دوامِ ملازمت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے مولیٰ کی اوضاع و اطوار سے اُس کی مرضی کو پہچان کر ہمیشہ اُس کی نظر کے روبرو اپنے آپ کو حاضر رکھے اور ہر وقت اُس کے حکم کے صادر ہونے کا منتظر رہے تاکہ جو حکم اُس کے مولیٰ کی طرف سے صادر ہو اُسی کام میں اپنے آپ کو کمال چستی اور چالاکی سے لگائے۔

چوتھا افادہ۔ جب فنائے ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اُس کی علامت یہ ہے کہ طالب محدثین اور شہدا کے زمرہ میں داخل ہو جائے اُس وقت مراقبہ عظمت شروع کرے بیان اس کا اس طرح ہے کہ جس طرح سالکان راہ ولایت پہلے ملکۂ یادداشت کے حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہمیشہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ لگی رہنا اور بعد اُس کے کہ یادداشت کا ملکہ اُن کے نفس کی صُلب میں راسخ ہو جاتا ہے اُس وقت اُس کو بعض صفات کے ساتھ ممزوج کرتے ہیں جیسے اُس ذات منبع البرکات کا تمام کائنات پر احاطہ کرنا یا مظاہر متعددہ میں ظاہر ہونا یا کثرت کونیہ کا اُس ذات سے صادر ہونا یا اس طالب کی نسبت اُس ذات کا قربِ اور معیت وجودیہ اسی طرح اس طالب یعنے طالب راہ نبوت کو چاہیے کہ بعد حصول ملکۂ یادداشت کے صفت سلطنت اور حکومت کو ضم کرے اور مضمون آیت لَہٗ[1] مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہٗ[2] مَا سَکَنَ فِی اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُوَ[3] اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ کو ملاحظہ کرے اور معیت اور قرب علمی کو اپنے پیش نظر رکھے اور اُس کی سلطنت اور حکومت کا انبساط آسمان اور زمین پر اور خشکی اور سمندر اور آبادی اور ویرانہ اور بسیط اور مرکب اور اپنے اندر اور باہر ہر جگہ مساوی اور برابر سمجھے پس جو حرکت اور سکون کہ اُس سے یا اُس کے غیر سے صادر ہو صرف اس حرکت یا سکون کے صادر ہونے سے یہ مضمون اُس کے تہ دل سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اُس کو حق تبارک و تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور آپ اپنے کو خلوات[4] اور جلوات بلکہ تمام حالات میں اکیلا اور تنہا نہ سمجھے بلکہ اُس کا حال اُس آدمی کی حال کی طرح ہوتا ہے کہ اس کے ہمراہ ہمیشہ ایک ایسا شخص لگا رہتا ہے کہ اُس کو اُس آدمی کے ساتھ علاقہ ابوّت کا بھی ہے اور علاقہ تربیت کا بھی اور علاقہ ولایت کا بھی ہے اور علاقہ سلطنت کا بھی اور علاقہ آقائی کا بھی اور استاذی اور پیری کا بھی اور علاقہ محبیت اور محبوبیت کا بھی اور یہ سالک صرف قرب وجودی پر اکتفا نہ کرے یعنی محض اس قدر جان لینا کہ وہ شخص میرے ساتھ موجود ہے اس راہ

[1] یعنی اس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور [2] اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں اور [3] وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے کو [4] خلوات جمع خلوت بمعنی تنہائی جلوات جمع جلوت بمعنی ظہور:

میں کفایت نہیں کرتا بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کا اخلاق قبول فرماتا ہے اور اس پر تحسین اور آفرین کرتا ہے اور آخرت میں ثواب جزیل اور دنیا میں قرب اور وجاہت اس پر عطا فرماتا ہے اور اُس کو اپنے خاص غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور گنہگار کی نافرمانی کو رد کرتا ہے اور اُس پر لعنت اور نفرین بھیجتا ہے اور آخرت میں عذاب شدید اور دنیا میں دوری اور خواری اُس کے نصیب ہوتی ہے اور اُس کو کافر نعمتوں کے زمرہ سے شمار کرتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو سہل سی طاعتوں کے سبب جو کمال اخلاص اور نہایت فرمانبرداری سے ملی ہوئی ہوں معاف کر دیتا ہے اور بڑی بڑی بندگیاں چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سبب سے جو خباثت نفس اور مخالفت حق سے ملے ہوئے ہیں حبط اور برباد کر دیتا ہے غرض کہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اس کی شان ہے یہ مت سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ طالب راہ نبوت کو لازم ہے کہ اس مضمون کو تفصیل اور اپنے ذہن میں تصور کرے حاشا وکلا تصورات عقلیہ سے کیا کام نکلتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حال اس طالب کا اپنے تمام احوال میں اُس شخص کے حال کی طرح ہو جائے جو ایسے شخص کا ملازم ہو جس کے اوصاف پہلے مذکور ہو چکے ہیں اور اسی طرح حضرت حق سبحانہ کی سلطنت کے تمام کائنات پر انبساط کے ملاحظہ سے صرف یہی مقصود نہیں کہ اس کو اپنے ذہن میں تصور کر کے فقط اذعان عقلی کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح آفتاب ریگستان کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں اور بحر زخار کی امواج میں سے ہر موج میں چمکتا ہے اور دیکھنے والے کے خیال میں اس طرح گذرتا ہے کہ ایک نور کا دریا موج زن ہے اسی طرح فیض رحمان کی تدبیر واحد جو تمام کائنات پر مبسوط ہے جہان کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں جلوہ گر ہو اور تمام علویات اور سفلیات میں بلحاظ مجموعی و فرادی نمایاں ہو جائے مثلاً زمین کے جس قطعہ پر اور آسمان کے جس حصہ کے نیچے کھڑا ہو اُس کا حال اُس شخص کے حال کی طرح ہو جس کا ہاتھ پکڑ کر ایک شخص نے دریائے زخار کے محاذات میں زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا رکھا ہو پس اگر وہ دریا کو دیکھتا ہے تو اس کو اس قابل نہیں دیکھتا کہ اُس کا بوجھ اُٹھا سکے اور اگر ہوا کو دیکھتا ہے تو اس کو بھی ایسا ہی جانتا ہے اور اگر آسمان کو دیکھتا ہے تو وہاں تک اپنا پہنچنا محال سمجھتا ہے پس اپنے ثابت رہنے کا سبب اُس شخص کے سوا کوئی دوسری چیز اُس کے ذہن میں نہیں آتی۔ پس اپنے پختہ یقین سے جانتا ہے کہ جب تک اُس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے کسی چیز کی مضرت مجھے نہیں پہنچ سکتی خواہ بحر زخار کی موجیں ہوں یا ہوا کے جھونکے یا آندھیاں اور اگر وہ شخص میرا ہاتھ چھوڑ دیگا تو تمام جہان میرے لئے

ہلاکت گاہ ہے کیونکہ دریا کی جس موج پر گرونگا وہیں ڈوب جاؤں گا اور اس امر میں (یعنی میرے غرق کرنے میں) امواج دریا میں سے کسی موج کی خصوصیت نہیں اور یہ ملاحظہ اُس کے ذہن میں اسقدر مستحکم ہو کر بیٹھ جائے کہ اگر شیر درندہ یا مست ہاتھی اس پر حملہ کرے یا اس کا دشمن ننگی تلوار اُس کے گلے پر رکھدے اس حالت کے اثنا میں وہ طالب یقیناً جانتا رہے کہ جب تک حضرت حق سبحانہ نے قدرت کا ہاتھ میری محافظت سے نہیں اٹھایا تب تک ان امور سے کچھ ضرر مجھے نہیں پہنچیگا اگرچہ ظاہر حال قطعی الوصول ہوں اور جسوقت اُس حافظ مطلق نے محافظت کا ہاتھ میرے سر پر سے اُٹھالیا اس وقت ہر چیونٹی پائمال اور ہر مگس بیکس میرے ہلاک کرنے میں کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریق کے پیشواؤں نے جو اس مراقبہ کے خلاصہ سے کامیاب ہوئے ہیں جیسے انبیاؑ کرام اور ان کے وارثان عظام بڑے بڑے زبردست بادشاہوں کے ساتھ باوجود قلت انصار واعوان کے بے پروا مقابلے کئے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ مشہور و معروف ہے یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ اس طالب پر بسبب قرب اسباب ہلاکت کے خوف اور اُن کے بُعد کے سبب سے اطمینان ہرگز نہیں طاری نہیں ہوتا کیونکہ یہ امر تو لوازم بشریت سے خالی ہونے کے حکم میں ہے اور لوازم بشریت سے خالی ہونا اور دنیا میں خصوصاً راہ نبوت کے طالبوں کے حق میں جس کا خلاصہ تکمیل فطرت انسانی ہے ممکن نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب مُہلکہ کے قُرب و بُعد کے سبب سے خوف اور اطمینان جو نہ دل سے صادر ہو اور عقل اور ہوش کو پراگندہ کرے اِس طالب پر طاری نہیں ہوتا بخلاف خوف اور اطمینان طبعی کے اور اس امر غامض کی توضیح یعنی خوف قلبی اور طبعی کے درمیان امتیاز کرنا ایک مثل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا پس ہم کہتے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر اپنے بیٹے کی آنکھ کی طرف متوجہ کرے اور کہے کہ میں یہ لکڑی تیری آنکھ میں ہرگز نہ ماروں گا میرا مقصود صرف تیرا امتحان لینا ہے پس جب تک وہ لکڑی اس کی آنکھ سے دور ہے کچھ تغیر اُس لڑکے کے حال میں راہ نہیں پاتا اور جب وہ لکڑی آنکھ سے قریب ہو جاتی ہے ایک قسم کا تغیر اُس کی شامل حال ہوتا ہے اسی لئے بے اختیار اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں حالانکہ اس کے دلی یقین میں اسس لکڑی کے نزدیک اور دور ہونے میں کچھ فرق نہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ اس لکڑی کا ضرر مجھے ہرگز نہیں پہنچے گا خواہ قریب ہو خواہ بعید اسی لئے اس کے دل میں پریشانی اور بیقراری راستہ نہیں پاتی اور اندھا ہونے کا خوف اُس کے ذہن میں نہیں گذرتا پس اسی طرح یہ طالب صادق تمام کائنات کو حضرت حق سُبحانہ وتعالےٰ کے ہاتھ میں لکڑی اور پتھر کی طرح جانتا ہے اور تمام موجودات کو اُس کی عظمت کا مقہور سمجھتا ہے اگرچہ خوف واطمینان طبعی امور ضارہ اور نافعہ کے قُرب و بُعد کے سبب سے اس پر طاری ہو جاتا ہے کیا تو نے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں نہیں سُنا کہ آنجناب نے باوجود اپنی کلاں سالی اور اپنی بی بی کے بانجھ ہونے

کے جناب واہب العطیات جل جلالہ سے سعادت مند بیٹے کی درخواست اور انتہائے طلب میں آپ کو باوجود.. موانع کے بیٹے کے پیدا ہونے سے کچھ کسی قسم کا استبعاد عارض نہ ہوا۔ ورنہ ایسی دعا جو نہ دل سے صادر ہوتی ہے آپ سے متصوّر نہ ہوتی اور جب غیب سے فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت ملی اسوقت حصول ولد کے استبعاد کا کلمہ آپ کی زبان ہدایت نشان سے صادر ہوا۔

کہ فرمایا رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا یعنی اے میرے رب میرے کیونکر بیٹا ہوگا حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے نہایت کلاں سالی کو پہنچ گیا۔ پانچواں افادہ۔ جب مراقبہ عظمت اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اُس کے کمال کی علامت یہ ہے کہ توکل کی روح جو کہ باب اول میں مذکور ہوئی ہے اس کے ساتھ لگ جائے اور بعض ارباب کمال اس مقام میں زمرۂ اہل خدمات میں بھی داخل ہو جاتے ہیں اس وقت مراقبہ الوہیت کو شروع کرے اس کی تصویر یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کے شیون بے شمار ہیں۔ منجملہ ان کے شان حلم کی ہے کہ باوجود.... مخالفین کے سخت مخالفت کرنے کے اُن کے مواخذہ اور پاداش میں جلدی نہیں فرماتا اور منجملہ اُن کے شان عفو ہے کہ ہر چند گنہگار لوگ فاحش ترین قبائح اور بزرگ ترین معاصی کے مرتکب ہو جاتے ہیں لیکن جب نیاز کی پیشانی نہایت انکسار کے ساتھ اُس کی دہلیز پر آ کر گڑتے ہیں اور اخلاص دل سے توبہ کرتے ہیں تو البتہ وہ رحیم مطلق اُن کے گناہوں سے درگزر کر کے اُس تائب کو اپنی کنف رحمت میں کمال عنایت اور مہربانی سے پرورش کرتا ہے اور اُس ناشائستہ گناہ کو نسیاً منسیاً کر دیتا ہے اور عذاب کو انعام سے بدل دیتا ہے اور منجملہ اُن کے شان فیض عموم کی ہے جیسے بارش کا برسانا اور کھیتوں کا اُگانا وغیرہ وغیرہ کہ کامل اور ناقص اور مطیع اور عاصی اور محب اور معاند اور مکلف اور غیر مکلف اس میں شرکت رکھتے ہیں اور اس کے دریائے رحمت نے سب کو گھیر لیا ہے اور آیت وَرَحْمَتِیْ[عــه] وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اُس عموم رحمت کے بیان سے ایک حرف ہے اور منجملہ شیون الٰہی کے شان وسعت ہے کہ نفس کاملہ انسانیہ میں وسعت حوصلہ اُس کا ایک نمونہ ہے بیان اُس کا یہ ہے کہ جس طرح بعض نفوس کاملہ بشریہ وسعت صدر میں نہایت اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم اور رنگارنگ معاملات کے درپیش ہونے اور طرح طرح کی کارخانوں کے اہتمام سے تنگدل اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر ہر امر کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر ایک معاملہ کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور ہر ایک کارخانہ کو اسی حد پر رکھتے ہیں جو اُس کے ساتھ سزاوار ہے نہ اس قدر افراط کرتے ہیں کہ تمام ہمت سے ایک ہی کارخانہ کے اہتمام میں غرق ہو جائیں اور دوسرے کارخانہ کو برباد کر دیں یا ایک کارخانے والوں کو اتنا تسلط دیدیں کہ دوسرے کارخانے والے رعایا کی طرح

عــه اور میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے ۱۲

اُن کے ہاتھ میں مقہور ہو کر اصل مالک کارخانہ کو فراموش کر دیں نہ اتنی تفریط کریں کہ کارخانہ بالکل بے رونق ہو جائے اور اس کارخانہ کے کارندے ذلیل خوار ہو کر گمنام اور بیکار بیٹھ رہیں اور اسی طرح لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک مزاج اور استعداد والے اور ہر قسم کی غرض اور حاجت والے کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے ہیں کہ اُن کے مناسب حال ہے اور اس قسم کا معاملہ ظاہر کرتے ہیں کہ اُس شخص کی استعداد کا پیالہ پُر ہو جاتا ہے اور اُس کے ذہن میں اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ جو خصوصیت.. مجھے اُن کے ساتھ حاصل ہو گئی کسی دوسرے کو اگرچہ خدمت اور مرتبہ میں مجھ سے اعلیٰ اور افضل ہو حاصل نہیں ہوئی الغرض اس کلام کے مغز کو دریافت کر کے وسعت حوصلہ کے معنی کو خوب ذہن نشین کرنا چاہئیے بعد ازاں سمجھنا چاہئیے کہ جسقدر کارخانہ خدائی اور ان نفوس کاملہ میں فرق ہے اُسی قدر وسعت آلہیہ اور ان بزرگوں کے وسعت حوصلہ میں فرق ہے اور جس کسی نے وسعت آلہیہ کا معنی خوب سمجھ لیا وہ جسقدر رنگارنگ کارخانوں اور گوناگوں معاملات پر اطلاع پائیگا اُسیقدر انبساط وسعت آلہیہ اُسکے ذہن میں قرار پکڑیگی اور منجملہ شیون الہیہ کے دشمنوں کی دشمنی کی پروا نہ کرنا ہے کیونکہ حضرت حق کے دشمن اور اس جواد مطلق کے کافر نعمت اس منعم حقیقی کی مخالفت اور اس مالکِ تحقیقی کے اوامر کی نافرمانی اور اُس کے احکام شرعیہ کے مقابلہ اور انبیا علیہم السلام کی تحقیر میں کس قدر کوشش کرتے ہیں اور وہ جواد مطلق اپنی بخشش اور جود کا دروازہ اُن بدبختوں پر بند نہیں کرتا اور اپنی ولایت اور کفالت کی حفاظت سے اُن کو نہیں نکالتا بلکہ اگر بطریق تادیب کے ایک طرح سے اُن پر مواخذہ کرتا بھی ہے تو اور ہزاروں طریق سے بیشمار نعمتوں کا اُن پر فیضان کرتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ دنیا میں اس کا مواخذہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے جیسے مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے کو ادب سکھلاتا ہے کہ اگرچہ وہ بظاہر وہ مہربان باپ بمقتضائے حکمت و حکومت عاق بیٹے کی سزا پر اقدام کرتا ہے لیکن عین اُسی تادیب اور سرزنش میں اُس کی خیر خواہی اور شفقت پدری بستور ہے اور بالکل اس کو برباد کرنا نہیں چاہتا اگرچہ خود یہ تادیب بھی از قسم لطف و تربیت ہے لیکن مقصود اس مقام میں یہ ہے کہ وہ تادیب ایسی وجہ پر نہیں کرتا کہ وہ عاق بیٹا محض برباد ہو جائے بلکہ ہر مواخذہ اور ہر ملامت میں اُس کی خلاصی کا راستہ بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ اگر وہ کافر اپنی خلاصی کا راستہ اُس مواخذہ سے ڈھونڈے اور اپنی نمک حرامی سے پچھتا کر باز آئے تو البتہ اُس ہلاکت سے نجات کا راستہ اُس پر ظاہر ہو جائے اور ان تمام شیون کی اصل علو ذاتی ہے کہ اُس کا پرتو نفوس کاملہ پر پڑ جاتا ہے اور علو ہمت کے نام سے نامزد ہوتا ہے کیونکہ جو شخص علو ذاتی میں اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا ہو اور وہ ان امور خسیسہ دنیاوی کی اتنی لیاقت نہیں سمجھتا کہ ان امور کے ہجوم کے سبب سے اُس کے دل میں تشویش اور پریشانی راہ پائے یا اس کے معاملات میں تزلزل واقع ہو اسی لئے کمینوں کے کالم گلوچ سے

عالی ہمت بادشاہوں کے دل میں غصہ اور کینہ کشی کا خیال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ بزرگ ان کمینوں کو غبار اور خس و خاشاک کی طرح جانتے ہیں اور بدلہ لینے کے لائق نہیں سمجھتے غرض ہم اس علو ذاتی الٰہی کا شیون مرقومۃ الصدر کی شرح کے لحاظ سے اور عالم امکانی میں مطابق قانون حکمت کے اُن کے آثار کے ظہور کا اعتبار سے الوہیت نام رکھتے ہیں پس اُلوہیت کو ایک درخت کی مثل تصور کرنا چاہیے اور علو ذاتی کو اُس درخت کا تخم قرار دینا چاہیے اور شیون مذکورہ کو شاخوں اور پتوں کے جابجا سمجھنا چاہیے اور عالم امکانی میں اُن کے آثار کے ظہور کو قائم مقام پھل کے پس طالب راہ نبوت کو یہ ظہور آثار مراقبہ عظمت کے لازم ہے کہ مراقبہ اُلوہیت کا شغل اختیار کرے اور مراقبہ اُلوہیت سے صرف یہ مقصود نہیں کہ اُلوہیت کے معنی کا تصور کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کمال کو تصور کر کے اپنے نفس کے آئینہ میں اُس کے انعکاس کی خواہش کرے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور جب معاملات مذکورہ میں سے کوئی معاملہ اُس کو پیش آئے مثلاً کسی قوم کی ریاست اُس کے سپرد ہو یا مختلف قسم کے معاملات اُس پر ہجوم کریں یا کوئی مخالف اُس کی مخالفت میں زور لگائے تو اس معنی اُلوہیت کو سوچ کر بمقتضائے اسی شان الٰہی کے محض تشبیہاً باللہ معاملہ کرے غرض کہ اُس کا حال اُس شخص کے حال کی طرح ہو جیسے محبوب کی وضع نشست و برخاست اور زی و لباس وغیرہ ہر معاملہ میں اُس کے عقل و خیال کو مالامال کر کے اُس کے تمام بدن میں سرایت کر جائے مثلاً جب کسی سے کلام کرتا ہے تو وہی محبوب کا سا لہجہ اُس سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جب چلتا ہے تو وہی محبوب کی سی رفتار اُس سے صادر ہوتی ہے اسی طرح اخلاق الٰہیہ صاحب اس مراقبہ کی صاحب نفس سے صادر ہوتے ہیں اور اس کی تمام قوتوں میں سرایت کر جاتے ہیں فائدہ۔ مخفی نہ رہے کہ مراقبوں کے آثار تین طریق پر ظاہر ہوتے ہیں اول یہ کہ جس چیز کا مراقبہ طالب حق کرتا ہے اُسی چیز کے لوازم اُس کے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں اُس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کریم ایک لطیف غذا کھا رہا ہو اور ایک بھوکے مفلس نے سوال کی آنکھ اُس غذا پر لگائی ہو اور نہایت طمع کے ساتھ اُسے تاک رہا ہو تو ضرور ہے کہ وہ کریم النفس اس غذا کا ایک آدھ لقمہ اس مفلس کو دیگا اسی طرح جب طالب حق اپنی بصیرت کو نہایت خواہش اور کمال طلب کے ساتھ شیون الٰہیہ میں سے کسی شان پر جیسی عظمت یا اُلوہیت یا معاملات ربانیہ میں کسی معاملہ پر جو اس کریم مطلق اور اُس کے خاص بندوں کے درمیان ... گزرتے ہیں جیسے خلت اور محبوبیت لگائے رہتا ہے تو البتہ اُس شان کے لوازم اور اس معاملہ کے آثار میں سے کچھ حصہ طالب کی استعداد کے اندازہ پر اُس کے نفس کے آئینہ میں جو نامرضیات حق کے زنگ سے مصفا ہے منعکس ہوتا ہے مثلاً اگر مراقبۂ عظمت کیا ہو تو اُسے ملا اعلیٰ میں ایک قسم کی وجاہت

حاصل ہو جاتی ہے اور بعض کائنات پر ایک قسم کی سلطنت اور حکومت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر اُس نے مراقبۂ اُلوہیت کا کیا ہے تو اُس کو وسعت حوصلہ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ اور عفو اور حلم کا ملکہ ہاتھ آجاتا ہے اور اگر مراقبہ خلت کا کیا ہے تو اس پر بعض معاملہ خلت کا جیسے مکالمہ اور مسامرہ ظاہر ہو جاتا ہے اور دوسرا طریق اُس طالب کو مقبولیت عامہ کا حاصل ہو جانا ہے اور ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل اور ارواح مقدسہ اور قلوب صلحائے بنی آدم میں اُس کا ہر دلعزیز ہو جانا اور یہ امر باب اول میں ثمرات حب ایمانی کے ذکر میں مفصل لکھا جا چکا ہے تیسرا طریق نوافل عطایا ہے جس طرح کسی مفلس نے ایک منعم کے لذیذ طعاموں اور مزیدار میووں اور عمدہ پوشاکوں کی طرف آنکھ لگائی ہوئی ہو اور اُن چیزوں میں سے کسی قدر کے حاصل ہونے کا امیدوار ہو پس اُن چیزوں کا مالک قدرے اُن چیزوں سے بھی اُسے بخشدے اور کوئی اور چیز بھی جو اُس مفلس کے مناسب حال ہو اگرچہ اشیاء مذکورہ کی جنس سے نہ ہو اُس کو عطا کرے مثلاً مفلس نے طمع کی آنکھ غذا پر لگائی ہوئی تھی اور اُس میں سے کسی قدر کے حاصل ہونے کا اُمیدوار تھا تو اُس طعام کے مالک نے غذا میں سے بھی ایک لقمہ اُس کو بخشدیا اور کچھ نقد بھی اُسے دیدیا تاکہ اپنے حوائج ضروریہ اُس نقد کی بدولت پوری کرے اور بعض اوقات میں اس طرح اتفاق پڑتا ہے کہ وہ مفلس اُس شے کی لیاقت نہیں رکھتا جس پر اُس نے طمع کی آنکھ لگائی ہوئی تھی مثلاً وہ بیمار ہے اور لذیذ میووں کے حاصل ہونے کی طمع رکھتا ہے پس ان میوہ جات کا مالک بحکم ضرورت اُس مفلس کو کوئی ایسی چیز جو جنس فواکہ سے نہ ہو جیسے ٹوپی یا قبا دیکر اس کی تسلی کردیگا اور ان بخششوں کو جن کے حاصل ہونے کی امید نہ تھی نوافل عطایا کہتے ہیں اسی طرح طالب حق جب شیون الٰہی سے کسی شان یا معاملات ربانیہ میں سے کسی معاملہ کا مراقبہ کرے تو کبھی تو نوافل عطایا سے کامیاب ہوتا ہے باوجود حصول ثمرات اس مراقبہ کے یا بدون حصول ان ثمرات کے۔ اور یہ نوافل عطایا کسی قاعدہ اور قانون میں جسکو عقول بشریہ ادراک کر سکیں ضبط نہیں ہو سکتے کیونکہ اس عطیہ نافلہ کی تعین اُس مراقبہ کے آثار کی مناسبت پر منحصر نہیں بلکہ اُس طالب کی استعداد کی مناسبت پر موقوف ہے مثلاً کوئی شخص ابتدائے آفرینش میں ذکی العقل نہایت تیز ذہن پیدا ہوا ہے اور طلب راہ نبوت کے وقت میں اس نے مراقبۂ عظمت کی مشق کی پس اُس کے آثار مرتب ہوئے یا نہ ہوئے لیکن اعلیٰ درجہ کی ذکاوت ذہن اور علوم مرضیہ حق میں نہایت تیز فہمی اُس کو نصیب ہو جائے گی اور اُسی طرح جو شخص طہارت فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اُس کو عبادات حقہ کی توفیق اور پرہیزگاری کا ملکہ حاصل ہو جلئے گا اگرچہ یہ امور مذکورہ مراقبہ عظمت کے آثار سے بالکل کچھ مناسبت نہیں رکھتے یہی سبب ہے کہ اکثر طالبین راہ حق اس طریق کے اشغال اور اعمال کی مزاولت

کرتے ہیں اور جب ان کے آثار کماحقہ اپنے آپ میں نہیں پاتے تو محرومی کی صدا اور یاس اور نا امیدی کے کلمے ان کی زبان سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ممکن ہے کہ ان ہی اشغال و اعمال کی برکت سے کوئی اور امر ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں اُن کو حاصل ہو گیا ہو اگرچہ ان اشغال و اعمال کے آثار کی جنس سے نہ ہو اور ان اشغال و اعمال ان امور کے درمیان مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی عقل حقیقت حال پر واقف نہ ہوئی ہو اور اسی طرح اس راہ کے بعض طالب جو گذشتہ اہل کمال کے قصے سنتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں شغل اور عمل کے سبب فلاں کمال حاصل ہوا تھا۔ پھر خود وہ شغل اور اعمال بجا لاتے ہیں اور اس کمال کا کچھ اثر اپنے آپ میں نہیں پاتے تو تعجب اور حیرانی کے ویرانہ میں سرگشتہ ہو جاتے ہیں پس کبھی تو ان قصوں کو جھٹلانے لگتے ہیں اور کبھی اُس عمل کے شروط و ارکان میں شک کرنے لگتے ہیں کہ شاید یہ عمل اس عمل کا غیر ہو جو اس بزرگ سے صادر ہوا تھا حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کمال جنس نوافل عطایا سے تھا نہ اُس عمل کے آثار کے قبیل سے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی طَرِیْقِ الرَّشَادِ جھٹا افادہ جب مراقبہ اُلوہیت اپنے کمال کو پہنچا اور اُس کے آثار بیش از بیش ظاہر ہوئے اور کمال و تکمیل کا مقام اُس کے سپرد ہو گیا۔ اور خلافت عن اللہ کا مرتبہ اس کو نصیب ہوا بعد ازاں بعض کاملوں کو ایک ایسا مقام ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تحریر اور تقریر کی... خلعت اس کی تصویر کے قد پر کوتاہ اور نازیبا ہے۔ اور یہ مقام مقام انکشاف وجہ اللہ کا ہے۔ اور آیت وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ[1] اس معنی کی طرف ایک باریک سی رمز ہے۔ ہر چند واضح کرنا اس مقام کا تقریر اور کلام سے متصور نہیں مصرع لذت مے نہ شناسی بخدا تا نچشی ؛ لیکن اس کا خیال میں لانا اگرچہ تخیل ناقص ہی ہو۔ ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔ بیان ان کا اس طرح ہے کہ ہر امر کا ادراک خواہ وہ امور محسوسہ سے ہو۔ یا امور مخفیہ سے اس کی مثل کے واسطہ سے ہو سکتا ہے مثلاً احساس انوار شہادیہ کا نور بصر سے ہوتا ہے اسی طرح تمام عوارض جسمانیہ محسوسہ کا ادراک آلات جسمانیہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے جن کا نام حواس رکھتے ہیں۔ اسی طرح ادراک عالم مثال کا قوت خیال کے ساتھ ہوتا ہے جو اس عالم کا نمونہ انسان کے بدن میں رکھا ہوا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس ان امور کا ادراک جو بین التجرد و التعلیق ہیں۔ یعنی نہ تو بالکل مادہ سے مجرد ہیں۔ اور نہ پوری طرح سے مادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قوت۔ واہمہ کے ساتھ ہوتا ہے جو بین العقل.. والحواس ہے۔ اور اسی طرح کلیہ عقلیہ اور جزئیات مجردہ کا ادراک قوت عاقلہ سے ہوتا ہے۔ جو تجرد اور بساطت میں اُن امور کے مشابہ اور مماثل ہے۔ اور اسی قیاس پر ہیں۔ تمام لطائف انسانیہ مثلاً تجلی اعظم

[1] اور روک اپنے نفس کو ساتھ ان لوگوں کے کہ پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام ارادہ کرتے ہیں اسکی رضامندی کا ۱۲ منہ

اور حقائق ملاء اعلےٰ کا ادراک لطیفہ سر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وجود منبسط کا ادراک لطیفہ خفی سے جو کہ حقیقت جامعہ انسانیہ کا لب لباب ہے۔ اور اس کا نام قلب رکھتے ہیں۔ پس یہیں سے سمجھنا چاہیئے کہ دریافت کرنا اس ذات بے کیف و بیچون و بیچگون و بے شبہ و بے نمون کا جو کہ تمام تجلیات سے برتر ہے۔ حتیٰ کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تجلیات کی اصل ہے اور وہ ذات والا صفات جو تمام تنزلات سے معرا ہے۔ حتیٰ کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تنزلات میں سے شامل تر ہے۔ اور وہ ذات پاک جو تمام موجودات کی مماثلت سے کسی صفت میں صفات سے منزہ ہے یعنی ذات کے اس مرتبہ کا دریافت کرنا جسکو مجہول مطلق اور ممتنع التصور قرار دیتے ہیں سوائے نور قدسی الہٰی کے کسی اور چیز سے ممکن ہی چنانچہ اس حدیث شریف میں کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ خَلْقَہٗ فِیْ ظُلْمَۃٍ فَاَلْقٰی عَلَیْھِمْ مِّنْ نُّوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَہٗ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاہٗ ضَلَّ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے پس اسی نور قدسی کو ابتدائے آفرینش سے سعادتمندوں کی عقل میں ودیعت رکھا ہے پس وہ نور حق کا ایک قطرہ نور بصری کے قائم مقام ہے جو مجمع النور میں پوشیدہ ہے اور چنانچہ ابصار اور دیکھنے کا سبب فی الحقیقت وہی نور ہے۔ اور آنکھ کے تمام پردے بلکہ خود آنکھ کا جرم اس نور کے قالب ہیں۔ اور تمام ظاہری نور جیسے چراغ کا نور اور شمع کا نور اور آفتاب اور ماہتاب کا نور اس کے مؤیدات سے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ نور بصری مجمع النور میں ودیعت رکھا ہوا نہ ہوتا۔ تو البتہ وہ شخص اندھوں کے گروہ میں سے شمار کیا ہوا ہوتا۔ اور اندھے آدمی کو آنکھ کے جسم اور ظاہری نوروں سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس عوام الناس اگرچہ ظاہر حال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ آنکھ کی بدولت یا آفتاب اور ماہتاب کی روشنی کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر حقیقتِ امر میں تامل کریں۔ تو البتہ سمجھ لیں۔ کہ ابصار کا آلہ فی الحقیقت وہی نور بصری ہے لیکن چونکہ وہ نور آنکھ کے راستے سے باہر آتا ہے اس لئے سببیت کو آنکھ کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں اور چونکہ انوار ظاہرہ اسی نور بصری کے مؤید ہیں۔ اس سبب سے ان انوار کو بھی ابصار کہہ سکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں خود ان ادراک کا اسی نور کے طفیل سے ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ دوسرے امور کا ادراک اسی طرح آلۂ ادراک ذات بحت اور توجہ الی اللہ کا سبب وہی قطرۂ نور قدسی کا ہے۔ جو ابتدائے ظہور ارواح کے وقت اہل سعادت کو نصیب ہوا تھا۔ اور ابدان کی پیدائش کے بعد لطیفہ عقل کی تہ میں پوشیدہ کیا گیا۔ اور اس کے شعاع لطائف باطنۂ انسانیہ میں

ؔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کو ایک ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر اُن پر اپنے نور میں سے کچھ نور ڈالا۔ تو جس شخص کو وہ نور پہنچا۔ اس نے ہدایت پائی۔ اور جس کو وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہوا۔

طرح طرح کے اقسام اور گوناگوں رنگوں کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ جیسے آفتاب کا شعاع لبسیط.. مختلف رنگوں اور طرح طرح کی شکل والے شیشوں میں اور وہ نور قدسی انوار قاہرہ غیبیہ کے ساتھ جیسے آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور انبیاؑ کرام اور علمائے ذوی الاحترام اور اولیاؑ عظام کا وجود انبساط اور انشراح پاتا ہے یہ معنی نہیں۔ کہ یہ انوار غیبیہ انسان کے نفس میں اس نور قدسی کے پیدا ہونے کے سبب ہو جاتے ہیں۔ بلکہ وہ نور قدسی تو ازل الآزال سے نفوس کے اندر ودیعت رکھے ہوا ہے اور یہ انوار غیبیہ اس کے انبساط اور انشراح کا سبب ہو گئے ہیں پس اگرچہ سالکان راہ ولایت اور طالبان راہ نبوت ابتدائے احوال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ حق جل وعلا کا ادراک لطیفۂ قلب یا لطیفۂ سر یا لطیفۂ خفی یا ان کے امثال سے ہمکو حاصل ہوا ہے یا یہ سبب نزول کتب سماویہ کے اور وجود انبیاؑ اور اولیاؑ کے ہمیں توجہ الی اللہ نصیب ہوئی ہے۔ لیکن اگر حقیقتِ کار کا کھوج لگائیں۔ تو البتہ جان لیں۔ کہ توجہ الی اللہ کا حقیقی سبب وہی نور قدسی ہے جو ازل الآزل میں ان کو نصیب ہوا ہے۔ اور تمام لطائف باطنہ کو اسی نور نے رونق بخشی ہے۔ اور کتب سماویہ اور انبیاء علیہم السلام کی حقیقت بھی اسی نور کے سبب ان کے ذہن میں قرار پکڑی گئی ہے اسی لئے جو شخص ازل الازال میں اس نور سے محروم رہا۔ جیسے ابو جہل اور ابولہب اس کے حق میں یہ انوار قاہرہ عظیمہ اور لطائف باطنہ انسانیہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور مادر زاد اندھے کی طرح روز روشن میں ہلاکت کے گڑھوں میں گرتے جاتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے۔ کہ اسی نور قدسی کا شعاع لطائف انسانیہ کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے اور اختلاف لطائف کے اندازے پر اس میں اختلاف عظیم راہ پاتا ہے اور ہر لطیفہ میں توجہ الی اللہ کی ایک قسم اور تجلیات ربانیہ میں سے ایک قسم کی تجلیات کا انکشاف اور معارف حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے آثار میں سے .... ایک قسم کے آثار جو اس لطیفہ کے مناسب ہوتے ہیں ظاہر کرتا ہے۔ اور دوسرے لطیفہ میں ان امور مذکورہ کی ایک اور نوع ظاہر فرماتا ہے اور اس لطیفہ نورانیہ کو ہم حجر بحت کے نام سے ملقب کرتے ہیں۔ پس حجر بحت کو عقل کے جگر میں اس چراغ کی طرح تصور کرنا چاہئیے جو مختلف رنگ والے شیشوں کے پردہ میں روشن کیا ہوا ہو۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا۔ پس جاننا چاہئیے کہ جس طرح اجرام علوی جورات کے وقت نمودار ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا نور وہی آفتاب کا نور ہے۔ جو ان ستاروں کے صیقلیہ اجرام میں منعکس ہو کر مختلف رنگوں اور گوناگوں لباسوں میں ظاہر ہو کر دیکھنے والے کی نظر میں جلوہ گر ہو گیا ہے۔ لیکن جب آفتاب افق سے طلوع کرتا ہے تو تمام مختلف انوار آفتاب کے نور لبسیط

میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور ایک نورانی چادر یک رنگ تمام علویات اور سفلیات کے بساط پر تانی جاتی ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ مراتب انعکاسیہ آفتاب کے اُسی نور آفتاب کے اصلی مرتبہ میں محو و منطمس ہو جاتے ہیں۔ اور سب فرع اور اصل یک رنگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب نفس کا کام تجرِ بحت کے مرتبہ میں بے پردہ جا پڑتا ہے اور اپنے لطائف باطنہ کے تمام لباس اُتار دیتا ہے۔ تو تجرِ بحت سے ایک مقدس شعاع ظاہر ہوتی ہے۔ اور لطائف کو اپنا ہمرنگ بنا لیتا ہے۔ اور تمام باطن اس سالک کا سر سے پاؤں تک تجرِ بحت ہو جاتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی مثال ہے جس کے تمام بدن میں تمام نور بصری سرایت کر جائے اور اس کا سارا بدن نرگس کی طرح آنکھ ہی آنکھ ہو جائے۔ اور یہ حال اس حال کا غیر ہے جو سالکِ راہ ولایت کو ابتدائے سلوک میں طاری ہوتا ہے۔ کہ ان کا دل وسعت پکڑ جاتا ہے اور تمام بدن اُن کا اس میں گم ہو جاتا ہے۔ پس ان کا تمام وجود گویا قلب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حال تجرِ بحت کے انبساط کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا۔ جو ایک قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ نہایت اس حال کی یہ ہے کہ تمام وجود سالک کا تجلی قلبی کے ادراک کا آلہ ہو جاتا ہے اور اس کا حال کا مآل یہ ہے۔ کہ اس صاحب کمال کا تمام باطن ذاتِ بحت کے ادراک کا واسطہ ہو جاتا ہے۔ اور ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جس شخص کا تمام وجود قلب ہو گیا وہ اس شخص کے سامنے جس کا تمام باطن تجرِ بحت ہو گیا کیا رتبہ رکھتا ہے۔ اور جب کوئی شخص کامل اس مرتبہ پر پہنچتا ہے۔ تو جو امور دوسرے لوگوں کے لئے باعث کدورت اور موجب قبض ہوتے تھے۔ اس شخص کے باطن میں مطلق کوئی اثر نہیں کرتے۔ مثال اس کی ایسی ہے۔ کہ کوئی شخص علوم دقیقہ کی مشق و مزاولت کرتا ہے۔ اور اس کا تمام کاروبار قوت عاقلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ تو جو امور حواس ظاہرہ کی کدورت کا باعث ہوتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ جانا یا کان کے سوراخ میں روئی دے دینا۔ وہ اس کے کام میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ ہے وہ مضمون جو اس مقام کی تصویر میں احاطہ تحریر اور میدان تقریر میں گنجائش رکھتا ہے ولیکن کُنہ اس مقام کی سو وہ ورا الورا ثم ورا الورا ہے **فائدہ** جاننا چاہیئے کہ طالبین راہ نبوت کے دلوں کی لوحیں حب ایمانی کے غلبے اور فنائے ارواح کے رسوخ کے سبب سے خواہشوں اور آرزوؤں کے نقشوں سے صاف اور معرا ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک کہ بجز طلبِ رضائے حق کسی امر کی طلب اور دو جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی رغبت ان کے تہ دل میں قرار نہیں پکڑتی۔ اور دنیاوی مزوں اور اُخروی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف التفات اُن کے صمیم قلب سے ظاہر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ایک بار اللہ جل شانہٗ کا مبارک نام جو ان کی زبان پر جاری ہوا۔ اگر اس کے مقابلہ میں دونوں جہان کی نعمتیں اس کو بخش دیں۔ اور تھوڑی سی

اطاعت کو دو جہان کی نعمتوں سے مبادلہ کرنے کی ترغیب دیں تو البتہ ان کے حق میں سب و شتم کی جا بجا ہوگا۔ الغرض اس حال کا صاحب تمام اعمال صرف حضرت ذوالجلال کی رضامندی کے لئے بجالاتا ہی اور بس اور آیت مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ[1] انہیں لوگوں کی شان کا بیان ہے۔ اور جب اس طریق والے شکر محبت کے مقام سے تجاوز کر جاتے ہیں اور بلند درجوں پر ترقی کر جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے منصبوں پر جا پہنچتے ہیں۔ تب ان کے دل میں امور ملائمہ طبیعت کی طرف از جنس مرغوبات کونین رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت کی ناپسند چیزوں سے از قسم مکروہات دارین نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن نہ اس وجہ سے کہ اپنی طاعات کے مقابلہ میں کسی مرغوب چیز کی درخواست یا کسی مکروہ چیز کے دور ہونے کی خواہش کرتے ہیں حاشا و کلا۔ کیونکہ یہ بزرگوار لوگ اپنے اعمال کو اپنی چیز نہیں سمجھتے تاکہ ان کے مقابلہ میں کسی جزا کے امیدوار ہوں۔ بلکہ ان کی مثال ایسی ہے۔ کہ ایک بادشاہ عالی جاہ کی رعایا میں سے کسی شخص نے بادشاہ کی رضاجوئی کی خاطر بڑی مدت حیران اور سرگردان رہ کر اور خدمت سلطانی کے مناصب میں جیسے سپہ گری اور جمعداری وغیرہ انتقال اور تبدیلیاں کر کے آخر الامر قبولیت اور رضامندی سلطانی کے مقام میں پہنچکر کفالت و وکالت شاہی کا عالی منصب حاصل کیا۔ اور اس کا لقب چیلہ خاص رکھا گیا۔ پس اس حالت میں اسکو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا۔ کہ جو عمدہ چیزیں اس کے مولےٰ کے زیر حکومت اور اس کی سلطنت کے اندر موجود ہیں ان کی خواہش کرے۔ اور جو نفیس چیز بادشاہی خزانوں میں موجود ہے۔ اس کی درخواست کر سکتا ہے اس وجہ سے اس چیز کو اپنے علاقہ چیلگی کا بدل جانتا ہے۔ یا اپنی ادائے خدمات کی جزا سمجھتا ہے کیونکہ اس قسم کی طلب اس کے حق میں ایک قبیح عیب ہے کہ اپنے آپ کو بلند مرتبے سے نیچے گرا کر مزدوروں کے شمار میں داخل کرتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس علاقہ کا مقتضا ہی یہی ہے کہ اپنی تمام حاجات کو جن کے منجملہ طلب مرغوبات اور مکروہات سے پناہ مانگتا ہے اپنے مولےٰ ہی سے طلب کرے اور بس اسی طرح یہ ارباب کمال جب مرتبہ اصطفا اور اجتبا اور قبولیت اور محبوبیت پر کامیاب ہوتے ہیں۔ اور تمام مقعد صدق میں رسوخ قدم ان کو نصیب ہو جاتا ہے اور درجہ شمول رفیق اعلےٰ سے فائز ہو جاتے ہیں۔ اور بندۂ خاص اور عبد با اختصاص ان کا لقب ہو جاتا ہے اُس وقت البتہ ان کے دل میں امور مرغوبہ دارین کی طرف میلان ہو جاتا ہے اس لئے وہ امور اپنے مولیٰ کے خزانوں میں موجود ہیں۔ اور

[1] یعنی پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام اس کا منہ چاہ کر:

بہ سبب اس بات کے کہ مقام قبولیت میں راسخ القدم ہو چکے ہیں اُن کو کسی چیز کی طلب سی اگرچہ نہایت رفیع اور بدیع ہو۔ رکاوٹ نہیں۔ اس لئے اُن چیزوں کو طلب نہیں کرتے۔ کہ ان امور کو اپنے اعمال کی جزا سمجھتے ہیں بلکہ اس لئے کہ علاقہ عبودیت کو زیادہ تر رونق ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حظوظ نفسانیہ کا طلب کرنا اُن کے حق میں زیادت قرب کا موجب ہوتا ہے۔ نہ بُعد اور دوری کا سبب نظم موسےٰ اندر درخت آتش دید ٭ سبز تر میشد آن درخت از نار ٭ شہوت و حرصِ مرد صاحب دل ٭ اینچنیں دان و اینچنیں انگار ٭ القصہ جب اس کمال کے صاحب اس مقام و حال میں پہنچتے ہیں۔ تو بہ سبب اختلاف استعداد جبلی کے تین فریق ہو جاتے ہیں ایک قوم تو اپنے منصب میں کمال علو اور مقام قبولیت میں نہایت راسخ القدم ہونے کی وجہ سے دونوں جہان کے مرغوبات اور مکروہات کو اور دارین کے مصائب و مشکلات کو نہایت ادنی اور خسیس امور سے سمجھ کر طلب مرغوب کی طرف اور مکروہ سے بھاگنے اور ازالۂ مصائب اور استحلال مشکلات کی طرف جو کچھ ذرہ التفات ان کے تہ دل سے صادر نہیں ہوتی۔ نہ بہ سبب ہجوم سکر محبت کے اور مکروہ اور مرغوب میں تمیز اور فرق نہ کرنے کے سبب سے بلکہ ان کے منصب کے کمال اعلیٰ ہونے اور ان امور مذکورہ کے نہایت ادنیٰ ہونے کے سبب سے۔ الحق کہ ان کا مرتبہ اُن سے بہت بلند ہے۔ کہ ایسے امور کی طرف اُن کے دلوں میں التفات اور میل پیدا ہو۔ اور ان کا اپنے مناصب اور مراتب کے ساتھ خوش و خُرم ہونا اس سے اعلیٰ ہے کہ کوئی اور خوشی طلب کریں اگرچہ اس حد تک ان کو عرضِ حاجات کا رتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ کہ نظرِ عنایت ربانی اور کفالت رحمانی کے سبب ان کی دعا واجب الاجابت اور ان کا تعوذ واجب القبول ہو گیا ہے۔ اور دوسری قوم عرض حاجات اور دعائے حلِ مشکلات اور طلبِ مرغوبات اور دعائے دفع مکروہات اور شفاعات میں سعی کرنے میں بنا بر استحکام علاقۂ عبودیت اور اظہار حاجت کے جو بندہ ہونے کا شعار ہی اور اہل اضطراب اور ارباب حاجات پر رحمت اور شفقت کرنے کے لئے چُست و چالاک اور سرگرم ہوتے ہیں اور تیسری قوم بھی فریق ثانی کے ہم مشرب ہوتے ہیں۔ کہ ان کے دل میں طلب مرغوبات اور استحلال مشکلات اور شفاعت ذوی الحاجات کی خواہش پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ... بسبب کمال ادب کے اور کفالت حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ پر اعتماد کر کے باوجود کمال اس اعتقاد کے کہ علم ازلی تمام اشیاء کے اسرار اور ان کے باطن کو محیط ہے زبان حال پر اکتفا کر کے اکثر اوقات زبان قال کو کام میں نہیں لگاتے کہ مقولہ حَسْبِیْ مِنْ سُوَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ[1] اس قسم کی

[1] یعنی مجھ کو [illegible]

بزرگوں کی شان کا بیان ہے۔ اور حق جل وعلا البتہ ان کی دعا رحالی قبول فرماتا ہے۔ اور ان کی دلی حاجات روا فرماتا ہے۔ بایں طور کہ ان کے مقتضائے دلی کو خود بخود بلاتقریب ظاہر کر دیتا ہے۔ اور اُن کو بلکہ تمام بزرگان محفل قرب کو اس امر پر مطلع فرماتا ہے۔ کہ اس امر کا ایجاد محض ان کی رضامندی اور ان کی دلی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ہوا ہے۔ اور یہ امر اُن کی زیادت اعتبار اور کمال افتخار کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس معاملہ کے سبب سے اپنے اقران وامثال میں اُن کو بہت بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔ فائدہ اگرچہ ان تین فرقوں میں سے ایک گروہ کو دوسرے دو گروہ پر من جمیع الوجوہ نفضیلت دینا غلط محض اور خطائے صریح ہے۔ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگرست لیکن ملا ر اعلیٰ میں زیادہ اعتبار اور وجاہت پر لنظر کر کے تیسری قوم کو دوسری پر ایسی نفضیلت حاصل ہے جو اہل ذطانت میں سے کسی پر مخفی نہیں۔ اسی طرح بدیں لحاظ کہ قوم ثانی کے لئے علاقہ عبودیت کے مقتضیات ظاہر ہیں۔ اور ان کی سعی وشفارش سے عام لوگوں کو فیوض غیبیہ پہنچتے ہیں۔ رب اور خلقت کے درمیان ان کو وسیلہ ہونے کا مقام حاصل ہے قوم ثانی کو قوم اول پر فضیلت حاصل ہے۔ جو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔ والعلم عند اللہ۔

خاتمہ۔ بیان میں بعض معاملات اور واردات کے جو حضرت "سید احمد" صاحب قدس سرہ کو دونوں طریق یعنی طریق سلوک نبوت اور طریق سلوک ولایت کے اثنائے سلوک میں پیش آئے ہیں۔ اگرچہ خود یہ کمالات ہدایت آیات کہ یہ کتاب مستطاب ان پر مشتمل ہے اپنی حقیقت پر دلیلِ قاطع اور برہان ساطع ہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ قال کو حال سے پہچانتے ہیں۔ نہ حال کو قال سے یعنی ان کے نزدیک کمال کی خوبی اور معتبر ہونا بہ سبب اس اعتقاد کے ہوتا ہے۔ جو اس کلام کے قائل کی نسبت تقلیداً اُن کو حاصل ہو حالانکہ عقلمندوں کو متکلم کا اعتقاد کلام کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کتاب مستطاب کے ذیل میں کسی قدر ایسے کلام کرنے کی ضرورت پڑی۔ جو اُس کے ماخذ مضامین کا حال بیان کرے۔ تاکہ اُن مضامین کے ناظرین کو بہ سبب اطلاع پالنے کے اس امر پر کہ آنحضرت نے اُن مضامین کو کہاں سے حاصل کیا۔ اور کس شخص سے ان کا استفادہ کیا" اطمینان حاصل ہو جائے۔ پس جاننا چاہیئے۔ کہ آنحضرت کی جبلت ابتدائے فطرت سے کمال طریق نبوت پر اجمالاً مجبول تھی۔ اور اس طریق کے آثار یعنی مناجات کی لذت پانا خصوصاً نمازیں اور شرع شریف کی تعظیم کرنا اور اتباع سنت کی کمال رغبت اور

بدعت کے ساتھ آلودہ ہونے سے کمال نفرت اور طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی اور گناہوں سے جبلی کراہت سن خرد سالی میں آپ پر ظاہر باہر تھی۔ القصہ جبلی طہارت کے آثار آپ کی طبیعت کی تہ میں ظاہر تھے۔ اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبین مبارک میں روشن تھے۔ تا آنکہ سعادت کے خزانوں کی کنجی جس کی مدد سے ہر دو فریق یعنی طریق نبوت اور طریق ولایت کے بند دروازے کھل جائیں۔ آپ کے ہاتھ آ گئی۔ اور وہ کنجی کیا تھی۔ یعنی ملازمت جناب ہدایت مآب قدوۂ ارباب صدق و صفا زبدۂ اصحاب فنا و بقا سید الاولیاء و العلماء سند ادنیاء رحمت اللہ علی العلمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع ہر ذلیل و عزیز مولینا و مرشدنا الشیخ عبد العزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہ و اعزنا و سائر المسلمین بمجدہ و علائہ کی اور آپ کو آنجناب کے ساتھ طریقہ نقشبندیہ میں بیعت حاصل ہوئی۔ اور حصول بیعت کے یمن اور آنجناب کی توجہات کی برکت سے آپ کو نہایت عجیب عجیب معاملات ظاہر ہوئے کہ انہیں وقائع عجیبہ کے سبب طریق نبوت کے کمالات جو ابتدائے فطرت میں مجملاً مندرج تھے۔ ان کی اب تفصیل اور شرح کی نوبت پہنچی۔ اور مقامات طریق ولایت بھی اچھی وجہ پر جلوہ گر ہوئے۔ ان سب معاملات سے اول اور بہتر یہ ہے۔ کہ آپ نے جناب رسالت مآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین عدد چھوہارے اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو کھلائے اس طرح سے کہ ایک ایک چھوہارا اپنے ہاتھ مبارک سے لے کر حضرت سید صاحب کے منہ میں رکھتے تھے اور بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے۔ اُس رویائے حقہ کا اثر ظاہر باہر اپنے نفس میں پاتے تھے۔ اور اسی خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہو گیا۔ بعد ازاں ایک دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ پس جناب علی مرتضیٰ رض نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا۔ اور آپ کے بدن کی خوب اچھی طرح سے شست و شو کی جسطرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست و شو کرتے ہیں۔ اور جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو پہنایا پس اس واقعہ کے سبب سے کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے۔ اور اجتبائے ازلی جو کہ ازل الآزال میں پوشیدہ تھی۔ منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوئی۔ اور عنایات رحمانی اور تربیت ربانی بلا واسطہ آپ کے حال کی متکفل ہوئی۔ اور پے در پے معاملات اور بے شمار واقعات

وقوع میں آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل وعلی نے آپ کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ لیا۔ اور کوئی چیز امور قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع اور بدیع تھی۔ آپ کے سامنے کر کے فرمایا۔ کہ ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے۔ اور اور چیزیں بھی عطا کریں گے۔ تاآنکہ ایک شخص نے آپ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ اور چونکہ آپ ان ایام میں علی العموم بیعت نہیں لیا کرتے تھے۔ اس لئے اس شخص کی درخواست کو قبول نہ فرمایا۔ جب اس شخص نے نہایت الحاح اور اصرار کیا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا۔ کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہیئے۔ بعد ازاں جو کچھ مناسب وقت ہو گا۔ اُس پر عمل کیا جائے گا۔ پھر آپ اجازت اور استفسار کے لئے جناب حق میں متوجہ ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ بندگان درگاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست کرتا ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے ہمیشہ دستگیری کی پاس کرتا ہے اور حضرت حق کے اوصاف کو اخلاق مخلوقات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے اس طرف سے حکم ہوا۔ کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ اگرچہ وہ لکھو کھا ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے القصہ اس قسم کے وقائع اور ایسے معاملات سینکڑوں پیش آئے تاآنکہ کمالات طریق نبوت اپنی نہایت بلندی کو پہنچے۔ اور الہام اور کشف علوم حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے یہ ہے طریق استفادہ کمالات راہِ نبوت۔ ولیکن کمالات راہ ولایت کے استفادہ کا طریق پس اول سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اولیاء اللہ کے طریق میں سے ہر طریق میں مجاہدات اور ریاضات اور اشغال و اذکار اور مراقبات معین کئے ہوئے ہیں۔ اور ان امور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں ایک قسم کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اور ثمرات اشغال کے توارد کے سبب سے ایک امر مستقر طالب کے نفس میں پیدا ہو جاتا ہے کہ اس امر کے سبب سے طالب کا عالم قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے اور وہی امر حضرت حق جل وعلا کے ساتھ طالب کے علاقہ کا موجب ہوتا۔ اور وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے خواہ اس امر کی طرف طالب کو ملاحظہ ہو۔ یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کی طرف ملاحظہ کے سبب سے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ جوہر نفس میں پوشیدہ رہتے ہیں اور اس امر کو عرف قوم (صوفیہ) میں نسبت کہتے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص معقول کی کتابوں کی مزاولت کرتا ہے۔ یا دوسرے صنائع ہیں۔ جیسے موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو البتہ کچھ مدت کے بعد ایک امر مستقر[1] حادث ہو جائے گا کہ اس کو ملکہ صناعت کہتے ہیں اور وہ ملکہ اس شخص کے نفس میں

[1] یعنی ایسا امر جو طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے:

مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرے یا نہ کرے۔ ہاں البتہ جب یہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے۔ اور اس کو ظاہر کرتا ہے تو اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ پوشیدگی کے پردہ میں مخفی رہتے ہیں۔ جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیئے کہ اگرچہ عادۃ اللہ اس قانون پر جاری ہے۔ کہ کتاب و سنت کے مضامین کتب عربیہ اور فنون ادبیہ کی تحصیل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن بعض نفوس کاملہ کو بطریق خرق عادت پہلے پہل ان مضامین لطیفہ پر اطلاع بخشتے ہیں اور اس کو اصطلاح قوم میں علم لدنی کہتے ہیں۔ اور فنون ادبیہ بعد اس کے ثانیاً ان کو میسر ہوتے ہیں بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ مبادی کے حاصل کرنے میں دوسرے مبتدیوں کی طرح اس فن کے استادوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی مبادی سے عاری ہی رہ جاتے ہیں القصہ حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ۔ چشتیہ۔ نقشبندیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہو گئی۔ لیکن نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی بیعت برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات کے یمن سے جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا۔ کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گذرنے اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں۔ اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پُرزور اثر ڈالتے رہے پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو نصیب ہوئی۔ ولیکن نسبت چشتیہ پس اس کا بیان اس طرح ہے۔ کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ ہو گئے۔ اس اثناء میں ان کی روح پر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئیں۔ اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی۔ کہ اس توجہ کے سبب سے ابتداءً حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔ پھر اس واقعہ سے ایک مدت کے گذرنے کے بعد مسجد اکبرآبادی واقع شہر دہلی حرسہا اللہ تعالیٰ عن آفات الزمان میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ کاتب الحروف بھی اس محفل ہدایت منزل کے آستان بوسوں کی سلک میں مندرج تھا اور سب حاضرین مجلس مراقبہ کی گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے اس مجلس کے اختتام

کے بعد کا تب ... فرمایا کہ آج حق جل ... عنایت سے بلا واسطہ کسی کے نسبت چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے بعد ازاں طریقہ چشتیہ کی تعلیم اور تلقین میں باز دئے ہمت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی جنپر یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے یہ ہے طریقہ استفادہ تینوں نسبتوں کا لیکن باقی نسبتوں کا افادہ جیسے نسبت مجددیہ اور نسبت شاذلیہ وغیرہ پس جاننا چاہیئے کہ کمالات راہ نبوت ارباب کمال کی بصیرتوں کو کحل قدسی سے سرمہ ناک کردیتے ہیں اور کحل قدسی سبب اُن کی بصیرت کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور اُن کی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اُس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ دریافت کرلیتے ہیں پس گویا راہ ولایت کی تمام نسبتیں سالک راہ نبوت کے کمال میں مجملا مندرج ہوتی ہیں صرف اتنی بات ہے کہ کسی چیز کی طرف ادنی سی توجہ محقق ہوئی تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح و بسط کے ساتھ اُن کی بصیرت کے سامنے حاضر ہوجاتی ہے کہیں نہ سمجھ لینا کہ اس کلام سے ائمہ طرق ولایت پر سالک راہ نبوت کو فضیلت دینا مقصود ہے بلکہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ سالک راہ نبوت کے نفس میں ایک نور قدسی پیدا ہوجاتا ہے کہ اس نور کے سبب سے ہر صاحب نسبت کی نسبت کو اگرچہ اس سے افضل اور اعلیٰ ہو ادراک کرسکتا ہے جس طرح مجمع النور میں قوت باصرہ رکھی ہوئی ہے کہ اسی قوت کے سبب کے ہر نورانی جسم کو تیزی اور کمزوری کے مقدار پر ادراک کرسکتا ہے اگرچہ اس کا جسم کا اشراق نور بصری سے اعلیٰ اور اقوی ہو واللہ اعلم ولیکن مبادا کہ اخذ کرنا پس جاننا چاہیئے کہ اشغال اور اذکار اور مجاہدات اور مراقبات کا مقرر کرنا فی الحقیقت تشریع کا ظل ہے اور جو صاحب قرب فرائض کے مقام میں قائم ہوجاتے ہیں اگر یہ بزرگ از قسم انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے تو ضرور ہے کہ شریعت مجددہ کے صاحب ہونگے نہیں تو طرق موصلہ الی اللہ کے اوضاع کا معین کرنا فوارہ کی طرح اُنکی طبیعت سے جوش مارتا ہے اس میں تعلیم اور تعلم کو گنجائش نہیں فائدہ ان چند کلمات میں جو حضرت سید صاحب کی معاملات اجمالی اشارات پر مشتمل ہیں بڑے بڑے فائدے ہیں اور بڑی منفعتیں ہیں منجملہ ان فوائد کے ایک فائدہ تو وہ ہے جو شروع میں مرقوم ہوچکا اور منجملہ اُنکے ہے تحدیث بنعمۃ اللہ یعنے نعمت الہی کا اظہار کہ امر واما بنعمۃ ربک فحدث کی تعمیل اسمیں متصور ہوسکتی ہے اور منجملہ اُن فوائد کے غافلین کا بیدار کرنا کہ جو شخص حق جل علا کا طالب ہو اور حضرت کی حق طلب صادق اُسکے دل سے پیدا ہوئی ہو اُسکو اپنی مطلب بالی کے مقام کی طرف ہدایت ہوجاتی ہے اور منجملہ اُنکے زمانہ کے جاہلوں کی تنبیہ کرنا ہے کہ انہوں نے ولایت ربانی کو ممتنعات عقلیہ سے شمار کرکے اوائل امت پر اُسے منحصر سمجھکر انقطاع نبوت کی طرح ولایت کو انقطاع کے قائل ہوگئے ہیں فقط

والسلام علی من اتبع الھدیٰ والحمد للہ اولاً وآخراً وظاھراً وباطناً وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم ؀

تمت

(یونین پرنٹنگ پریس دہلی)